رسالہ

شاہ عبداللطیف بھٹائی

منظوم اردو ترجمہ

آغا سلیم

شاہ عبداللطیف، ثقافتی مرکز بھٹ شاہ

۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء

رسالہ

شاہ عبداللطیف بھٹائی

منظوم اردو ترجمہ

آغا سلیم

شاہ عبداللطیف، ثقافتی مرکز، بھٹ شاہ

۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء

کتاب کا نام : رسالہ شاہ عبداللطیف بھٹائی (منظوم ترجمہ)

مترجم : آغا سلیم

اشاعت : دوم

سال : ۲۰۰۰ء

ناشر : شاہ عبداللطیف ثقافتی مرکز، بھٹ شاہ، حیدر آباد

مطبوعہ : علمی پرنٹرز، کراچی

کمپوزنگ : احمد گرافکس، کراچی

قیمت : ۵۰۰/۰۰ روپے

فہرست

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۱.	عرض ناشر	۵
۲.	پیش لفظ	۷
۳.	سرکلیان	۲۹
۴.	سرایمن	۵۳
۵.	سرکھنبھات	۹۵
۶.	سرسری راگ	۱۱۵
۷.	سرسامونڈی	۱۴۵
۸.	سرسوہنی	۱۶۵
۹.	سرآبری	۲۲۵
۱۰.	سرمعذوری	۲۸۱
۱۱.	سردیسی	۳۰۷
۱۲.	سرکوہیاری	۳۳۳
۱۳.	سرحیسنی	۳۵۵
۱۴.	سرلیلاچنیسر	۴۰۹
۱۵.	سرمومل رانو	۴۲۹
۱۶.	سرمارئی	۴۷۳
۱۷.	سرکاموڈ	۵۲۷
۱۸.	سرگھاتو	۵۵۳
۱۹.	سرسورٹھ	۵۶۱
۲۰.	سرکیڈارو	۵۸۵
۲۱.	سرسارنگ	۶۰۵

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
۲۲.	سرآسا	٦٢٧
۲۳.	سررپ	٦٥٥
۲۴.	سرکھابوزی	٦٦٧
۲۵.	سربروو	٦٨٣
۲۶.	سررامکلی	٦٩٩
۲۷.	سرکاپانتی	٧٥٥
۲۸.	سرپورب	٧٦٥
۲۹.	سرکارایل	٧٧٧
۳۰.	سرپربھاتی	٧٨٩
۳۱.	سرڈھر	٧٩٩
۳۲.	سربلاول	٨٢٧

عرض ناشر

حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی دنیا کے ایک عظیم آفاقی شاعر ہیں جن کا پیغام ہر انسان کے لیے مشعلِ راہ اور سکون قلب ہے ان کے پیغام کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچانا اور پھیلانا یقیناً انسانیت کی خدمت ہے۔ بھٹ شاہ ثقافتی مرکز کو یہ اعزاز حاصل رہا ہے کہ وہ گذشتہ کئی برسوں سے (خاص طور پر شاہ صاحب کے عرس کے موقع پر) ان کی شاعری اور ان کے فکری اور روحانی پہلوؤں کے متعلق کتابیں مختلف زبانوں خصوصاً سندھی، اردو اور انگریزی میں شائع کرتا ہے۔ اس ادارے نے "شاہ جو رسالو" کا ایک ترجمہ پنجابی زبان میں بھی شائع کروایا ہے اور اس کی یہ بھی کوشش ہے کہ پاکستان کی دیگر زبانوں میں بھی "شاہ جو رسالو" کا ترجمہ کروایا جائے اور اسے منظرِ عام پر لایا جائے تاکہ ہمارے ملک میں ہر زبان بولنے والا شاہ سائیں کے کلام سے باآسانی استفادہ کر سکے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ شاہ صاحب کی شاعری کی کئی فکری اور روحانی جہتیں ہیں اور ان کے کلام کو پڑھتے ہوئے ہر بار ایک نیا فطری پہلو، ایک نئی جہت اور نیا شاعرانہ حسن ابھر کر سامنے آتا ہے جس طرح مختلف ادوار میں مولانا جلال الدین رومیؒ کی تحریروں کے مختلف زبانوں میں تراجم ہوئے ان تراجم سے ہر دور کے عوام نے یکساں طور پر فیض اٹھایا انہیں روحِ عصر کے عین

مطابق پایا۔ اسی طرح بھٹائی کے کلام میں بھی یہ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ اس کے جو تراجم ہوئے ان میں بھی ہر عہد کے اہلِ علم و دانش نے اپنے عہد کی ترجمانی کا ایک بھرپور احساس پایا۔

اس کے علاوہ شاہ صاحب کی شاعری میں سندھ کی تاریخ، جغرافیہ، ثقافت، لوک داستانیں اور لوک روایات کے بے شمار حوالے ملتے ہیں ان کی شاعری پر اچھا خاصا تحقیقی کام ہوا ہے۔ لیکن ان کے کلام پر ابھی مزید تحقیق کی ضرورت ہے تاہم بھٹ شاہ کلچرل سینٹر نے گزشتہ چند برسوں سے شاہ صاحب کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر کئی کتابیں شائع کی ہیں جن میں شاہ صاحب کا مجموعہ کلام 'گنج' خاص اہمیت رکھتا ہے۔ شاہ صاحب کے کلام کا مستند متن تیار کرنے کا تحقیقی کام بھٹ شاہ کلچرل سینٹر نے سندھ کے مشہور محقق ڈاکٹر این اے بلوچ سے بھرپور معاونت کر کے مکمل کروایا اور بلوچ صاحب کی یہ کاوش تین جلدوں میں منظرِ عام پر آئی۔

شاہ صاحب کے پورے کلام کا منظوم اردو ترجمہ پہلی بار شیخ ایاز مرحوم نے کیا جو ادب میں ایک سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے بعد شاہ صاحب کے رسالے کا منظوم اردو ترجمہ آغا سلیم نے کیا ہے۔ آغا سلیم کا ترجمہ اس لحاظ سے منفرد ہے کہ انہوں نے شاہ صاحب کے کلام کی موسیقیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ترجمہ کیا ہے اور ان کے ترجمے کو انہی دُھنوں میں گایا جا سکتا ہے جن دُھنوں میں شاہ صاحب کے سندھی کلام کو گایا جاتا ہے۔ بھٹ شاہ کلچرل سینٹر اس بار شاہ صاحب کے رسالے کے اس منظوم اردو ترجمے کو شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔

امید کی جاتی ہے کہ شاہ صاحب کے کلام کے اس ترجمے کی اشاعت سے وہ حضرات بھی مستفیض ہو سکیں گے جو ان کا سندھی کلام نہیں پڑھ سکتے۔

عبدالحمید آخوند

سیکریٹری

محکمہ ثقافت و سیاحت

حکومتِ سندھ۔ کراچی

پیش لفظ

شاہ عبداللطیف بھٹائی ۱۶۹۰ء مطابق ۱۱۰۲ھ میں موجودہ ضلع حیدر آباد کے موضع ہالہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کا تعلق سندھ کے ایک برگزیدہ سید خاندان سے تھا۔ آپ کے والد کا نام سید حبیب شاہ تھا، جن کا شمار سندھ کی برگزیدہ ہستیوں میں ہوتا ہے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی کے بزرگوں کا تعلق ہرات سے تھا۔ امیر تیمور کے زمانے میں میر علی نام کے ایک معزز سید ہرات میں رہتے تھے۔ ۸۱۰ھ میں امیر تیمور ہرات آیا تو سید میر علی نے امیر تیمور کی خوب خاطر مدارت کی اور ایک بڑی رقم نذرانے کے طور پر پیش کی۔ امیر تیمور، سید میر علی کی میزبانی سے بہت متاثر ہوا اور سید میر علی اور ان کے دو بیٹوں سید ابو بکر اور سید حیدر شاہ کو اپنے مصاحبین میں شامل کر کے، اپنے ساتھ ہندوستان لے آیا۔ ہندوستان میں امیر تیمور نے میر علی کے بیٹے ابو بکر کو سندھ میں سیوہن کا حاکم مقرر کیا اور سید میر علی اور حیدر شاہ کو اپنے ساتھ رکھا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد سید حیدر شاہ نے اپنے والد اور امیر تیمور سے اجازت لی اور گھومتے گھامتے سندھ آئے اور ہالا کے ایک معزز زمیندار شاہ محمد کے ہاں مہمان ہوئے۔ شاہ محمد ان کی شخصیت اور کردار سے اتنا متاثر ہوا کہ اس نے اپنی بیٹی کی شادی سید حیدر شاہ سے کر دی۔ شاہ محمد کی بیٹی کا نام فاطمہ تھا۔ کہا جاتا ہے کہ سید حیدر شاہ کی والدہ کا نام بھی فاطمہ تھا۔ اس لیے حیدر شاہ نے ان کا نام سلطانہ رکھا۔

شادی کے بعد سید حیدر شاہ تین چار سال ہالا میں رہے۔ اس دوران میں ان کے والد فوت ہوگئے۔ والد کے انتقال کی خبر سنتے ہی وہ ہرات جانے کے لیے تیار ہوئے۔ اس وقت ان کی بیوی حاملہ تھیں اور اُنھوں نے جانے سے پہلے وصیت کی کہ ان کی غیر موجودگی میں اگر لڑکا پیدا ہو تو اس کا نام ان کے والد کے نام کی نسبت سے میر علی اور اگر لڑکی پیدا ہو تو اس کا نام ان کی والدہ کی نسبت سے فاطمہ رکھا جائے۔

حیدر شاہ کی غیر موجودگی میں ان کے گھر لڑکا پیدا ہوا جس کا نام آپ کی وصیت کے مطابق میر علی رکھا گیا۔ میر علی کے خاندان میں بڑی بڑی بزرگ ہستیاں پیدا ہوئیں۔ شاہ کریم بلڑی والے اور شاہ عبداللطیف بھٹائی میر علی کے ہی خاندان میں پیدا ہوئے۔ دونوں اپنے اپنے دور میں سندھی زبان کے عظیم شاعر تسلیم کیے گئے۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی ابھی کم سن ہی تھے کہ ان کے والد ہالا سے نقل مکانی کر کے کوٹری کے مقام پر رہنے لگے۔ کوٹری میں انھیں آخوند نور محمد کی درس گاہ میں بھیجا گیا۔

شاہ عبداللطیف بھٹائی جیسے عظیم شاعر کا ظہور بذاتِ خود ایک معجزہ ہے۔ لیکن لوگوں کی عقیدت مندی، خلوص اور محبت، وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ ایسی ہستیوں کے گرد تصوراتی اور معجزاتی کہانیوں کا تانا بانا بُن دیتی ہے اور ان سے کئی معجزے منسوب کیے جاتے ہیں۔ شاہ صاحب کی ذات سے بھی بہت سارے معجزے منسوب ہیں۔ مثلاً ان کی شاعری کو معجزہ ثابت کرنے کے لیے یہ روایت مشہور کی گئی کہ شاہ لطیف اَن پڑھ تھے اور کسی اَن پڑھ کا ایسی شاعری کرنا معجزہ ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کے شاہ لطیف کی شاعری معجزہ ہے لیکن یہ بات صحیح نہیں کہ شاہ لطیف اَن پڑھ تھے۔ وہ نہ صرف پڑھے لکھے تھے بلکہ عربی اور فارسی کے عالم تھے۔ کہتے ہیں کہ کلام پاک، مثنوی مولانا روم اور شاہ کریم بلڑی والے کا کلام وہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اگر یہ بات مان لی جائے کہ شاہ لطیف اَن پڑھ تھے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کسی اَن پڑھ کو کلام پاک اور مثنوی مولانا روم اپنے ساتھ رکھنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ جس طرح اُنھوں نے اپنی شاعری میں کلام پاک، عربی اور فارسی کے الفاظ اور تراکیب کا استعمال کیا ہے، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ شاہ لطیف پڑھے لکھے تھے۔

جس زمانے میں سیّد حبیب شاہ ہالا سے نقل مکانی کر کے کوٹڑی گئے، اس زمانے میں کوٹڑی میں ایک مغل نواب مرزا مغل بیگ ارغون رہتا تھا۔ مغل بیگ سیّد حبیب شاہ کی پرہیزگاری اور خوش اخلاقی سے اس قدر متاثر ہوا کہ وہ اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ ان کے ارادت مندوں میں شامل ہو گیا۔ جب بھی مغل بیگ کے گھر میں کوئی بیمار ہوتا تو وہ اپنے مرشد سیّد حبیب شاہ کو دعا کے لیے اپنے گھر لے جاتا۔ ایک بار اس کی جواں بیٹی سیّدہ بیمار پڑ گئی۔ مغل بیگ نے حبیب شاہ سے درخواست کی کہ وہ ان کی حویلی میں چل کر ان کی بیٹی کو دعا دیں۔ اتفاق سے اس دن حبیب شاہ کی طبیعت ناساز تھی۔ اُنھوں نے اپنے بیٹے شاہ لطیف کو دعا کے لیے بھیجا شاہ لطیف نے مغل بیگ کی حویلی میں پہنچ کر اس کی بیٹی کو دیکھا تو وہ اس کے حُسنِ بے مثال سے مسحور ہو گئے۔ اُنھوں نے دعا کے لیے مغل بیگ کی بیٹی کی انگلی تھامی اور دعا دیتے ہوئے کہا کہ ”جس کا ہاتھ سیّد نے تھام لیا ہو، اسے کیسا دکھ اور کیسی بیماری؟ شاہ لطیف کی یہ بات مغل بیگ کو ناگوار گذری۔ اس وقت تو وہ خاموش ہو گیا لیکن بعد میں اس نے ایسے حالات پیدا کر دیے کہ سید حبیب شاہ کو پھر سے نقل مکانی کر کے ہالا میں سکونت اختیار کرنا پڑی۔

اس احساساتی حادثہ نے شاہ لطیف کی پوری زندگی کو بدل دیا۔ اُنھوں نے جس حسن بے مثال کو دیکھا اسے پانے کی تڑپ اور بے تابی سے مجبور ہو کر وہ جنگلوں اور بیابانوں میں گھومنے لگے۔ ایک دن اچانک وہ گھر سے نکلے اور جوگی بن کر دشت و بیابان میں گھومتے رہے۔ تین سال تک وہ انگ بھبھوت جوگیوں اور بیراگیوں کے ساتھ نگری نگری گھومے اور عام لوگوں کو قریب سے دیکھا، ان کے دکھوں اور محرومیوں کو محسوس کیا۔ یہ دوران کی زندگی کا وہ دور ہے جس میں محبوب کو پانے کی تڑپ اور نہ پا سکنے کی بے بسی نے ان کے احساسات اور جمالیاتی ذوق کو نکھارا اور دُکھ نے ان کے اندر کو دھو کر اُجلا کیا۔ بعد میں جب اُنھوں نے ریت کے ایک ٹیلے پر جسے سندھی میں ”بھٹ،، کہتے ہیں، سکونت اختیار کی تو اس دور کے سارے تجربے، دکھ درد اور مجبوریاں ان کی شاعری میں ڈھل گئیں۔ محبوب کے فراق، اُسے پانے کی تڑپ اور دشت و بیاباں کے سفر کی صعوبتوں کو اُنھوں نے سسئی کی داستان میں بیان کیا اور جن انگ بھبھوت جوگیوں کے ساتھ وہ مختلف تیرتھوں پر گھومتے رہے، ان کے لیے اُنھوں نے سُر رامکلی لکھا۔ تین سال کی دشت

نوردی کے بعد ٹھٹھہ آئے۔ جہاں ان کی ملاقات اس دور کے بہت بڑے عالم اور وحدت الوجودی صوفی مخدوم علامہ محمد معین سے ہوئی۔ اس وقت شاہ لطیف احساساتی طور پر بکھرے ہوئے تھے۔ مخدوم صاحب نے ان کے درد اور کرب کو محسوس کیا اور ان کے ساتھ کچھ ایسا برتاؤ کیا کہ شاہ سائیں دشت نوردی چھوڑ کر اپنے والدین کے پاس لوٹ آئے۔ ان ہی دنوں دل قوم کے چند افراد نے ذاتی دشمنی کی بنا پر مرزا مغل بیگ ارغون کی حویلی پر حملہ کیا اور اس کے خاندان کے تمام مردوں کو قتل کر کے سارا مال اور دولت لوٹ کر لے گئے۔ مرزا کے خاندان میں سے چند خواتین اور ایک نو عمر لڑکا بے یار و مددگار باقی رہ گئے۔ اس قتل و غارت اور لوٹ مار سے مغل بیگ کے خاندان پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مرزا کے خاندان کی عورتوں نے سوچا کہ یہ ساری مصیبتیں ان پر اس لیے ٹوٹی ہیں کہ مرزا نے اپنے مرشد سیّد حبیب شاہ کو ناراض کیا تھا۔ وہ سیّد حبیب شاہ کے پاس آئیں اور ان سے معافی مانگی، سرپرستی فرمانے کی درخواست کی اور مرزا مغل بیگ کی بیٹی سیّدہ کو شاہ لطیف کے نکاح میں دینے کی بات کی۔ سیّد حبیب شاہ نے ان کی بات مان لی اور سیّدہ کا نکاح اپنے بیٹے لطیف سے کرا دیا۔ اس طرح شاہ لطیف نے اپنے من کی وہ مراد پالی، جس کی خاطر وہ تین سال تک جنگلوں اور بیابانوں میں بھٹکتے رہے تھے۔

لاحاصل کو حاصل کرنے کی تڑپ اور بے تابی نے شاہ لطیف کے جمالیاتی ذوق کو نکھارا تھا اور ان کو احساساتی رفعتیں بخشی تھیں۔ شاہ سائیں اپنے آئیڈیل کو پانے کے بعد اپنی پچھلی کیفیت کی طرف پلٹ نہ سکے۔ لاحاصل کو حاصل کرنے کے بعد والی کیفیت نے ان کے دل میں کسی ایسے حسن اور ایسے آئیڈیل کو پانے کی تڑپ پیدا کی جو انسانی حسن کی طرح ناپائیدار نہ ہو اور پالینے والے میں مکمل سیرابی کی کیفیت پیدا نہ کر سکے۔ مجازی حسن نے انھیں حسن حقیقی سے روشناس کرایا۔ شاہ لطیف کی زیادہ تر شاعری لاحاصل کو حاصل کرنے کی اسی تڑپ اور بے تابی کی شاعری ہے۔

لوٹ آنے بعد شاہ لطیف نے کوٹڑی سے پانچ چھ کوس کے فاصلے پر ریت کے ایک ٹیلے کو منتخب کیا اور اسی ٹیلے پر رہنے لگے۔ ریت کے ٹیلے کی نسبت سے ہی ان کو بھٹائی (ٹیلے والا) کہا جاتا ہے۔

زندگی کے آخری دنوں میں شاہ لطیف کے دل میں مقدس مقامات کی زیارت کا شوق پیدا ہوا۔ وہ زیارت کے لیے گھر سے روانہ ہوئے لیکن نہ جانے کیوں واپس لوٹ آئے اور عبادت اور ریاضت میں مہنمک ہو گئے۔ وصال کا وقت قریب آیا تو انھوں نے اپنے ان درویشوں سے، جو ان کی محفل میں گاتے تھے، راگ گانے کی فرمائش کی اور خود چادر اوڑھ کر حجرے میں مراقبے میں بیٹھ گئے۔ تین دن تک درویش راگ گاتے رہے۔ تیسرے دن مریدوں نے حجرے میں جا کر دیکھا تو ان کی روح اپنے محبوب سے جا ملی تھی۔ محققین نے ان کی تاریخ وفات صفر ۱۱۶۵ھ لکھی ہے۔ ٹھٹھہ کے مشہور شاعر محمد پناہ رجا نے ان کی تاریخ وفات نکالی۔ اس دور کے کلہوڑہ حاکم غلام شاہ نے ۱۱۶۷ ہجری میں شاہ لطیف کے مزار پر مقبرہ تعمیر کرایا جو سندھی فنِ تعمیر کا نادر نمونہ ہے۔

ہر بڑا شاعر اپنے دور کا شعور ہوتا ہے۔ اس کی شاعری اس کے دور کے سیاسی، سماجی اور معاشی عوامل کا ردِ عمل ہوتی ہے۔ اس لیے شاہ لطیف کی شاعری کو سمجھنے کے لیے سندھ کی تاریخ، شاہ لطیف کے دور کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات اور سندھی لوک داستانوں کا جاننا نہایت ضروری ہے۔

۷۱۲ء میں عربوں نے سندھ فتح کیا۔ عربوں کی فتح سے قبل سندھ پر رائے گھرانے کی حکومت تھی، جو بدھ مت کے پیرو تھے۔ اروڑ (الور۔ الرور) ان کا پایہ تخت تھا۔ اُن کی سلطنت کی سرحدیں مارواڑ، گجرات، کشمیر اور دریا ہلمند تک پھیلی ہوئی تھیں۔ رائے گھرانے کے دور میں سندھ کی سرکاری زبان پالی تھی۔ لیکن عوام کی زبان پراکرت تھی۔

رائے گھرانے کے آخری حکمران رائے سہاسی کے دورِ حکومت میں اس کے ایک چالاک برہمن وزیر چچ سین نے اسے قتل کر کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ چچ کا باپ سہائج سین اروڑ کا پنڈت تھا اور چچ سین کو چاروں وید زبانی یاد تھے۔ چچ سین چونکہ پنڈت تھا۔ اس لیے راجپوت قبیلوں نے اسے اپنا حاکم ماننے سے انکار کر دیا اور بہت سے راجپوت قبیلوں نے بغاوتیں کر دیں۔ چچ سین بہت چالاک برہمن تھا۔ اس نے لالچ، دولت اور طاقت سے راجپوت کی بغاوتوں پر قابو پا لیا۔ داخلی خانہ جنگیوں سے فارغ ہونے کے بعد اس نے اپنی سلطنت کی سرحدوں کو مضبوط

کیا، شمال میں کشمیر اور دریا بلمند کی سرحدوں پر درخت لگا کر اپنی سرحدوں کی حد بندی کی۔

چچ کے بیٹے ڈاہر سین کے دورِ حکومت میں عربوں نے سندھ کو فتح کیا اور عرب اور سندھی ثقافت کے ملاپ سے ایک نئی ثقافت نے جنم لیا۔ عرب عالموں نے کلام پاک کا سندھی میں ترجمہ کیا اور بہت سے سندھی علما نے علم حدیث اور علم تفسیر میں کمال حاصل کیا۔

اسماعیلی داعی سندھ میں آئے۔ اُنھوں نے سندھی، سرائیکی اور گجراتی زبانوں میں مذہبی گیت لکھے جن کو گنان کہا جاتا ہے۔

عربوں کے دورِ حکومت میں ایک مقامی قبیلہ سومرو جو عقائد کے لحاظ سے اسماعیلی تھا، آہستہ آہستہ اقتدار میں آنا شروع ہوا اور اُس نے ملتان تک اپنی حکومت قائم کر لی۔

سومروں کا دور سندھی زبان کے پھلنے پھولنے کا دور ہے۔ سندھ کی لوک داستانیں عمر ماروی، مومل رانو، دودو چنیسر، موکھی متارا، سومروں ہی کے دور کی داستانیں ہیں۔ سندھی زبان کے شاعروں کو بھان اور چارن کہا جاتا تھا۔ پہلی بار سندھی شاعروں کو دربار میں رتبہ ملا۔

سومروں کے بعد سمہ خاندان کی حکومت کا دور شروع ہوا۔ سمہ بھی سومروں ہی کی طرح سندھی راجپوت تھے۔ ان کے دورِ حکومت میں ٹھٹھہ علم و ادب کا مرکز بنا۔ ہرات اور شیراز سے عالم، ادیب اور شاعر ہجرت کر کے ٹھٹھہ میں سکونت پذیر ہوئے۔ سمہ دور میں قاضی قادن جیسا بلند پایہ شاعر پیدا ہوا اور نوری جام تماچی اور لیلا چنیسر جیسی داستانوں نے جنم لیا۔

اکبر کے دورِ حکومت میں اکبر کے سپہ سالار مرزا عبدالرحیم خان خانان نے سندھ پر حملہ کیا اور سندھ کو مغلوں کے تابع کر دیا۔ دہلی کی حکومت کمزور پڑنے لگی تو سندھ کا ایک مقامی قبیلہ کلہوڑہ اقتدار میں آنا شروع ہوا۔

کلہوڑوں کے دورِ اقتدار میں نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کی فوجوں نے سندھ کو روندا۔

یہی وہ دور ہے جس میں شاہ لطیف کی کافیوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ سماجی طور پر سندھ کا معاشرہ جاگیردارانہ تھا۔ سارا معاشرہ جاگیرداروں، زمینداروں، مذہبی پیشواؤں، کاشت کاروں اور مختلف پیشوں سے تعلق رکھنے والے افراد میں بٹا ہوا تھا۔

حاکم محصولوں کے نام پر عوام سے دولت بٹورتا تھا اور اس دولت کا عوام کی بھلائی اور

فلاح کی بجائے اپنے ذاتی عیش و عشرت اور جاہ و جلال پر خرچ کرتا تھا۔ عوام بڑے بڑے محصولوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے تھے۔ لگان کی شرح ایسی تھی کہ کبھی کبھی کاشت کاروں کو ساری فصل لگان ہی میں دینا پڑتی تھی۔ ان محصولوں اور لگان سے بچنے کے لیے بہت سے سندھی قبیلے زمینیں اور گاؤں چھوڑ کر پہاڑوں اور جنگلوں میں جا چھپتے جہاں سے وہ شہروں اور دیہاتوں پر حملے کرتے اور لوٹ مار کر کے جنگلوں اور پہاڑوں میں چلے جاتے۔

اسی دور میں جھوک کے مقام پر شاہ عنایت صوفی پیدا ہوئے جنہوں نے کاشت کاروں کا لگان معاف کر دیا اور کاشت کار بڑے بڑے زمینداروں اور جاگیرداروں کو چھوڑ کر شاہ عنایت صوفی کے پاس آنے لگے۔

سندھ کے جاگیرداروں اور زمینداروں کو شاہ عنایت صوفی کی اس تحریک سے اپنا وجود خطرے میں محسوس ہوا۔ اُنھوں نے دہلی دربار میں شاہ عنایت کے خلاف درخواستیں بھیجیں۔ دہلی سے ٹھٹھہ کے حاکم اعظم خان اور کلہوڑہ حاکم کو حکم نامے بھیجے گئے کہ شاہ عنایت کے فتنہ کو ختم کیا جائے۔

شاہ عنایت صوفی پر الزام تھا کہ ان کے عقائد شرع کے خلاف تھے۔ دہلی دربار سے احکامات ملتے ہی اعظم خان اور کلہوڑہ حاکم نے جھوک شریف پر فوج کشی کی اور شاہ عنایت صوفی کو شہید کر دیا۔ اس وقت شاہ لطیف کی عمر ۳۱ سال تھی۔

شاہ لطیف نے اس دور کے مظالم کے خلاف اس طرح احتجاج کیا کہ پورے دور کو ٹھکرا کر ریت کے ایک ٹیلے پر سکونت اختیار کر لی اور اپنے دور کے تاریخی، سماجی اور سیاسی عوامل کے حسیاتی ردِ عمل کو، شاعری کا روپ دیتے رہے۔ شاہ لطیف کا یہ شعر اور اس طرح کے کئی اشعار شاہ عنایت صوفی کی شہادت کے سانحے کا حسیاتی ردِ عمل ہیں۔

سارا جہاں منصور ہے تو کس کس کو سولی پر لٹکائے گا۔

شاہ لطیف کی وفات کو گو کہ آج تین سو سال سے زیادہ کا عرصہ گذر چکا ہے اور آج کے دور کا سیاسی سماجی اور تاریخی منظر نامہ بدل چکا ہے لیکن اس کے باوجود ان کی شاعری آج بھی اسی طرح توانا ہے جیسے ان کے دور میں تھی۔ ان کی شاعری میں نہ صرف ان کے بلکہ آج کے دور کا

درد جھلکتا نظر آتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ شاہ لطیف کی شاعری آج کے دور کے انسان کے ادھورے خوابوں، آدرشوں، محبتوں، اذیتوں اور دکھڑوں کی شاعری ہے اس لیے میں شاہ لطیف کو اپنے ہی دور کا شاعر کہتا ہوں جس نے قدیم مثالوں اور محاوروں میں ہمارے دور کا درد بیان کیا ہے۔

شاہ لطیف جیسے عظیم شاعر کا کسی دوسری زبان میں ترجمہ کرنا ناممکن ہے، اس لیے کہ ان کی شاعری زمین سے اگی ہے اور ان کے شاعرانہ محاورے، تمثیلیں، جغرافیائی، تاریخی اور ثقافتی حوالے، سندھ کی زمین کے حوالے ہیں جن کا ترجمہ ناممکن ہے لیکن اس کے باوجود میں نے ان کے پورے کلام کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ میں اس کوشش میں کس قدر ناکام ہوا، اس کا مجھے پورا پورا احساس ہے لیکن ایک بات جو میری اس ناکامی کا جواز بن کر میرا سہارا بنتی ہے وہ یہ ہے کہ جس عقیدت اور محبت سے میں نے شاہ لطیف کے کلام کا ترجمہ کیا ہے اس عقیدت اور محبت سے شاید ہی کسی نے کیا ہو۔ اور یہ ہی میرا حاصل ہے۔

سندھی شاعری کی صنفیں

سندھی شاعری بنیادی طور پر موسیقی کی شاعری ہے اور شاعری کے عروض اور موسیقی کی تال کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ صوتیات کے اعتبار سے زبان انسان کے منہ سے نکلی ہوئی آوازوں کا نام ہے۔ آوازوں کے اس نظام کا ایک وزن ہوتا ہے۔ ہر لفظ کا اپنا ایک وزن ہوتا ہے۔ جو اعراب کہلاتا ہے۔ حرفِ صحیح ساکن اور متحرک حروف کی ترتیب سے پیدا ہوتا ہے۔ ہر زبان میں اعراب اور حرف صحیح کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر زبان کا عروض الگ ہوتا ہے۔ عروض اور زبان میں نغمگی اور مٹھاس کا تعین یا اس کا گھٹنا بڑھنا بڑی حد تک اعراب کی تعداد اور اعراب پر زور یعنی ACCENT پر منحصر ہوتا ہے۔ یہ مٹھاس یا نغمگی اعراب کو کھینچنے اور ان پر زور دینے سے پیدا ہوتی ہے۔

سندھی زبان کے حروفِ صحیح کے ساکن اور متحرک حروف کی ترتیب اور اعراب پر زور دینے یعنی ACCENT کے جداگانہ قواعد ہیں۔ اس لیے سندھی شاعری کا عروض فارسی زبان

کے عروض سے مختلف ہے اور عروض کے لحاظ سے شاعری کی اصناف بھی مختلف ہیں۔

فارسی شاعری کا بحر متحرک اور غیر متحرک حروف کی ترتیب سے بنایا گیا ہے اور بحر کے رکن کی ترتیب سے ساکن حروف کی جگہ پر ساکن اور متحرک حروف کی جگہ پر متحرک حروف لائے جاتے ہیں۔ فارسی بحروں کے رکنوں کا آخری حرف فارسی زبان کے اصول کے تحت ساکن ہوتا ہے۔ مثلاً

فاعلاتن۔ فاعلاتن۔ مفعولن۔ مستعملن وغیرہ

اس کے برعکس سندھی زبان کے کسی بھی لفظ کا آخری حرف متحرک ہوتا ہے اور آخری حرف کے تحرک سے ہی واحد اور جمع کے صیغے اور تذکیر و تانیث کا تعین ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر اردو کے لفظ یار ہی کو لے لیجیے۔ اس لفظ کا آخری حرف یعنی "ر" ساکن ہے۔ لیکن جب اس لفظ کو ہم سندھی لہجے میں ادا کریں گے تو "ر" کو متحرک کردیں گے اور یار کو یارُ کہیں گے، "ر" کے اس تحرک سے ہی صیغہ واحد اور جمع اور جنس مونث یا مذکر کا تعین ہوگا۔ مثلاً

واحد = یارُ

جمع = یارَ

مونث = یارِ

یہی وجہ ہے کہ سندھی کا عروض فارسی کے عروض سے مختلف ہے جسے "چھند ودیا" کہتے ہیں۔ ماترک چھند میں ساکن اور متحرک کا کوئی مسئلہ نہیں رہتا کیوں کہ یہ عروض زبان کے اپنے صوتی تقاضوں سے وجود میں آیا ہے۔

ماترک چھند کا تعلق موسیقی سے ہے اور موسیقی میں تال اور عروض کی اصطلاحیں بھی ایک سی ہیں مثلاً لگھو، گدو، ماترا وغیرہ

جیسا کہ ہم کہہ آئے ہیں کہ سندھ شاعری کا براہ راست تعلق موسیقی سے ہے چنانچہ سندھ کے کلاسیکی شعراء نے اپنے کلام کو ہمیشہ راگوں میں ترتیب دیا۔ ہم یہاں سندھی شاعری کی ان اصناف کا سرسری جائزہ لیتے ہیں۔ جن کا تعلق موسیقی سے ہے۔ ان میں مندرجہ ذیل اصناف شامل ہیں۔

۱۔ بیت

۲۔ وائی

۳۔ کافی

بیت

سندھی بیت شاعری کی ایک ایسی صنف ہے جو ہندی دوہے اور فارسی ابیات کے امتزاج سے ایک نئی اور منفرد شاعرانہ ہیئت کے روپ میں اُبھری ہے۔ ہندی دوہے میں صرف دو مصرعے ہوتے ہیں اور فارسی ابیات میں کئی اشعار ہوتے ہیں۔

سندھی بیت ہندی دوہے کی طرح دو مصرعے کا بھی ہوتا ہے اور اس میں فارسی ابیات کی طرح کئی کئی مصرعے بھی ہوتے ہیں۔

فارسی ابیات فارسی بحروں میں ہوتے ہیں اور ہندی دوہے کے بھی مخصوص اوزان مقرر ہیں لیکن سندھی بیت موسیقی کی ماتراؤں کے مطابق لکھا جاتا ہے اور موسیقی کے وزن کی ضروریات کی وجہ سے سندھی بیت کے مصرعے چھوٹے اور بڑے بھی ہوتے ہیں۔

سندھی بیت میں قافیہ کا استعمال بھی ایک نرالے انداز سے ہوتا ہے اور قافیہ کے استعمال سے ہی سندھی بیت کبھی دوہے اور سورٹھے اور کبھی دونوں کے امتزاج سے ایک نئی صورت اختیار کر لیتا ہے۔

بیت کی سب سے بڑی خوبی اور خوبصورتی اس میں قافیہ کا استعمال ہے کہ اس سے قافیہ میں زورِ بیان، لہجے کا حسن اور موسیقیت پیدا ہوتی ہے۔

سندھی بیت کو سمجھنے کے لیے ہم ہندی کے شاعر تلسی داس کے ایک دوہے کی مثال دیتے ہیں کہ کس طرح قافیہ کے استعمال سے سندھی بیت کی مختلف شکلیں بنتی ہیں۔

ہندی دوہا

تُلسی ایسی پریت نہ کر، جیسے لمبی کھجور
دھوپ لگے تو چھاؤں نہیں بھوک لگے پھل دور

اب اگر اس دوہے کے قافیوں یعنی "کھجور" اور "دور" کو مصرعوں کے درمیان میں لایا جائے تو وہ سندھی سورٹھا بن جائے گا۔

سورٹھا

جیسے لمبی کھجور، تلسی ایسی پریت نہ کر
بھوک لگے پھل دور، دھوپ لگے تو چھاؤں نہیں

اگر سورٹھے کے پہلے مصرعہ کے آخر میں اور دوسرے مصرعہ کے درمیان میں قافیہ لایا جائے تو یہ سندھی بیت بن جاتا ہے۔

سندھی بیت

تلسی ایسی پریت نہ کر، جیسے لمبی کھجور
بھوک لگے پھل دور، دھوپ لگے تو چھاؤں نہیں

اس طرح قافیوں کے استعمال سے سندھی بیت کی مندرجہ ذیل صورتیں بنتی ہیں

(۱)

قافیہ..........

..........قافیہ..........

قافیہ..........

(۲)

..........قافیہ

قافیہ..........

..........قافیہ

(۳)

قافیہ..........

.... قافیہ

.... قافیہ

.... قافیہ

بیت گانے کا ایک خاص انداز ہوتا ہے۔ بیت کسی نہ کسی مقامی راگ میں گایا جاتا ہے۔ بیت گاتے وقت لے کا کوئی ساز استعمال نہیں ہوتا۔ سازوں سے دھیمے سروں میں پس منظر میں سروں کی آس دی جاتی ہے۔ گانے والا بیت گاتے ہوئے راگ کی شکل کو واضح کرتا ہے اور راگ کا پس منظر بناتا ہے اس کے بعد وہ اسی راگ میں کافی گاتا ہے۔ کافی کے ہر مصرعہ کے بعد مصرعہ کے مضمون کے اعتبار سے بیت گاتا ہے۔

وائی

وائی سندھی شاعری کی قدیم صنف ہے۔ کہتے ہیں کہ وائی سندھی لوک گیت "سہرو" (شادی بیاہ کا گیت) سے اُبھری ہے اور ارتقا کی منزلیں طے کرتی ہوئی اپنی ایک الگ صورت اختیار کر گئی ہے۔

وائی کے لغوی معنی بات کے ہیں۔ سندھی میں کہتے ہیں "ایسی وائی منہ سے نہ نکال۔" یعنی ایسی بات نہ کر۔

جس طرح عربی زبان میں شعر یا مصرعہ کو قول کہتے ہیں جو بعد میں موسیقی میں گانے کی ایک وضع بن گیا اس طرح وائی بات یا قول کو کہتے ہیں جو بعد میں شاعری کی صنف بن گئی۔

سندھی میں واہ واہ کرنا کے معنی ہیں چیخ و پکار کرنا اور چونکہ وائی گانے کا انداز فریاد کرنے کے انداز کا سا ہوتا ہے اس لیے اسے وائی کہا گیا۔ ایک رائے یہ بھی ہے کہ وائی ہندی لفظ وانی کا مقامی تلفظ ہے۔ وائی کی استھائی ایک مصرعہ کی ہوتی ہے اور اس کے دو ٹکڑے ہوتے ہیں۔ پہلے ٹکڑے کے آخر میں قافیہ استعمال ہوتا ہے اور قافیہ کے بعد بسرام سے دوسرا ٹکڑا شروع ہوتا ہے جو بغیر قافیہ کے ہوتا ہے۔ استھائی کا دوسرا ٹکڑا جو بغیر قافیہ کے ہوتا ہے وائی کے ہر مصرعہ کے بعد دہرایا جاتا ہے۔

وائی کا تعلق چونکہ موسیقی سے ہے اس لیے یہ کسی نہ کسی راگ میں لکھی جاتی ہے۔ وائی غزل کی طرح مسلسل بھی ہوتی ہے اور اس کا ہر مصرعہ علیحدہ معنوں پر مشتعل بھی ہوتا ہے۔ لیکن معنی اور کیفیت کے لحاظ سے ہر مصرعہ اور استھائی کے دوسرے ٹکڑے کہ جو بے قافیہ ہوتا ہے اور ہر مصرعہ کے بعد دہرایا جاتا ہے میں مطابقت ضروری ہے۔ وائی کی ہیئت کو ہم شاہ لطیف بھٹائی کی مندرجہ ذیل وائی کی مثال سے سمجھ سکتے ہیں۔

استھائی

آئے میگھ ملہار، میں رنگوں چنریا دھانی
کالے بدرا تن پر ڈھانپے۔ برسن لاگا یار
میں رنگوں چنریا دھانی
چروا ہن کی کالی لٹ پر، بوندنیوں کی پھوار
میں رنگوں چنریا دھانی
کہے لطیف کو ہی یہ تجھ سے، انگنا میں آیار۔
میں رنگوں......

پنجاب میں وائی کو بھی کافی کہا جاتا ہے اور دونوں کے گانے کا ڈھنگ بھی ایک ہی ہے۔ جب کہ سندھ میں وائی اور کافی نہ صرف شاعری کی دو الگ اصناف ہیں بلکہ دونوں کے گانے کا ڈھنگ بھی الگ الگ ہے۔

شاہ حسینؒ، بابا بلھے شاہؒ اور خواجہ غلام فریدؒ کی بہت سی کافیاں ہیئت کے اعتبار سے وائیاں ہیں۔ خاص طور پر بابا بلھے شاہؒ کی مندرجہ ذیل کافی سندھی وائی ہی ہے

اُٹھ گئے گنواڈوں یار، ربا! ھن کی کریئے۔

خواجہ غلام فرید کے کلام میں سے وائی اور کافی کی مثالیں

کافی:

اَج ویڑھا پیا بھاندا ہے

کوئی وصل سینھڑا آندا ہے
مل مل آئے بادر کارے
بجلی چمکی مینہ پھنگارے
گج گج گاج کرے دھدکارے
جھوک سہاگ سہاندا ہے
کوئی وصل سینھڑا آندا ہے

وائی:

پنہل نا تھی دھار، متاں من ماندہ تھیوے
سانوں ڈیہنہہ سہاگ دے، ہر دم میگھ ملہار
متاں من ماندہ تھیوے
رل کر ساتھ گزاروں، جوبھن دے دن چار
متاں من ماندہ تھیوے
یار فرید نہ وسرے، دل کیتم لاچار
متاں من ماندہ تھیوے

اگر اس وائی کی استھائی کو ہم آخر میں رکھیں تو یہ وائی ہیئت کے اعتبار سے بیت بن جائے گی۔

سانوں ڈیہنہہ سہاگ دے، ہر دم میگھ ملہار
رل کر ساتھ گزاروں، جوبھن دے دن چار
یار فرید نہ وسرے، دل کیتم لاچار
پنھل نا تھی دھار، متاں من ماندہ تھیوے

کافی:

سندھ اور پنجاب کی مٹی کا مزاج کافی کا مزاج ہے۔ یہاں کی مٹی کا دکھ سکھ سروں اور تالوں میں ڈھل کر کافی کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ یہاں کے صوفیائے کرام نے بھی اپنے روحانی تجربات کے اظہار کے لیے کافی کو ہی وسیلہ بنایا۔

کافی کے متعلق بات کرتے ہوئے ذہن میں چند سوالات اُبھرتے ہیں کہ شاعری کی صنف کے طور پر کافی نے کب اور کیسے سندھ اور پنجاب میں رواج پایا..... آیا کافی صرف شاعری کی صنف ہے یا اس کا تعلق کافی راگ سے بھی ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔

کافی کا سراغ ہمیں تیرھویں صدی عیسوی میں حضرت غوث بہاؤالدین ذکریاؒ کے دور (۱۱۸۲۔ ۱۲۶۲ء) میں ملتا ہے۔ ایک روایت ہے کہ سندھ کے ذاکر حضرت بہاؤالدین ذکریاؒ کی محفلوں میں کافیاں گاتے تھے۔

> ''شیخ عبدالجلیل جو غوث بہاؤالدین ذکریاؒ کے داماد اور خلیفہ حمیدالدین حاکم کے خاندان سے تھے (۱۴۹۰۔ ۱۵۴۰ء) لاہور میں ان کی محفلوں میں سندھی ذاکروں نے کافیاں گائیں اور ان کے بھتیجے شیخ علی بری کی محفلوں کو بھی سندھی ذاکروں نے کافیوں اور دوہڑوں سے گرمایا۔''(۱)

کافی میں چوں کہ خدا کی حمد اور رسول پاکؐ اور مرشد کی مدحت کے مضامین ہوتے تھے اس لیے کافیاں گانے والوں کو ذاکر کہتے تھے۔ شیخ بہاؤالدین باجن (۹۰۷۔ ۹۲۱ھ) اور قاضی محمود دریائی (۸۷۴۔ ۹۴۱ھ) نے شاعری کی جس صنف کو رواج دیا اور موسیقی کی جس نئی وضع کی بنیاد ڈالی اسے ذکری کہا جاتا تھا۔ اس لیے کہ اس میں بھی خدا کی حمد، رسول کریمؐ اور مرشد کی مدحت کے مضامین ہوتے تھے۔

تاریخی حوالوں سے پتہ چلتا ہے کہ ایک بزرگ لاڈ جیو نے ہندوستان میں کافی کسی صنف کو متعارف اور مشہور کیا۔ وہ سندھ میں دادو کے قریب ایک چھوٹے سے قصبے پاٹ کے رہنے والے تھے اور ہجرت کر کے برہانپور گئے تھے (۱۵۳۴۔ ۱۵۹۸ھ) اور وہاں وہ خوش الحانی سے

کافیاں گاتے تھے۔ وہ خوش شکل اور خوش آواز تھے۔ گلزار اسرار کا مصنف (۱۵۰۵۔ ۱۶۱۲ء) محمد غوثی مانڈوی ان کے متعلق لکھتا ہے۔

"شیخ لاڈ جیو حسن صورت اور حسن سیرت کے ساتھ ساتھ خوش الحانی کی نعمت سے بھی سرفراز ہے۔ نغمہ سنجی اس کا دن رات کا شعار ہے۔ سندھی کافیاں اس سوز و گداز سے گاتا ہے کہ نہ صرف خود مست ہو جاتا ہے بلکہ سننے والوں کو بھی مست کر دیتا ہے...... کافی سندھ کا مقبول راگ ہے (۱)

اکبر کے دور حکومت میں عبدالرحیم خان خاناں نے سندھ فتح کیا اور سندھ کے حاکم مرزا جانی بیگ کو اپنے ساتھ دہلی لے گیا۔ مرزا جانی بیگ راگ کا دلدادہ تھا۔ وہ چند سندھی گانے والوں کو بھی ساتھ لے گیا۔ ان سندھی گانے والوں نے سندھی لوک داستان "عمر مارئی" اکبر کو گا کر سنائی۔ سندھی راگ کی یہ روایت ہے کہ کوئی بھی لوک داستان ابیات اور کافیوں کی صورت میں گائی جاتی ہے۔ سندھی گانے والوں نے اکبر کے دربار میں بھی سندھی ابیات اور کافیاں ہی گائی ہوں گی۔

تاریخ معصومی کا مصنف میر معصوم بکھری اکبر کا گورنر تھا۔ میر معصوم کا بھائی میر فاضل بکھری کافیاں کہتا اور گاتا تھا۔ فرید بکھری نے ذخیرۃ الخوانین میں لکھا ہے کہ

"میر فاضل بکھری سندھی زبان کا شعر کافی بہت اچھا کہتا تھا۔ اس صنف میں اسے مقبولیت حاصل تھی"۔ (۲)

اکبر کے دور میں سندھی کافیاں اسقدر مشہور ہوئی تھیں کہ ابوالفضل نے آئین اکبری میں سندھ کے راگ کو کافی لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"دکھن میں چھند گایا جاتا ہے۔ تلنگانہ اور کرناٹک میں دھرو مروج ہے، بنگال کا راگ بنگلہ ہے اور جونپور کا چٹکلہ۔ دہلی میں قول اور ترانہ مشہور ہے۔ متھرا میں بشن پد۔ آگرہ میں دھرپد کا چرچہ ہے۔ لاہور اور اس کے گردونواح میں چھند کا رواج ہے۔ گجرات کا راگ جکری (ذکری) اور سندھ کا راگ کامی (کافی) ہے جس میں مہر و محبت کا جادو سمایا ہوا ہے۔" (۳)

کافی کی وجہ تسمیہ

ہم اوپر کہہ آئے ہیں کہ شیخ بہاؤ الدین باجن اور قاضی محمود دریائی نے گجرات میں شاعری کی صنف ذکری کو رواج دیا اور موسیقی کی ایک نئی وضع کی بنیاد ڈالی۔ انہوں نے مختلف راگوں میں جن کو وہ پردہ کہتے تھے۔ ذکریاں تصنیف کیں جو حقیقت میں موسیقی کی تالیفات تھیں اور جن کو لوگ خانقاہوں اور محفلوں میں گاتے تھے۔ سندھی شاعروں نے بھی کافیاں تصنیف کیں جو حقیقت میں موسیقی کی تالیفات تھیں۔ ان کو بھی خانقاہوں اور محفلوں میں گایا جاتا تھا۔ ان میں بھی خدا کی حمد اور رسول مقبولؐ اور مرشد کی مدحت کے مضامین ہوتے تھے اور ان کو گانے والے ذاکر کہلاتے تھے، پھر کیا وجہ تھی کہ ان کو کافیاں کہا گیا۔

کافی کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف محققین نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور سندھ کے مشہور عالم اور محقق جناب مرحوم مولانا غلام محمد گرامی نے اپنے ایک مضمون "کافی اور وائی" میں محققین کی مختلف آرا کی چھان بین کر کے کچھ نتائج نکالے ہیں۔ ہم ان آراء میں سے چند نیچے درج کرتے ہیں۔

- لفظ کافی عربی لفظ کف سے بنا ہے۔ عربی میں کف دف کی اس لکڑی کو کہتے ہیں جس میں گھنگھرو بندھے ہوتے ہیں اور استکفوا خیرات لینے کو کہتے ہیں۔ چناں چہ وہ فقیر جو دف بجا کر خیرات مانگتے تھے۔ ان کے گیتوں کو کافی کہا گیا۔
- لفظ کافی عربی زبان کے لفظ کفی سے بنا ہے۔ ترازو کے دو پلڑے برابر ہوں تو ان کو عربی زبان میں کفی کہا جاتا ہے اور چوں کہ شعر کے دو مصرعے وزن کے لحاظ سے ترازو کے دو پلڑوں کی طرح برابر ہوتے ہیں اس لیے ان کو کفی کہا گیا اور کفی سے کافی بنا۔
- کافی مضمون کے لحاظ سے مکمل اور فن پر کفایت کرنے والی ہوتی ہے۔ اس لیے اسے کافی کہا گیا۔
- اولیاؤں کی درگاہوں پر حجرے بنے ہوتے ہیں جن میں فقیر اور درویش رہتے ہیں اور عارفانہ کلام گاتے ہیں۔ اس حجرے کو کافی کہا جاتا ہے۔ جس کے لغوی معنی غار کے ہیں، درویش ان حجروں میں جو عارفانہ **کلام گاتے** تھے، اس کلام کو اس حجرے کی نسبت سے کافی کہا گیا۔

- امیر خسرو نے کافی راگ ایجاد کیا۔ شروع میں جو کلام کافی راگ میں گایا جاتا تھا اسے کافی کہا گیا لیکن رفتہ رفتہ کافی نے شاعری کی ایک الگ صنف کی صورت اختیار کر لی اور ہر راگ میں گائی جانے لگی۔ لیکن شاعری کی اس صنف کا نام امیر خسرو کے ایجاد کردہ راگ کافی کی نسبت سے کافی مشہور ہو گیا۔
- امیر خسرو کا ایجاد کردہ راگ کافی چوں کہ سمپورن اور فن پر کفایت کرنے والا تھا اس لیے امیر نے اس کا نام کافی یعنی SELF-SUFFICIENT رکھا۔
- ڈاکٹر نبی بخش بلوچ کی رائے ہے کہ کافی عربی لفظ قافیہ کا مقامی تلفظ ہے۔ وہ اپنی کتاب ''سندھی موسیقی کی مختصر تاریخ'' میں لکھتے ہیں۔

> ''سندھ میں کافی کلام کی اصطلاح مروج ہے۔ قافیہ کلام عربی شاعری کی اصطلاحیں ہیں۔ شاعری کی یہ صنفیں گائی جانے لگیں تو ان کو قافی کلام کہا گیا جو بعد میں کافی کلام بن گیا اور پھر کافی موسیقی کی ایک صنف کی صورت اختیار کر گئی، یہ نظمیں قصیدے کے زیر اثر ابھری تھیں۔ اس لیے ان میں تعریف اور تشبیب کے مضامین تھے۔ قصیدے کے تعریف والے حصے میں خدا کی حمد اور حضورؐ کی مدحت شامل ہو گئی اور ذاکروں نے اس مضمون کی کافیاں سماع کی محفلوں میں گائیں اور ان کو ''مولود'' کہا گیا اور تشبیب کے مضمون کی کافیاں عام محفلوں میں گائی جانے لگیں۔''

میرے خیال میں کافی کا کافی راگ سے کوئی تعلق نہیں۔ کافی شاعری کی صنف ہے جسے ہم موسیقی کی تالیف کہہ سکتے ہیں۔ سندھ اور پنجاب کے صوفی بزرگوں نے دھرپد کہ جس کے بول سنسکرت زبان میں ہوا کرتے تھے اس کے مقابلے میں علاقائی زبانوں کے لوگ گیتوں میں خدا کی حمد و ثنا اور رسول پاک اور مرشد کی مدحت کے مضامین باندھے اور ان لوک گیتوں نے ارتقائی منزلیں طے کر کے ہیئت کے اعتبار سے کافی اور وائی کی صورت اختیار کر لی۔

اسماعیلی داعی جب سندھ میں آئے تو انہوں نے ہندومت کی اصطلاحات میں اسلامی عقائد کی تبلیغ کی اور علاقائی زبانوں میں مناجاتیں لکھیں جن کو گنان کہا جاتا ہے پیر صدرالدین کے سندھی گنان ہیئت کے اعتبار سے کافیاں ہی ہیں۔ جو فارسی عروض کے بجائے موسیقی کی

ماتراؤں میں لکھی گئیں ہیں۔ موسیقی کی یہ تالیفات مختلف راگوں میں گائی جاتی تھیں اور آج بھی کافیاں مختلف راگوں میں گائی جاتی ہے۔

کافی کی وجہ تسمیہ بقول ڈاکٹر نبی بخش عربی شاعری کی اصطلاح قافیہ بھی ہو سکتی ہے اور بزرگوں کے مزاروں پر بنے ہوئے حجروں یعنی کافیوں میں گایا جانے والا کلام بھی ہو سکتی ہے۔

آغا سلیم

رسالہ
شاہ عبداللطیف بھٹائی

موکھی اور متارے

مومل جب رانو کے فراق میں جل کر راکھ ہوئی تو مومل کا طلسمی کاک محل بھی اُجڑ گیا۔ تب مومل کی حسین اور چالاک کنیز ناتر نے بھی کاک محل کو چھوڑا اور سندھ کی مشرقی سرحدوں سے کوچ کر کے مغربی سرحدوں کی طرف چلی اور کراچی کے قریب گڈاپ کے مقام پر ڈیرے ڈالے اور وہیں رہنے لگی۔ گڈاپ میں اس نے میخانہ کھولا اور انگور کے رس کے مٹکے تیار کر کے بیچنے لگی۔ وہیں ناتر نے گڈا قوم کے ایک خوبصورت اور طاقتور جوان ہیبت سے شادی کر لی اور آرام سے زندگی کے دن گذارنے لگی۔ کچھ عرصے کے بعد اس کے ہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام اس نے موکھی رکھا۔ موکھی ماں کی طرح حسین اور چالاک تھی۔ وہ جوان ہوئی تو اس کا حسن اور نکھرا اور ہر طرف اس کے حسن کے چرچے ہونے لگے۔ دور دور سے لوگ موکھی کو دیکھنے اس کے میخانے میں آتے اور موکھی ناز و ادا سے ان کی میزبانی کرتی۔

ان دنوں وہاں آٹھ متاروں (شہزوروں) کی شہزوری اور بہادری کا بڑا شہرہ تھا آٹھوں متارے سرکش گھوڑوں پر سوار ہو کر ڈاکے ڈالتے پھرتے تھے۔

ایک دن ان متاروں نے بھی موکھی کے حسن اور اس کے میخانے کی شراب کی دھوم سنی اور موکھی کو دیکھنے اور اس کی انگوری شراب پینے موکھی کے میخانے آئے۔ موکھی کو دیکھ کر آٹھوں متارے اس کے حسن پر فریفتہ ہو گئے اور موکھی سے شراب مانگی۔ موکھی نے متاروں

کے لیے پرانی شراب کے مٹکے کھولے اور متاروں نے خُم کے خُم انڈیلے۔ لیکن شراب نے ان پر کوئی اثر نہ کیا۔ انھوں نے موکھی سے ایسی تیز اور پرانی شراب مانگی جسے پیتے ہی وہ مدہوش ہو جائیں، موکھی نے اور مٹکے لاکر ان کے سامنے رکھے۔ انھوں نے ان مٹکوں سے شراب پی لیکن اس شراب کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ موکھی سے اور تیز شراب مانگنے لگے۔ آخر کچھ شراب نے اور کچھ موکھی کے حسن نے ان پر اثر کیا اور وہ مستی میں جھومتے ہوئے گھوڑوں پر سوار ہوئے اور اپنی منزل کو چلے گئے۔

کچھ دنوں کے بعد پھر وہ آٹھوں متارے موکھی کے میخانے میں آئے اور موکھی سے شراب مانگی، اتفاق سے اس دن شراب کے سارے پرانے مٹکے ختم ہو چکے تھے۔ موکھی بہت پریشان ہوئی۔ وہ جانتی تھی کہ تازہ شراب تو ان پر کوئی اثر ہی نہیں کرتی۔ موکھی اسی پریشانی میں تھی کہ اچانک اسے یاد آیا کہ شراب کا ایک مٹکا کئی سالوں سے میخانے کے ایک کونے میں رکھا ہوا ہے۔ موکھی نے مٹکے کا ڈھکنا کھولا تو سارا میخانہ شراب سے مہک اٹھا۔ موکھی نے وہ مٹکا لاکر متاروں کے سامنے رکھا۔ متاروں نے شراب پی۔ ایسی شراب اُنھوں نے آج تک نہیں پی تھی۔ وہ شراب پی کر مستی میں جھولتے ہوئے اپنے گھروں کو چلے گئے۔

متاروں کے جانے کے بعد موکھی نے خالی مٹکا اُٹھایا تو اس مٹکے میں اسے سانپ کی ہڈیاں نظر آئیں۔ کچھ عرصہ پہلے شراب کے مٹکے میں سانپ گر گیا تھا، سانپ کا زہر شراب میں مل گیا تھا اور شراب میں کچھ ایسی تاثیر پیدا ہو گئی تھی کہ ایک مٹکا پیتے ہی متارے مست ہو گئے۔ موکھی سانپ کی ہڈیاں دیکھ کر بہت گھبرائی، اسے یقین ہو گیا کہ متارے سانپ کی زہر ملی ہوئی شراب پی کر مر جائیں گے۔ بہت عرصہ گذر گیا لیکن متارے نہ آئے۔ موکھی سمجھی کہ شاید متارے مر گئے، لیکن ایک دن اچانک آٹھوں متارے موکھی کے میخانے میں آئے، متاروں کو زندہ دیکھ کر موکھی بہت خوش ہوئی۔ وہ شراب کا بہت پرانا مٹکا لے آئی اور جام بھر بھر کر متاروں کو پلانے لگی۔ متارے پیتے رہے لیکن اس شراب نے ان پر کوئی اثر نہ کیا۔ وہ موکھی سے اور تیز شراب مانگنے لگے، موکھی اور پرانی شراب لے کر آئی لیکن اس شراب کا بھی ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ متاروں نے کہا کہ موکھی اس شراب میں تو نشہ ہی نہیں۔ ہمیں وہ شراب پلاؤ جو پچھلی بار تم نے

پلائی تھی۔ موکھی شراب کا ایک اور مٹکا لے آئی، لیکن اس شراب سے بھی انھیں سرور نہ آیا، وہ موکھی سے ایسی ہی شراب مانگتے رہے جیسی انھوں نے پچھلی بار پی تھی، موکھی بڑی پریشان ہوئی کہ وہ ایسی شراب کہاں سے لائے؟ اس شراب میں تو سانپ کا زہر ملا ہوا تھا۔ زہر ملی ہوئی شراب سے متاروں کو جو سرور ملا تھا وہ کسی اور شراب سے انھیں ہرگز نہیں مل سکتا تھا، آخر متاروں نے پوچھا کہ پچھلی بار تم نے ہمیں شراب پلائی تھی ایسی شراب اب کیوں نہیں پلاتی؟ موکھی نے کہا کہ بات یہ ہے کہ پچھلی بار جو تم نے شراب پی تھی اس میں سانپ کا زہر ملا ہوا تھا...... ان شہزوروں نے صرف شراب چکھی تھی اور ابھی زہر پینا نہ سیکھا تھا۔ ابھی وہ اس منزل تک نہیں پہنچ پائے تھے جہاں پینے والے زہر پی کر ہی جیتے ہیں اس لیے انھوں نے جب یہ سنا کہ انھوں نے زہر ملی ہوئی شراب پی ہے تو ان پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ آٹھوں متارے وہیں میخانے میں مر گئے۔

سُر کلیان

سُرُ کلیان

پہلی داستان

(۱)

اول اللہ علیم، اعلیٰ عالم کا دھنی،
قادر اپنی قدرت سے، قائم اور قدیم،
والی، واحد، وحدہٗ، رازق رب رحیم،
مدحت کر اس سچے رب کی، کہہ کر حمد حکیم،
وہ والی وہ کریم، وہ جگ کے کام سنوارے۔

(۲)

وحدہ، لاشریک لہ، کہہ دے جب اکبار،
احمد ہیں تخلیق کا باعث، پیار سے کر اقرار،
پھر کیوں غیر کے دوار، جاکر سر کو جھکائے۔

(۳)

وحدہٗ لاشریک لہ، کہا جنہوں نے یار!
محمد ہیں تخلیق کا باعث، دل سے تھا اقرار،
پہنچے وہ سب پار، کبھی بھی مشکل گھاٹ نہ آیا۔

(۴)

وحدہٗ، لاشریک لہ، کہیں اور ہو ایمان،
محمد ہیں تخلیق کا باعث، مانے قلب و زبان،
فائق ہیں فرمان، کبھی نہ مشکل گھاٹ گئے وہ۔

(۵)

راہ میں مشکل گھاٹ نہ آیا، ناؤ رہی سالم،
ایک سے مل کر ایک ہوئے ہیں، ایسے سارے عالم،
بنے وہ رب کے بالم، سائیں! روزِ ازل سے۔

(۶)

رب نے ان کو روزِ ازل سے، کیا سراپا نور،
لاخوف علیھم ولا ھم یحزنون، کبھی نہیں رنجور،
عشق سے ہیں معمور، وہ تو روزِ ازل سے۔

(۷)

وہ جو قتیلِ وحدت ہیں اور، لب پر اِلا اللہ،
جن کو ہے عرفانِ حقیقت، جن کی طریقت راہ،

معرفت کی مُہر ہے لب پر، ڈھونڈے دور نگاہ،
سُکھ سے پل بھی آنکھ نہ جھپکیں، من میں درد اتھاہ،
ان کی عجب ہے چاہ، وہ کاٹیں سر کند ھوں سے۔

⑧

وہ جو قتیلِ وحدت ہیں اور، اِلااللہ کے بسمل،
کہا کہ "برحق محمد ہیں،، اور، ہو گئے دل سے قائل،
کہے لطیف کہ جس عاشق نے، پائی ہے یہ منزل،
وحدت سے جھلمل، رب نے اس کو دھو دیا۔

⑨

وہ جو قتیلِ وحدت ہیں اور، اِلااللہ کے بسمل،
دیکھ کے ایسے گھائل، کیوں نہ جیارا ترسے۔

⑩

وحدہٗ، لاشریک لہ، سنا نہیں اے غافل!
تیرے دل میں شور بپا ہے، آن پڑی ہے مشکل،
ہوں گے گواہ مقابل، روئے گا تو دن محشر کے۔

⑪

وحدہٗ، لاشریک لہ، کر لے یہ بیوپار،
یہی تیری منزل ہے اب، جیت ہو چاہے ہار،
بھر کر دے گا یار، جام تجھے جنت سے۔

(۱۲)

وحدہٗ، لاشریک لہٗ، یہ ہے حق یکتائی،
منزل کبھی نہ پائی، دوئی میں جو اُلجھ گئے۔

(۱۳)

سر ڈھونڈوں تو دھڑ نہ پاؤں، دھڑ پاؤں تو سر کہاں،
جیسے سرکنڈے کٹتے ہیں، کٹے ہیں ہاتھ اور انگلیاں،
تن من خون افشاں، وصل جنہیں وحدت کا۔

(۱۴)

عاشق مت کہہ اس کو تو، اور نہ کہہ معشوق،
نہ ہی خالق کہہ اے ناداں!، نہ ہی کہہ مخلوق،
ایسی رمز سلوک، غیر کو کیوں بتلائے۔

(۱۵)

وحدت سے ہی کثرت ہے اور، سب کثرت ہے وحدت،
حق تو حقیقی ایک ہے سائیں!، چھوڑ تو سب غفلت،
ہر سُو پی کی نوبت، واللہ باج رہی ہے۔

(۱۶)

خود ہی جل جلالہ، خود ہی جانِ جمال،
خود ہی صورت یار کی، خود ہی حسنِ جمال،

خود ہی پیر مرید بنے اور، خود ہی یار خیال،
یار کا سارا حال، یار سے ہم نے جانا ہے۔

(۱۷)

خود ہی دیکھے خود کو، خود ہی ہے محبوب،
خود ہی خالقِ خوب، خود ہی اس کا طالب۔

(۱۸)

یہ بھی وہ اور وہ بھی وہ، اَجل بھی وہ اللہ بھی وہ،
پریتم وہ اور جان بھی وہ، دشمن اور پناہ بھی وہ۔

(۱۹)

ایک صدا ایک گونج، سننے میں ہیں دو
غور سے گر سن لو، مخرج ان کا ایک ہے۔

(۲۰)

ایک قصر در لاکھ، اور کروڑوں کھڑکیاں،
جدھر اُٹھے یہ آنکھ، ادھر ہے سندر روپ سجن کا۔

(۲۱)

ساجن! کیا کیا روپ ہیں تیرے! درشن لاکھ ہزار،
جی جڑے ہیں جی سے سائیں! الگ الگ دیدار،
تیرے روپ ہزار، کیا کیا روپ میں دیکھوں۔

وائی

اکھین پریت، رسیلی بتیاں، ایسے پی کو سب ہی پوجیں،
جو بھی میرے من میں ہے وہ، تو ہی جانے جاناں!
دوہے بیت لطیف کوی کے، تیری صدا ہیں بجناں!

دوسری داستان

(۱)

دیکھی جب بیماری میری، پیا ہوئے رنجور،
درد ہوا سب دور، ہجرِ یار تو سولی تھا۔

(۲)

اندھے نیم حکیم بھلا کیوں، اور تو روگ بڑھائے
روگ ہے میرے من میں پر تو، دارو اور پلائے
سولی سیج سہائے، موت تو پیا ملن ہے۔

(۳)

سولی نے ہے بلایا سب کو، کون چلے گی ساتھ،
ان سے رہا نہ جائے کریں جو، پیا ملن کی بات۔

(۴)

جن کے من میں پریت ہے ان کو، سولی نے ہے بلایا

پیچھے قدم ہٹانہ عاشق!، گر ہے عشق کا دعویٰ

کاٹ کے سر تو لے آ، پھر کر باتیں پیار کی۔

(۵)

سولی روزِ ازل سے سائیں!، عاشق کا سنگھار،

لوٹ کے آنا طعنہ جانیں، سولی پر دیدار،

مرنے کا اقرار، ان کا روز ازل سے ہے۔

(۶)

سولی روزِ ازل سے سائیں!، عاشق کا سنگھار

پاؤں کبھی نہ ان کے لرزے، دیکھ کے بھالے، دار

آن چڑھائے یار!، پریت انھیں سولی پر۔

(۷)

سولی پہ یوں سجنا، آج ہیں کیوں مسرور

جب سے لاگے نیناں، تب سے سولی سیج ہے۔

(۸)

سیج سمجھ کر سولی چڑھنا، یہ ہے ان کا کام،

رُکیں نہ وہ اک گام، آئیں مقابل سولی کے۔

(۹)

عاشق سولی پہ چڑھتے ہیں، دِن میں سو سو بار

پریت کی ریت کو بھول نہ جانا، دیکھ کر نیزے دار

جا تو اب اس پار، پنپ رہی ہے پریت جہاں پہ۔

(۱۰)

تیغ کو کر پیوست، پھر کر باتیں پریت کی
گونجے درد وجود میں تُو، پریت میں ہو سرمست
خون میں ہو لت پت، پھر لے عشق کا نام

(۱۱)

تیغ پہ کیا الزام، تیغ تجن کے ہاتھ میں ہے
دیکھ ادائیں محبوبوں کی، لرزے تیغ تمام
دکھ ہی دکھ ہر گام، عاشق کو ہے پریتم کا۔

(۱۲)

کند ہو تیغ کی دھار اے یار!، تیز نہ ہونے پائے،
ہاتھ ذرا رُک جائے، یار کا میرے تن پہ پل بھر۔

(۱۳)

پی کی تیغ کی دھار، کٹ کٹ جائے چام
لے کر یار کا نام، عاشق انگ کٹائیں۔

(۱۴)

پریت کی ریت جب سیکھی ہے تو، تیغ سے پھر کیا ڈرنا
پریتم نے جو زخم دیے ہیں، عام کبھی مت کرنا،
ہنس ہنس راز میں رکھنا، درد کی اس دولت کو۔

⑮

کوچۂ یار میں آجا سائیں!، کاٹیں انگ اگر
یہ ہے ان کا دیس کہ جن کے، ہاتھ میں ہیں خنجر۔

⑯

ایسے پی سے پریت لگی کہ، ہاتھ میں ہے خنجر،
اُلفت کے میدان میں آؤں، کیسا خوف و خطر
آگے رکھ دوں سر، شاید کاٹ لے پریم۔

⑰

کچھ تو مقتل میں جا پہنچے، باقیوں کی ہے قطار
تجھ کو مان ملے گا ہوجا، مرنے کو تیار
کیا تو دیکھ نہ پایا ان کے، سروں کے ہیں انبار،
سروں کا کاروبار، آج کلال کے ہاٹ پہ ہے۔

⑱

مے پینا گر چاہے تو پھر، پاس کلال کے جا،
مے کے خُم کے پاس تو جاکر، کاسۂ سر کو جھکا
ایک ہی گھونٹ میں پی لے مے اور، جام پہ جام چڑھا،
شہزوروں کے ہوش گنوائے، یہ ہے وہ مدرا
بھاؤ بڑا سستا، سر دے کر گر مے مل جائے۔

(۱۹)

گر ہے مے کی خواہش تو پھر، جا کلال کے گھر

سر کندھوں سے کاٹ کے اپنا، مٹکے پاس تو دھر

سر کا سودا کر، جام پہ جام تو پی لے۔

(۲۰)

گر ہے مے کی خواہش تو پھر، جا کلال کے آنگن،

مھیسر[1] کی مدرا پی کر، رہ تو مست مگن،

رمز سمجھ ساجن، سر کے بدلے مے سستی ہے۔

(۲۱)

گر ہے مے کی خواہش تو پھر، گھر کلال کے جا،

کاٹیں تیرا انگ انگ تو، مے کی ریت نبھا،

سودا ہے سستا، گر جام ملے جاں دے کر۔

(۲۲)

مے انمول ہے ساجن!، مول ملے کب مدرا،

سر تو آج سجا کے لے جا، یار! کلال کے آنگن،

یہ ہے ان کا مسکن، سر جو واریں مے پر۔

(۲۳)

عاشق عادی زہر کے ہیں اور، زہر سے ہیں مسرور،

---

[1] شودیوتا جو شراب کا بھی دیوتا ہے۔

کڑوا قاتل زہر جو دیکھیں، مستی میں ہوں چور،
کہے لطیف کہ عشق یار میں، مٹ کر ہیں مسرور،
زخموں سے ہیں چور، کبھی نہ زخم دکھائیں۔

(۲۴)

کڑوی مے جو پی نہ پائیں، کیوں لیں مے کا نام،
جان رگوں سے کھینچے یہ مے، لرزاں جسم تمام،
چکھ لے کڑوا جام، سر دے کر تو پی لے گھونٹ۔

(۲۵)

جو بس خواہش کرنا جانیں، لیں کیوں مے کا نام
جونہی کلال نے تیغ نکالی، لرزاں جسم تمام،
وہی چڑھائیں جام، جو سر کا سودا کر پائیں۔

(۲۶)

سر جدا ہیں جسم سے اور، دیگ میں جسم تمام
حق ہے ان کا جام، سر جو سجا کے لائیں۔

(۲۷)

انگ اُبلتی دیگ میں ہیں اور، کڑ کڑ کرے کڑھائی،
زخموں کی رعنائی، دیکھ کے بھاگے بید۔

(۲۸)

مدرا پینے آئیں ان سے، سر مانگے ہے ساقی،
جن کی مدرا بھٹی، وہ کچھ اور ہی مانگیں۔

(۲۹)

جو ہیں پریت کے مارے ان کو، کب ہے پیاری جان
سر وہ سجا کر ہاتھ پہ لائیں، دیکھ تو اُن کی شان
سر کا دے کر دان، بات کریں پھر عشق کی۔

(۳۰)

جو ہیں پریت کے مارے ان کو، کب ہے پیاری جان
یار کی ایک جھلک کی خاطر، لاکھوں سر قربان
میرا جسم یہ جان، یار کی خاکِ پا پہ صدقے۔

(۳۱)

سر کا صدقہ دے کر سائیں، پریتم گر مل جائے
سستا سودا جان کے عاشق، سر اپنا کٹوائے
قسمت جب بر آئے، تب ملتا ہے ساجن۔

(۳۲)

مے کے ایک قطرے کی، آس شہادت ہے،
یہ بھی عبادت ہے، گر ہو پی کا روشن۔

وائی

پی کر مے کے جام، ساجن کو پہچان لیا
عشق کے پیالے پی کر ہم نے، جانا بھید تمام
انگ انگ میں پیار کی اگنی، سلگیں سب اندام،
جھوٹے جگ میں رات بتائی، صبح کیا آرام،
کہے لطیف کہ تو ہی تو ہے، باقی تیرا نام۔

تیسری داستان

(۱)

مجھ کو چھوڑ گیا ہے ساجن، پریت کا روگ لگا کر
ایسا درد وہ دے گیا سائیں!، جان کو میری دلبر
کوئی نہ چارہ گر، میرے من کو بھائے۔

(۲)

من کو اب نہ بھائے کوئی، پی بن اور طبیب
تو ہی یار حبیب، میرے حال کا ہادی ہے۔

(۳)

ہادی ہوا حبیب وہ میرا، راہ نمائے راحت
پی نے روگ مٹایا سارا، قائم ہوگئی نسبت
ہم نے پائی صحت، روگ سے تیرے ہاتھوں۔

(۴)

اور طرح کا روگ لگے ہے، ہادی ہو جو حبیب
ایسا روگ مٹا نہ پائے، کوئی اور طبیب
راہ نما ہے رقیب، وہی درد کا درماں ہے۔

(۵)

جب وہ چارہ ساز ہوا تو، دور ہوا آزار
گاہے بول سے رس گھولے اور، گاہے قہر کا وار
اس کو ہی وہ گھائل کر دے، جس کا ہو وہ یار
وہ ہی رب ستار، وہ ہی من کی بپتا جانے۔

(۶)

پل پل جھن جھن باج رہے ہیں، رگ رگ تار رُباب
میرے لب پر مہر لگی ہے، ساجن دے نہ جواب
وہ جو میرے زخم کا مرہم، دل کو کرے کباب،
وہ ہی عین عذاب، وہی راحت روح کی ہے۔

(۷)

وہ بھٹکائے راہ دکھائے، عجب ہے اس کی عادت
جس کو چاہے عزت دے اور، جس کو چاہے ذلت۔

(۸)

کیا ہے درد کا کارن؟، پی نے چھپ کر پوچھا

درد کا درماں بخشا یار نے، مجھ کو پاس بلایا
"آخر و العصر"، پریتم نے فرمایا،
تب سے یہ من میرا، ترسے پی درشن کو۔

(۹)

دور سے بیٹھا کیوں ترسے ہے، جا اس یار کے دوار
ٹھکرایا سنسار، جس نے دیکھا دوار پیا کا۔

(۱۰)

شیرینی سے شیریں تر ہے، میٹھا ہر ایک بول
ساجن ہے انمول، چپ بھی پیار کی باتیں ہیں۔

(۱۱)

شیرینی ہی شیرینی ہے، جو کچھ پریتم دے،
دل سے گر چکھ لے، ذرا نہیں کڑواہٹ۔

(۱۲)

جان بوجھ کے پی نے تجھ سے، باندھا درد کا رشتہ،
پریت کے درد کی باتیں پیارے!، غیر کو مت بتلا

(۱۳)

جس کی چاہ میں تڑپ رہے ہو، وہ بھی تجھ کو چاہے
فاذ کرونی اذکرکم، پی کی بات سمجھ لے،
ایسا وہ پریتم ہے، شیریں لب اور ہاتھ میں خنجر۔

(۱۴)

پریتم نے اک بار پکارا، مہر سے مجھ برھن کو،
بس اس ایک سخن کو، سکھیو! دل دُہراتا ہے۔

(۱۵)

پیار سے پریتم نے پوچھا تھا، مجھ سے یہ اک بار
"کیا میں تیرا رب نہیں ہوں"، میرا تھا اقرار،
درد کی تیکھی دھار، تب سے دل میں اُتری ہے۔

(۱۶)

پوچھ رہے ہیں یار، پی نے باندھا کدھر نشانہ
عشق کے بھالے برس رہے ہیں، خود کو کریں نثار
دیکھ کہ کیسی سج دھج سے وہ، آئیں سوئے دار،
سر دیتے ہیں وار، مر مٹنا تو پیا ملن ہے۔

(۱۷)

پاس بلا کر قتل کرے اور، پھر وہ پاس بلائے
لاکھ گڑھے ہوں عشق کے بھالے، قدم لرز نہ پائے
موت سے آنکھ ملائے، بھول کے اپنی خودداری کو۔

(۱۸)

پی کا پاس بلانا بھی تو، گویا ہے دھتکار،
جس کو کوئی سمجھ نہ پائے، ایسا اس کا پیار،

آس اسی کی یار!، جو توڑ کے ناطہ جوڑے۔

(۱۹)

قتل کرے تو مہر کرے اور، مہر سے قتل کرے وہ
میرے روح کی راحت ہے اور، میرا قاتل ہے وہ۔

(۲۰)

قتل کرے اور مہر سے پھر وہ، پاس بلائے یار
یہ بھی اس کے ناز و ادا ہیں، عجب ہے اس کا پیار
زخم وہ دے ہر بار، وہ ہی روح کی راحت ہے۔

(۲۱)

پاس بلاکر گھائل کر دے، ایسے ناز و ادا
وہ ہی دار پر لٹکائے اور، دے وہ زخم نیا
سر کا کر سودا، برہ کا وہ بنجارہ ہے۔

وائی

ہوگا درد کا درماں، میرا یار حبیب سکھی ری!
درد کا آکر کرے مداوا، مہر سے میرا سجناں
میرے انگنا آکر دیکھا، میرا حال پریشاں
مجھ روگی کا روگ مٹایا، آن کے میرے انگنا
کہے لطیف کہ تجھ سا جگ میں، اور طبیب نہ جاناں!

سُر ایمن
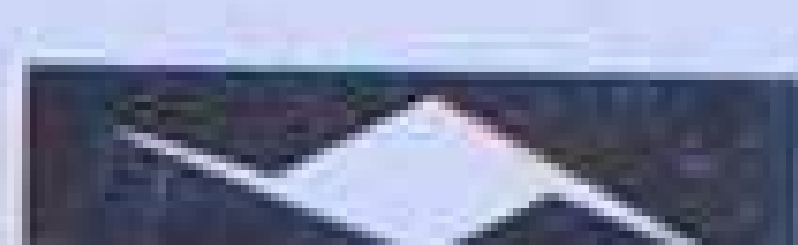
سرُ ایمن

پہلی داستان

(۱)

تو حبیب تو طبیب، درد کی تو دوا،
جانی! میری جاں کو ہے، روگ کیا لگا؟
تو ہی دے شفا، صاحب! اہلِ درد کو اب۔

(۲)

تو حبیب تو طبیب، روگ سے دے نجات،
درد کی دوا ہے سائیں!، تیری اک اک بات،
روؤں میں دن رات، تجھ بن اور نہ درماں۔

(۳)

تو حبیب تو طبیب، تو دوائے کرب،

روگ بڑھائے اور اُتارے، تو ہادی، تو رب،
کرم کرے تو جب، تب کام آئیں یہ طبیب۔

④

تو حبیب تو طبیب، درد کی تو دوا،
ماندگی بھی تو ہی دے اور، تو ہی دے شفا،
حکم ہو جب ترا، تب دوا اثر کرے ہے۔

⑤

کوئی طبیب کبھی جو آکر، میرا درد مٹاتا ہے،
درد نیا دے جاتا ہے، آکر میرا ساجن

⑥

ہاتھ اُٹھا کر تیر چلا دے، مجھ پر کر احسان،
مر کر پاؤں مان، پریتم تیرے ہاتھوں سے۔

⑦

ہاتھ اُٹھا کر تیر چلا دے، گھٹتا ہے اب دم،
آہ کروں تو جگ جانے ہے، صبر نہیں جانم،
کیا بتلائیں ہم، کہ ساجن نے مارا ہے۔

⑧

ہاتھ اُٹھا کر تیر چلا دے، کھینچ لے آج کمان،
آن گروں آغوش میں تیری، اسی بہانے مان،

پورے ہوں ارمان، وصل تو ہو پل بھر کا۔

(۹)

جس جا پریت کے تیر چلائیں، میرے یار حبیب،
بھولیں بید طبیب، سارے علم و حکمت کو۔

(۱۰)

جب بھی مارے پیار سے، میرا یار حبیب،
ڈھونڈے کون طبیب، گھائل ہی پھرتے رہیں۔

(۱۱)

ساجن نے پھر تیر چڑھا کر، کھینچی آج کمان،
سسک رہی ہے جان، جس کو تیر لگا ہے۔

(۱۲)

جن کے تن میں تیر چبھے ہیں، سسک رہے ہیں گھائل،
اُلفت کے مقتل میں اب تو، تڑپ رہے ہیں بسمل،
اپنے زخم کا آپ ہی مرہم، درد ہی ان کا حاصل،
ہو کر ان میں شامل، ان سنگ رات بتائیں۔

(۱۳)

چلو تو رات بتا آئیں ہم، ایسے گھائل سنگ،
تن زخموں سے چور ہے جن کا، زخم سجے گل رنگ،
دھوئیں زخمی انگ، چھپ چھپ کر سب جگ سے۔

(۱۴)

آج بھی قاتل کے کوچے میں، سسک رہے ہیں گھائل،
شام ہوئی تو بسمل، دھونے لگ گئے زخم ہیں سارے۔

(۱۵)

قاتل کے کوچے سے آئی، کیسی یہ آواز،
شاید چارہ ساز، کھول کے دیکھ رہے ہیں گھاؤ۔

(۱۶)

شاکر اپنے حال پر دائم، پریت کے سارے گھائل،
دور ہے ان کی منزل، تھک کر بیٹھ نہ پائیں۔

(۱۷)

جو ہیں پریت کے گھائل وہ تو، درد کی بات سنائیں،
کیسا روگ لگا ہے من کو، اور کو نہ بتلائیں،
درد میں لذت پائیں، درد کے ہیں یہ جویا۔

(۱۸)

گھائل کا وہ درد نہ جانیں، سدا ہیں جو مسرور،
کروَٹ تک بھی لے نہ پائیں، درد سے یہ مجبور،
چُھپ کر یاد کریں پریتم کو، روئیں وہ رنجور،
ان کا یہ دستور، رو رو رین بِتائیں۔

(۱۹)

گھائل کا وہ درد نہ جانیں، درد سے جو انجان،
کیسے تڑپ رہے ہیں بسمل، سسک رہی ہے جان،
کہے لطیف کہ پل پل ان کو، ساجن کا ہے دھیان،
ان کی پریت مہان، رو رو کر جو رین بتائیں۔

(۲۰)

نیر بہائیں نین سے جو، جھوٹی ان کی پریت،
جگ دکھلاوا جھوٹ ہے یہ، کب یہ پریت کی ریت،
جن کے من میں میت، وہ کبھی نہ نیر بہائیں

وائی

بھولے بید بچارے، درد نہ جانیں دل کا
چارہ سازو! لے جاؤ تم، اپنے نشتر سارے،
وہ ہی مہر کا مرہم دیں گے، دیں جو زخم نیارے،
جن کے ہجر کا درد ہے دل میں، وہ آئے آج دلارے۔

دوسری داستان

(۱)

میرا روگ نہ جانے تو ہے، کیسا چارہ گر،

بھاڑ میں جھونک تو اپنا مرہم، اور یہ علم و ہنر،
بن اپنے دلبر، جینا ہے بے کار۔

(۲)

چارہ گر سے اُلجھیں روگی، سنیں نہ اس کی بات،
دور ہوں سب آفات، مان لیں چارہ گر کی باتیں۔

(۳)

چارہ گر سے اُلجھ رہے ہیں، صبر نہ وہ کر پائیں،
درد ہی سہتے جائیں، اسی لیے ہیں روگی۔

(۴)

دیکھے جب بیمار کی حالت، رحم طبیب کو آئے،
سب کو وہ سمجھائے، چارہ گر کی بات نہ مانیں۔

(۵)

بیماروں نے صحت پائی، رہے طبیب کے ساتھ،
چارہ گر نے روگ مٹایا، چھو کر ان کا ہاتھ۔

(۶)

پاس پڑوس میں چارہ گر تھے، گئی نہ ان کے پاس،
نیناں ہوئے نراس، جب سے دور گئے ہیں ساجن۔

(۷)

تو نے کب پرہیز کیا اور، خود کو روگ لگایا،

وہ ہی کیا ہے تو نے جو ہے، تیرے من کو بھایا۔

(۸)

گر ہے من میں چاہ تو سیکھو، چوروں کے اطوار،
راتیں جاگیں، جشن منائیں، نینن نہیں خمار،
جو کچھ پائیں، اسے چھپائیں، ایسے ہیں ہوشیار،
چاہے سولی پہ چڑھ جائیں، کریں نہ وہ اظہار،
جیون بھی دیں وار، راز نہ کھولیں دل کا۔

(۹)

چارہ گر نے گھائل کو، گھر سے دیا نکال،
ہر اک زخم کے ٹانکے ٹوٹے، سارا تن بے حال،
اپنے دوست کے درشن سے ہی، دور ہو رنج و ملال،
پریتم آن سنبھال، بید ہوئے مایوس۔

(۱۰)

گھر میں بید کے بیٹھے بیٹھے، انگنا آیا یار،
انگ انگ سے خوشیاں پھوٹیں، دل کو ملا قرار،
دور ہوا آزار، دیکھتے ہی دلبر کو۔

(۱۱)

جس ساجن نے زخم دیے ہیں، وہ ہی رمز شناس،
پریتم نے ہی زخم سیئے تو، صحت آئی راس،

رہے جوان کے پاس، تو روگ لگے کیوں جی کو۔

(۱۲)

کیسا روگ لگا ہے، بید نے لی نہ خبر،
آئے گا جب دلبر، تو کروں گی اس سے شکوہ۔

(۱۳)

بید! صحت کی طلب نہیں اور، دوا نہیں درکار،
آئے شاید یار، اور پوچھے میرا حال۔

(۱۴)

چارہ گر کے پاس رہو تو، کبھی نہ ہو بیمار،
دور ہو ہر آزار، اور روگ کبھی نہ لاگے۔

(۱۵)

چارہ گر کے پاس رہے پھر، پالا کیوں آزار،
درماں تیرے پاس تھا اس پر، جان کو دیتے وار۔

(۱۶)

نیم حکیم نے مجھ کو مارا، ماہر بید نہ پایا،
داغ داغ کے سارے تن کو، روگ کو اور بڑھایا۔

(۱۷)

اب تو بید دوائیں دے کر، کریں گے اور نراس،
جو تھے روگ شناس، ان کی قدر تو کر نہ پائی۔

(۱۸)

چارہ گر نے جتن کیے، پر درد ہوا نہ دور،
آپ ہی درد کا درماں دیں گے، چھو کر تن رنجور،
پوچھیں جن کو حضور، تو روگ نہ ان کو لاگے۔

(۱۹)

تڑپ کے سب مجبور، کرتے تھے فریاد،
درد ہوا تب دور، چارہ گر جب آئے۔

وائی

میں ہوں پریت کی ماری، کبھی تو آ میرے انگنا،
دوش نہ دینا مر جائے گر، ہجر میں یہ بے چاری،
آن کے درد کا درماں کر دے، تیرے میں بلہاری۔

تیسری داستان

(۱)

دل میں اک کہرام مچا ہے، پل پل تڑپے من،
میرا ہر اک انگ جلائے، بھڑکے پریت اگن،
جلتا یہ تن من، شاہد میری پریت کا ہے۔

(۲)

من میں اک کہرام مچا ہے، سُلگے ہر پہلو،
تن سُلگا تو پھیلی ہر سو، جلتے ماس کی بو،
کبھی تو آکر تو، خود ہی دیکھ لے پیارے!

(۳)

جیسے آگ ببول کی دہکے، دہک رہا ہے تن،
جل کر یار! کباب ہوا ہے، سارا تن اور من،
چارہ گر ساجن، اور نہ درماں کوئی۔

(۴)

یار نے کہنی ٹیک کے، ایسا تیر چلایا۔
پہلو میں پیوست ہوا تو، تن کو چیر گیا،
پیٹھ میں اُترا، جگر کو چھیدا، قلب کے پار گیا،
بید طبیب بُھلایا، پی بن اور نہ درماں۔

(۵)

کھینچ کے ایسا تیر چلایا، لرزا جسم تمام،
تن کو چیر کے قلب میں اُترا، چیر گیا چام،
آیا کچھ آرام؟، پوچھو یار سجن سے۔

(۶)

کھینچ کے تیر چلایا، یار نے دوجی بار،

سَن کرتا یوں تیر چلا کہ، ہوا بدن کے پار،
قلب و جگر کو چیر کے سائیں!، آر سے ہو گیا پار،
جینا ہے دشوار، تڑپوں تیر نہ نکلے۔

⑦

تیر چلانے کو ساجن نے، کھینچی آج کمان،
سَن کرتا اک تیر چلا اور، زخمی جسم و جان،
تیر انداز مہان، ساجن یار ہے میرا۔

⑧

جلا جلا کر دہکائیں جو، من میں پیار کی اگنی،
جلتی سیخ گھپی ہے تن میں، پریت نئی ہے بجنی،
یہ ہے دید کی کرنی، جلتی ہوں میں اگنی میں۔

⑨

پروانوں سے پوچھے کوئی، جل جانے کا حال،
آگ میں خوش خوش جھونکیں خود کو، جینا ہے جنجال،
عشق کا ہے یہ کمال، کہ جیتے جی جل جاتے ہیں۔

⑩

پروانہ تب کہلائے جب، آگ ہو خاکستر،
اس آتش کے سوختہ ہیں سب، اسے تو سوختہ کر،
بھید اس کا پا کر، من کی آگ سے آگ بجھادے۔

(۱۱)

پروانہ کہلاتا ہے تو، جان بوجھ کے جل،
جب تک جلتی آگ ہے باقی، جلنا جان اٹل،
آگ ہے پل دو پل، جل جا بھید نہ بتلا۔

(۱۲)

پروانہ کہلاتا ہے تو، لوٹ نہ دیکھ کے آگ،
پریتم کی مکھ جوت پر، جلے تو تیرا بھاگ،
جلنے سے ہے باک، کچی تیری پریت ہے۔

(۱۳)

پروانوں نے موت کی ٹھانی، دیکھ کے روشن باتی،
سانچ کی آنچ سے ذرا نہ جھجکے، جھوم کے جان جلادی،
خاک ہے اُڑتی پھرتی، سانچ پہ جلنے والوں کی۔

(۱۴)

دیکھ کے جلتی آگ کو، پروانے منڈلائے،
شعلے جیسے پھول کھلے ہوں، آگ میں جلنے آئے،
کیوں نہ تو جل جائے، سانچ کی جلتی آگ میں۔

(۱۵)

تن تندور کی مانند دہکے، مار ذرا چھینٹا،
من میں عجز کی آگ جلاکر، اپنی جان جلا،

اپنے اندر منزل منزل، آگے بڑھتا جا،
کہے لطیف کہ پیار کی اگنی، اور کو مت دکھلا،
کہیں یہ دکھلاوا، وصل کے آڑے آئے۔

(١٦)

کل عشاق کو جلتی بھٹی سے جو، کھینچ کے لائے،
ان کے من میں آتشِ وحدت، اور بھڑکتی جائے،
ہستی کو دہکائے، وحدت کی یہ اگنی۔

(١٧)

آہن گر کی آگ میں جل کر، ہو جائے جو کندن،
دور سے ہی پہچانے ان کو، آہن گر ساجن۔

(١٨)

آہن گر کی بھٹی میں ہیں، شعلے رقص کناں،
پیار کی جوت جلاتے ہیں یہ، بھڑکے آگ یہاں،
جھونک دے جسم وجاں، خود کو کندن کرلے۔

(١٩)

جائے نہ آگ کے پاس کبھی اور، آہن گر کہلائے،
شعلہ عشق کی آگ ذرا بھی، تجھ سے سہی نہ جائے،
سب کو یہ بتلائے، کہ میں تو آہن گر ہوں۔

(۲۰)

سر کو بنا کے سنداں پھر جا، آہن گر کے پاس،
کوٹ کے کندن کر دیں شاید، تجھ کر رمز شناس۔

(۲۱)

سر کو بنا کے سنداں سائیں!، چوٹ پہ چوٹ جو کھائے،
تب ہو گا تو کندن جب تو، اپنا آپ گنوائے۔

(۲۲)

دیکھ تو انگاروں کو کیسے، جلتے ہیں دو بار،
لکڑی جل کر کوئلہ ہو تو، لائے گھر لوہار،
جلتی آگ میں ڈار، ان کو راکھ کرے وہ۔

(۲۳)

جلا بُجھائیں، بجھا جلائیں، مجھ کو میرے پیارے،
جلا رہے ہیں آہن گر کے، شعلے اور انگارے۔

(۲۴)

دیکھو آج آئے ہیں، آہن گر وہ مہان،
لائے ہیں سندان، تیغ کو تیز کریں گے۔

(۲۵)

آئے ہیں آہن گر وہ دیکھو، عجب ہیں ان کے ڈھنگ،
اُترے گا سب زنگ، کریں گے لوہا کندن۔

(۲۶)

زنگ اُترے اور لوہا پگھلے، لپکیں جس جا شعلے،
دیکھو سنداں لرز رہی ہے، ایسے پڑیں ہتھوڑے،
آج لگے ہیں میلے، آہن گر کے ہاٹ پر۔

(۲۷)

سنداں سے مانوس ہیں ان کا، دمک رہا ہے رنگ،
تیغ ہے ان کی تیز کہ جس کو، کبھی نہ لاگے زنگ۔

وائی

جی بہلاؤ، آس بندھاؤ، مجھ کو یہ بتلاؤ،
کب آئے گا ساجن یار،
مہر کے گہرے ساگر سے اک، بوند مجھے درکار،
تیرے ایک اشارے سے، دور ہو سب آزار،
اپنی مہر سے اس پاپن کو، تو ہی پار اُتار،
گھونگھٹ کھول کے ہنس ہنس بول کے، میری اور نہار،
کبھی تو مہر سے اِس سائل کو، پاس بلا اے یار!

چوتھی داستان

(۱)

اک پیالے کے دو ہوں طالب، یہ نہیں عشق پرستی،
گن گن کر جو جام پییں کیا، پائیں قرب الستی،
حائل ہو گئی ہستی، وصل سے محروم ہوئے وہ۔

(۲)

اک پیالے کے دو ہوں طالب، یہ نہیں عشق کی ریت،
ایک سے مل کر ایک ہوئے جو، ان کی ہو گئی جیت،
ایسی ان کی پریت، کہ دور ہوئے دوئی سے۔

(۳)

ایک پیالے کے دو ہوں طالب، عشق نہ مانگے آدھا،
جوں شاعر اور گائک میں ہے، شعر و غنا کا ناطہ۔

(۴)

آنکھیں اُن کو ڈھونڈ رہی ہیں، جو دوئی کے قاتل،
زہر ملی جو مے پیتے ہیں، ان سے مے کر حاصل۔

(۵)

آنکھیں ان کو ڈھونڈیں جن کو، دوئی راس نہ آئے،
سر کو بھی قرباں کریں گے، قطرہ مے مل جائے۔

(۶)

زہر کو مار کے شہد بنائیں، بیٹھ تو ان کے پاس،
زہر آئے وہ راس، بھر بھر پیالے پی لے۔

(۷)

مے نوشوں کو کیوں ترسائے، مے کو کردے عام،
تیرے در سے پی کر جائیں، جھومتے گام بگام،
ہو پھر تیرا نام، موکھی! مے نوشوں میں۔

(۸)

مے نوشوں کو کیوں ترسائے، جام پہ جام پلا،
راہرؤں کو مدرا دے کر، ظرف تو دیکھ ذرا،
مے کا ایک قطرہ، بڑا ہی ہے انمول۔

(۹)

ہچکی پر ہچکی ہے اور ہیں، لب پر زہر کے پیالے،
جام پہ جام پلا دے ساقی!، آئے ہیں متوالے،
خُم کے طالب سارے، گھونٹ دو گھونٹ سے کیا بنتا ہے۔

(۱۰)

موکھی نے تب مٹکے کھولے، چلی جب خنک ہوا،
مے کی مہک سے کھچ کر پیاسے، سروں کو آئے سجا۔

(۱۱)

رات پڑی جو میخانے پر، شبنم قطرہ قطرہ،
ساقی! قطرہ قطرہ چُن کر، راہروؤں پر برسا،
نگر نگر میں بات چلے اور، دھوم مچے پھر ہر جا،
صبح پئیں گے مدرا، متوالے مے خانے میں۔

(۱۲)

مے خانے میں آئیں گے تو، کریں گے خالی خُم،
بھر بھر دینا تم، اور بڑھے گی پیاس۔

(۱۳)

موکھی مے فروش، اوچھی اس کی ذات،
زہر پلا کر رات، مارا متوالوں کو۔

(۱۴)

زہر ملی مے دے کر، مار دیے متوالے،
کرے گی اب کیا جی کر، متوالوں بن موکھی!

(۱۵)

مرگئے مے کے متوالے سب، تو بھی جان سے جا،
موکھی! کس کو دکھلائے گی، اب تو جور و جفا

(۱۶)

مے کب ان کو مار سکی تھی، مار گیا اک بول،

بول نے رگ ریشے میں ان کے، زہر دیا تھا گھول،
متوالے انمول، مر گئے سن کر بات۔

(۱۷)

ابھی بھی بھٹی میں پکتے ہیں، مدرا کے کچھ خُم،
بھول نہ جانا تم، موکھی! ان متوالوں کو۔

(۱۸)

تیغ تنی ہو گردن پر اور، لب پر جام پہ جام،
خُم کے خُم خالی ہوں ہر سو، مے نوشی ہو عام،
وہ کب تشنہ کام، جو پالیں حال و مستی۔

(۱۹)

برا نہ چاہا موکھی نے اور، زہر کا تھا نہ اثر،
بس ایک گھونٹ کی خاطر چوما، میخانے کا در،
جاں سے گئے گذر، بول میں زہر گھلا تھا۔

(۲۰)

آج تو یار کلال سے جا کر، سر کا سودا کر،
ہاتھ میں خنجر لے کر سائیں، کاٹ لے اپنا سر،
موت سے کیسا ڈر، مول بڑا ہے مے کا۔

(۲۱)

دیکھ کہ ہر اک پیالے میں ہے، طرح طرح کی مدرا،

یار کلال کی قدر ہوئی جب، مے کا کیف ہوا،
آج کلال کے پاس وہ سارے، سر کا دیں صدقہ،
چکھتے ہیں مدرا، سر کا سودا کرکے۔

(۲۲)

زہر ملی مے پی کر جب یہ، جسم بنے انگار،
جن سنگ تونے مدرا پی تھی، گئے برس اے یار!
ملیں گے وہ میخوار، تجھ سے مے خانے میں۔

(۲۳)

اے دل دیکھ کلال کو، اور اس کی خُو اپنا،
ساری رات جلائے بھٹی، جل تھل ہیں نیناں۔

وائی

یار کا پایا درشن، دوست میرے گھر آیا،
جس کو دیکھے جگ بیتے تھے، آج وہ آیا ساجن،
ہجر کی رات اب بیت چلی ہے، ملن سے مہکا آنگن،
دور دیس میں یار بسا تھا، آج وہ آیا بن ٹھن،
کہے لطیف کہ مہر سے سائیں، انگنا آیا ساجن۔

پانچویں داستان

①

وہ ہی سچے صوفی تھے جو، سب سے تھے بیگانے،
عشق کی بازی بھول نہ پائے، ایسے تھے فرزانے،
مستی سے مستانے، پاگئے اپنا پریتم۔

②

رہتے ہیں یوں جگ میں، جیسے جسم میں جان،
کبھی نہ ایسی بات کریں کہ، دوجا جائے پہچان،
سمجھیں پاپ مہان، گر بھید سمجھ لے کوئی۔

③

دان بنے ہے دکھ کا کارن، بن بھکشا مسکائیں،
صوفی وہ کہلائیں، جن کی جھولی خالی۔

④

کوئی نہ جانے اک صوفی کا، مسلک اور مذہب،
اپنے ہی من میں ہے محشر، اور سے کیا مطلب،
ان کی ریت عجب، بیری کو بھی راہ دکھائیں۔

⑤

صوفی نے ہی صاف کیا ہے، ورق وجود کا دھوکر،
تب دیکھا وہ دلبر، جب ڈھل کر ہم صاف ہوئے۔

(٦)

کیسے صوفی سنت بنے ہو، من میں آشا جال،
اپنی کلاہ اُچھال، پہلے جلتی آگ میں۔

(٧)

کامل صوفی بن، پھر کر فکر کلاہ کی،
کہیں سے زہر کا پیالہ پی کر، ہو جا مست مگن،
ان کا یہ مسکن، مے سے جو مدہوش ہوئے ہیں۔

(٨)

ذکرِ حق سے ذاتِ احد میں، خود کو کر مدغم،
تیرے لب پر ذکرِ جلی کا، ورد رہے ہر دم،
فکر سے تو فرقان میں سائیں! ڈھونڈ اسمِ اعظم،
اس در پہ ہمدم، موتی ہیں انمول۔

(٩)

یہ جگ سارا خود بینی کے، کیا کیا رنگ دکھائے،
کوئی سمجھ نہ پائے، کیسی یہ جادو نگری ہے۔

(١٠)

سچی بات کہے ہے یارو، رومی پیر ہمارا،
حسن اک ایسا بھید ہے جس کا، طالب ہے جگ سارا،
جس نے بھید یہ پایا، وہ خود بھی بھید بنا ہے۔

(۱۱)

حسنِ ازل کو ڈھونڈے دنیا، کہے یہ پیر ہمارا،
سب یہ کہاں سے آیا، بھید نہ جانے کوئی۔

(۱۲)

حسن کے بھید کے سب طالب ہیں، رومی یہ بتلائے
گھونگھٹ جب ہٹ جائے، تو خود میں دیکھیں ساجن۔

(۱۳)

جس کے بھید کے سب طالب ہیں، رومی کہے یہ بات
خود داری کو تج کر ہی تو، دیکھے اس کی ذات۔

(۱۴)

حسن کے بھید کے سب طالب ہیں، رومی نے فرمایا،
جس نے سچ کے بھید کو پایا، اس نے کب بتلایا۔

(۱۵)

حسن کے بھید کے سب طالب ہیں، رومی یہ فرمائے،
کھول دے دل کے دروازے تو، خود میں اس کو پائے۔

(۱۶)

ظاہر میں تو پاپی ٹھہرے، باطن چشمۂ عرفاں،
یار کے درس کا دل میں لاگا، آکر ایسا پیکاں،
من میں یار ہے پنہاں، پل پل ورد ہے یار کا۔

(۱۷)

دور کریں وہ درد کا، دُکھ کا پڑھیں سبق،
تختی پڑھیں وہ فکر کی، جھپکیں چپ میں پلک،
ایسا پڑھیں ورق، جس سے مل جائے وہ ساجن۔

(۱۸)

حرف کوئی بھی یاد نہیں ہے، سارا سبق بُھلایا،
میں تو پڑھ نہ پایا، یارو! ورق وصال کا۔

(۱۹)

اک اک سطر اور اک اک حرف، پڑھا جو ورق وصال،
ہر سُو تو ہی تو ہے سائیں!، ہر سُو ترا جمال

(۲۰)

جس میں الف کا حرف ہو وہ ہی، پڑھ تو سطر اے یار!
کیوں لفظوں میں اُلجھ گیا ہے، سارے لفظ بسار۔

(۲۱)

جس میں الف کا حرف ہو ایسی، سطر کا کر تو دھیان،
لامقصود فی الدین، ہے ساجن کا فرمان،
پایا ہے سبحان، سیدھی راہ ملی ہے۔

(۲۲)

مل گئی سیدھی راہ ہے جن کو، پائیں گے وہ رحمان،
اِن کو تو ہر آن، ملے بدھائی ملن کی۔

(۲۳)

پڑھ پڑھ بنتے ہو تم قاضی، علم سے کیا حاصل،
خود بینی و خود داری نے، کب پائی منزل،
کیفِ سوزِ دل، عزازیل سے پوچھو۔

(۲۴)

عشق میں رتبہ کس کو یارو، عزازیل سا حاصل،
عشق تھا اس کا کامل، عشق میں ہی معتوب ہوا تھا۔

(۲۵)

روزِ ازل ہی میں نے، پڑھا تھا عشق کا اکھر،
تب ہی جان لیا تھا میں نے، اپنے نفس کا جوہر،
بدلا سارا منظر، ہستی ہوگئی حائل۔

(۲۶)

سمجھیں تو اک لفظ بہت ہے، بات بڑی آسان،
یونہی بات بڑھاتے جائیں، کب سمجھیں نادان۔

(۲۷)

پڑھ پڑھ کر وہ بنے ہیں عالم، سوز سے خالی دل،
جوں جوں پڑھیں کتابیں ان کو، پاپ ہوا حاصل۔

(۲۸)

ایسا پڑھ تو سبق اے سائیں! جس سے منوا پگھلے،
آج سجالے اپنے من میں، الف تو میم سے پہلے،
تو وہ بات سمجھ لے، کہتا ہے جو یار لطیف۔

(۲۹)

حرف تو پڑھ لے الف کا سائیں! دوجے ورق بسار،
من کا دیوا بار، کیا کیا ورق پڑھے گا۔

(۳۰)

ہر اک ورق جو اُلٹایا تو، پاپ نظر آیا،
علم سے کیا پایا، ملا نہ تجھ کو ساجن۔

(۳۱)

لام کے دامن میں رکھتا ہے، کاتب! الف کو جوں،
یار کو ہم نے یوں، سجا لیا ہے من میں۔

(۳۲)

کیا کیا تو نے لفظ لکھے ہیں، کیے ہیں کاغذ کالے،
یار کے وہیں اشارے، لفظ جہاں تخلیق ہوئے۔

(۳۳)

کہاں برابر پی درشن کے، چلتے یار! ہزار،
کاتب یار! لگایا کیوں ہے، کاغذ کا انبار،
پلٹو ورق ہزار، سب میں ایک ہی لفظ ہے سائیں!

(۳۴)

چلے کاٹ کے دیکھے کیا کیا، تن کھڈی من حُجرہ،
پل پل سجدہ کر ساجن کو، جو مالک ہے سب کا،
دیکھ وہ تیرا پیارا، ہے نظروں میں ہر دم۔

(۳۵)

وہ ہی ہے ہر جانب ہر سو، وہ ہی ہے ہر جا،
جو بھی اس سے غافل ہے، اِس کا بنے گا کیا،
من میں ہی پایا، یار کو اپنانے میں۔

وائی۔۱

چلے ہیں یار سجن، میں کیسے روکوں من کو،
مجھ برھن کو بھول نہ جائے، جس کی میں دلہن،
کیوں ڈھونڈیں وہ اور سہارا، جن کا تو ساجن،
خود کو اس پر واروں گر وہ، مل جائے ساجن۔

وائی۔ ۲

جوبن کے دن چار، پی کی باتیں بھول نہ جانا،
سہیں وہ سب کے طعنے جن کے، نینن نیند خمار،
جو سوئیں وہ کھوئیں پریتم، پائیں نہ پی کا پیار،
بات میری تم مانو سکھیو!، نندیا ہے آزار،
جاگ جاگ جو رین بتائیں، اِن سے پی کا پیار،
رات ڈھلے تو جاگ کے بجنی!، رِجھالے اپنا یار۔

چھٹی داستان

(۱)

اِن کی شان تو داوُدی ہے، ہم مفلس نادار،
ساجن شاہ سوار، روندے راہ رووَں کو۔

(۲)

دانا ہے اپنا دلبر، ہم ٹھہرے نادان،
داوُدی ہے شان، روندے راہ روَں کو،

(۳)

اے میرے قابیل! یہ تیرے، نیناں ماریں بان،
اُبھر اُبھر کر وار کریں یہ، مستی میں ہر آن،
اے ساجن گنوان!، کیا کیا زخم دیے ہیں۔

④

اے میرے قابیل یہ تیرا، ایک ایک تیرِ نظر
عاشق خوں افشاں ہیں سارے، برپا ہے محشر،
جائیں گے جاں سے گذر، بس اک ناوک کافی ہے۔

⑤

اے میرے قابیل یہ تیرے، تیرِ نظر کے گھائل،
کیسے کوئی جان سکے گا، کیا ہے دردِ بسمل،
پھر ہے قتل پہ مائل، تان لیا ہے تیر سجن نے۔

⑥

اے میرے قابیل یہ تونے، کیسا تیر چلایا،
دوجا تیر نہ مار کہ پہلا، دل کے پار گیا۔

⑦

تیرِ نظر جب تانے ساجن، سینہ سپر ہو جاؤ،
قلب و جگر پر ہنس ہنس یارو!، زخم ہر اک تم کھاؤ،
سولی پر چڑھ جاؤ، دل میں یقینِ کامل ہو۔

⑧

جب وہ تانے تیر تو سائیں!، سینہ تان لے اپنا،
پریتم کے ہر وار کو تونے، سینے پہ ہے سہنا،
پیچھے لوٹ نہ جانا، دل میں یقینِ کامل ہو۔

(۹)

تانے جب وہ تیر تو تب تُو، تان لے اپنا سینہ،
دل میں رکھ مت کینہ، جا تو کوچۂ یار میں۔

(۱۰)

تیر چڑھا کر چلے پر تُو، ساجن مار نہ موہے،
تیر لگے گا تو ہے، مجھ میں تُو ہی بسا ہے۔

(۱۱)

ایسے بھی عشاق ہیں جن کا، کام ہے جان بچانا،
اور اک ہم کہ پہلے تیر سے، ہوگئے یار نشانہ۔

(۱۲)

پہلا تیر جہاں کھایا تھا، وہیں کھڑا ہوں ساجن،
دوجا تیر چلائے شاید، گھائل کر دے تن من،

(۱۳)

اُلفت کے میدان میں آ اور، بن جا یار نشانہ،
کہے لطیف کہ تیروں سے ہو، چاہے جان سے جانا،
حرف نہ لب پر لانا، پرنیتم روٹھ نہ جائیں،

(۱۴)

اُلفت کے میدان میں آکر، کریں جو جان نثار،
عشق کے ہر اک زخم کو جانیں، اپنا ہار سنگھار،

سر دیتے ہیں وار، ایسے عاشق دیکھے،

(۱۵)

اُلفت کے میدان میں آکر، ہو جا نعرہ زن،
سر سولی اور دھڑ نیزے پر، خون میں لت پت تن،
اُلفت ہے ناگن، پوچھو ڈسے ہوؤں سے۔

(۱۶)

اُلفت کے میدان میں آکر، سر کا چھوڑ خیال،
اپنے سر کو کاٹ کے پی کے، قدموں میں تو ڈال،
اُفعی عشق کا حال، پوچھو ڈسے ہوؤں سے۔

(۱۷)

اُلفت کے میدان میں پیارے، کیا پروا ہو سر کی،
بڑھ جائے گا عشق کا رتبہ، چوم لے بڑھ کر سولی،
پریت ہے ناگن کیسی، پوچھو ڈسے ہوؤں سے۔

(۱۸)

عشق تو ایسا کھیل نہیں کہ، کھیلے ہر انسان،
اپنا سب کچھ وارے من میں، کوئی نہ ہو ارمان،
دیں سولی پہ جان، وہ لیں جو عشق کا نام۔

وائی

عشق مکمل، برھان پورن، میں پاپوں کی ماری پاپن،
سیج پر تڑپوں، آنکھ نہ جھپکوں، نیند کو ترسیں دکھیا نینن،
راتیں جاگیں، من میں پریتم، جن کو مارے تیر ادرشن،
عقل کی راہیں اُلجھ گئی ہیں، عشق ہی آن دکھائے ساجن۔

ساتویں داستان

(۱)

عاشق کے ہر ریشے میں، بسا ہوا ہے رب،
کیا جانیں کہ کب، آہیں بھرتے جاں نکلے گی۔

(۲)

کب ان کو آرام، پل بھر چین نہیں ہے،
ہوگئے یار تمام، سن کر طعنہ ساجن کا۔

(۳)

تیرے انگ تو سالم ہیں اور، عاشق ہیں معذور،
وہ تو پل پل نیر بہائیں، جا کر پی کے حضور،
ان کا یہ دستور، کہ جئیں وہ یار کی خاطر۔

(۴)

قطرۂ خون بھی گر ہے تن میں، مت کر عشق کا دعویٰ،

لب پر ٹھنڈی آہیں ہوں اور، پیلا زرد ہو چہرہ،
چلا ہے کرنے سودا، اور پونجی پاس نہیں ہے۔

(۵)

تیرا تو خوں بہہ نکلے گر، چھو جائے خاشاک،
کیسے یار کے وار سہے گا، کریں گے تن وہ چاک،
عشق کرے گا خاک!، مت کر باتیں عشق کی۔

(۶)

کیوں تو جگ سے چھپ کر دیکھے، اپنے من کا میت،
یار کے آنگن میں جاں دے دے، یہ ہی پریت کی ریت،
جھوٹی تیری پریت، کہ ہجرِ یار میں ہنس ہنس بولے۔

(۷)

دونوں لفظ یہ ایک ہی جانو، پیار ہو یا ہو دار،
دونوں ہی میں رستہ تکنا، پل پل ہے دشوار،
موت ہے آخر کار، دونوں ہی کا حاصل۔

(۸)

پریت کرو یا دیکھو کیسے، مضطر ہیں عشاق،
ان سے تو بس دور ہی اچھے، جن کو عشق سے باک،

(۹)

بیٹھ تو اس کی راہ میں جا کر، جو ہے تیرا ساجن،

گھبرا کر تو چھوڑ نہ دیجو، اپنے یار کا آنگن،
تجھ پر ایسی مہر کریں گے، ہوگی دور دکھن،
خاک جیئے گی برھن، تو تو ہم بن جی ہی لے گا۔

(۱۰)

بیٹھ تو اس کی راہ میں جاکر، جو ہے تیرا دلبر،
تجھ پر لطف کرے گا ساجن، تیرے آنگن آکر،
ہوگا وہ ہی رہبر، وہ ہی مہر کرے گا۔

(۱۱)

اپنے سندر ساجن کا تو، چھوڑ کبھی نہ در،
خود ہی آکر پوچھیں گے وہ، تیری خیر خبر،
ہوگا وہ رہبر، اور سیدھی راہ دکھائے گا۔

(۱۲)

جا تو یار کے کوچے میں اور، بیٹھ تو اسی کے دوار،
تج دے اپنی خود داری کو، اپنا آپ بسار،
اپنا لے وہ یار، تو سکھ ہی سکھ تو پائے۔

(۱۳)

جا تو یار کے کوچے میں اور، بیٹھ تو اُس کے دوارے،
موکھی کے اس میخانے سے، منہ مت پھیر اے پیارے!
پی لے بھر بھر پیالے، وار کے اپنا سر اے سائیں!

(۱۴)

جا کر بیٹھ تو راہ میں اس کی، جو ہے سندر ساجن،
میخانے سے مدرا دے کر، کروائیں گے درشن،
پھیر کبھی مت گردن، جا کر پاس پیا کے۔

وائی

ہم تو بھول نہ پائیں، سندرتا اِس ساجن کی،
اپنے سر کا سودا کر کے، یار کے دوار پہ جائیں،
ان کی پریت ہی سچی ہے جو، سر سولی چڑھوائیں،
پھر ہوں پریت کی باتیں پہلے، سر تو وار کے آئیں،
عقل ہے حیراں، عشق کے مارے، دار پہ سر کو سجائیں۔

آٹھویں داستان

(۱)

کوچہ یار میں روز کا جانا، کب اچھا ہے یار!
دھیان سے قدم اُٹھاتا آ تو، اپنے یار کے دوار،
اپنے پیار کا بھید چھپالے، جان نہ لیں اغیار،
پریتم آن کریں گے خود ہی، دور تیرا آزار،
آنگن آئے یار، تو کرنا راز کی باتیں۔

(۲)

جب تک کوئی روگ نہ لاگے، یاد طبیب نہ آئے،
درد کوئی دے جائے، تب ڈھونڈھیں چارہ گر کو۔

(۳)

جن کو پریت کا روگ لگے وہ، روگ کو جانیں صحت،
جن کو دردِ اُلفت، وہ درد سے راحت پائیں۔

(۴)

وہ ہی میرے درد کا درماں، جس نے درد دیا،
کہے لطیف کہ جو لکھا تھا، وہ ہی پی نے کیا،
اس کا لطف ہوا، تو آئیں دوائیں کام۔

(۵)

ناقہ بن کر پانی پی لوں، بلائے گر وہ یار،
اُن کے بلاوے،بن جائیں گے، کیسے ان کے دوار۔

(۶)

پریت کے روگ کو جگ کیا جانے، جانے سمجھ نہ پائے،
جس کے بھاگ ہوں نیارے اس کو، پریت عطا ہو جائے۔

(۷)

پریت کا روگ یہ جگ کیا جانے، جانے سمجھ نہ پائے،
پریت ہے جیسے کنچن گوری! ہر اک پرکھ نہ پائے۔

(۸)

سکھ بھی تیری دین ہے سائیں، درد بھی تیرا احساں،
کوزہٗ دل کو پہلے پرکھا، درد یا پھر جاناں!

(۹)

جو بھی دے وہ یار سجن تو، ہنس ہنس لے اے دل!
گر وہ توڑے پریت سمجھ لے، تجھ پر ہے مائل۔

(۱۰)

توڑ نہ اس سے پریت کا ناطہ، توڑے گر ساجن،
اس کے اوگن گن ہی جانو، یہ ہی پریت چلن،
پھیلا کر دامن، مانگ تو گنوانوں سے۔

(۱۱)

صبر کریں سکھ پائیں، صبر نقیبِ رحمت،
غصہ وجہ زحمت، بات سمجھ لے ناداں!

(۱۲)

صبر کریں سکھ پائیں، غصہ دکھ کا کارن،
چھوڑ نہ صبر کا دامن، لے تو راہ حلیمی کی۔

(۱۳)

غصہ دکھ کا کارن، صبر تو ہے کستوری،
سن لے بات حضوری، وَاللہُ مَعَ الصّابرین۔

(۱۴)

صبر میں جیت ہی جیت ہے اور، غیض و غضب ہے ہار،
چکھ کے دیکھ اے یار!، صبر کا پھل کیا میٹھا ہے۔

(۱۵)

اس کے نیارے بھاگ ہیں، صابر تو سکھ پائے،
اس کا خالی دامن سائیں، غصہ جو دکھلائے۔

(۱۶)

برا کہے جب کوئی تجھ کو، خود میں رہ تو مگن،
غیض و غضب سے کیا ملتا ہے، دکھ کا ہیں یہ کارن،
ہیں وہ تہی دامن، جن کے من میں کینہ ہے۔

(۱۷)

تجھ کو برا کہے جب کوئی، بس تو رہ خاموش،
موم کی صورت پگھلا دے تو، غیض و غضب اور جوش،
صبر کا پھل کر نوش، کینے سے کیا حاصل۔

(۱۸)

کینے سے کیا حاصل ہے تو، بات سمجھ نادان!
ٹوٹے گی وہ کمان، جس کو زور سے کھینچو۔

(۱۹)

تجھ کو برا کہے جب کوئی، کبھی نہ کچھ تم کہنا،

ہادی کی ہر بات کو بجنی!، بنا گلے کا گہنا،
صبر سنگھار ہے بہنا!، پالے نفس پر قابو۔

(۲۰)

منہ سے کچھ نہ کہہ اے سائیں!، سن کر کڑوے بول،
اپنے مورکھ من کو سمجھا، صبر بڑا انمول،
بول کو پہلے تول، تو پیار ملے ہر در سے۔

(۲۱)

کہا سنا سب لوگوں کا تو، دل سے دے بسرا،
آٹھوں پہر حلیمی کا ہی، خود کو درس سکھا،
جیون یار گذار دے اپنا، سر کو تو نہوڑا،
مفتی من میں بٹھا، پھر کیا حاجت ہو قاضی کی!

(۲۲)

تجھ کو ٹوک کے سکھلائیں جو، ہر ایک کو "جی"، کہنا،
پاس انہی کے رہنا، جیون بھر اے دل!

(۲۳)

جن کی قربت روگ بڑھائے، ایسوں سے رہ دور،
جا تو ان کے حضور، جو تیرا روگ مٹائیں۔

(۲۴)

جن کی قربت روح کی راحت، دل کا اُترے زنگ،
رہ ایسوں کے سنگ، جیون بھر اے دل!

وائی

یار سجن کا فراق، مجھ کو مار گیا ہے،
میرے سجن کے اور کئی ہیں، مجھ جیسے مشتاق،
ہر جا ہر سُو دھوم مچی ہے، ہر جا حسن کی دھاک،
سرمہ جان کے انکھین ڈاروں، ان پیروں کی خاک،
کہے لطیف کہ ساجن میرا، سدا ہے سندر پاک۔

سُر کھنبھات

سرُ کھنبھات

پہلی داستان

(۱)

کتنا ہے گنوان، کیا کیا گن گنواؤں،
عیب کبھی نہ جتلائے وہ، مہر بھری ہے شان،
میں پاپن نادان، مہر ہی مہر ہے پریتم۔

(۲)

پیشانی میں دمک رہے ہیں، نیکی کے آثار،
تیری دید کو ترسیں نیناں، آ بھی جا اک بار،
سورج چندا یار!، کب ہیں ہمسر تیرے۔

(۳)

تو وہ ہی مہتاب جو دیکھے، چمک چمک کر ساجن،

پریتم سے تم سب کچھ کہیو، کہے جو رورو برھن،
آئے وہ میرے آنگن، اور لوٹ کے پھر نہ جائے۔

(۴)

دور کبھی نہ جائے مجھ سے، ساتھ سدا ہو ساجن،
روح میں میری نقش ہوئے ہیں، جس کے پیارے نینن.
اس کی باتیں جیون، اور جیون کی آس ہیں۔

(۵)

سیدھی راہ اور چاند چڑھا ہے، کتنا دور سفر،
پی کی راہ پہ چلتے چلتے، دیکھ نہ تو مڑ کر،
ملا دے وہ دلبر، چال تو ایسی چل اے ناقے!

(۶)

سیدھی راہ اور چاند چڑھا ہے، مجھ پر کر احسان،
چل چندن چرنے اے ناقے!، بات میری تو مان،
پی کی بات نہ غیر سے کہیو!، اس کا رکھیو دھیان،
جلے رقیب کی جان، جھومتا چل تو پیا ملن ہو۔

(۷)

سیدھی راہ اور چاند چڑھا ہے، پریت نئی پی دور،
چل رے میرے اونٹ چلا چل، میرے پی کے حضور،
دمک رہا ہے دھیان میں ساجن، وہ کیوں مجھ سے دور،

پہنچیں پی کے حضور، رات ڈھلے تو لوٹ کے آئیں۔

(۸)

سیدھی راہ ہے، پونم رات، پریت نئی ہے چل!
ایسی چال دکھا کہ نکلیں، تیرے سب کس بل،
مل جائے سُھنل، اور دشمن جان نہ پائے۔

(۹)

چمکا ہے پھر چاند گگن میں، اُجلی پونم رات،
میرے یار کے آنے کی تو، آج چلی ہے بات،
خوشیوں کی بارات، دشمن کے گھر ہوگا ماتم۔

(۱۰)

چندا پونم رات کا، کرے گا جگمگ آج،
میرے پیا ہیں آنے والے، پورے ہوں گے کاج،
حسن کا وہ سرتاج، بھیگی رات تو انگنا آیا۔

(۱۱)

چندا پونم رات کا، لوگ تو دیکھ نہ پائیں،
سمجھیں رات اندھیری ہے، ہم ان کو کیا سمجھائیں۔

(۱۲)

چندا پونم رات کا تو، کیا کیا کرے سنگھار،
پی کو ایک نظر جو دیکھیں، ماند ہوں چاند ہزار،

تو چمکے لاکھوں بار، بس ایک جھلک پریتم کی!

(۱۳)

سورج اُبھریں چار طرف اور، ہر سُو اُبھریں چاند،
ساجن بن سب ماند، تاریکی ہی تاریکی ہے۔

(۱۴)

کیسے میں ٹھہراؤں چندا!، تجھے برابر پی کے،
تُو تو رات کو چمکے، پریتم تو ہر آن ہے روشن۔

(۱۵)

دیکھوں تیری چاندنی تو، جلے ہے میرا من،
انگ انگ خوشبو مہکائی، من میں پی کی لگن،
آیا نہ ساجن، مہکتے انگ مُرجھائے۔

(۱۶)

شام سے ہی اسے چاند!، لاگے ایسی گرہن،
رات کی تاریکی میں مجھ کو، مل جائے وہ ساجن۔

(۱۷)

سچی بات کہوں میں تجھ سے، چاہے ہو ناراض،
تجھ میں کہاں ہے چندا! میرے، پی کا حسن و ناز۔

(۱۸)

سچی بات کہوں اگر تُو، برا نہ مانے چندا!

کبھی ہلال کی صورت نکلے، کبھی تو نکلے پورا،
مکھ میں روشن شعلہ، کہاں ہے تجھ میں نور سجن کا۔

(۱۹)

پریتم نے جب ناز و ادا سے، ڈالی ایک نظر،
سورج شاخیں جھک آئیں اور، مہر یہ قمر،
تارے بھی سب ماند ہوئے جب، دیکھا وہ دلبر،
ماند ہوا ہر جوہر، دیکھ کے میرے پریتم کو۔

(۲۰)

پی نے دکھلائی تھی صورت، بھیگ چلی تھی رات،
ماند ہوئے تھے تارے سارے، چاند ہوا تھا مات۔

(۲۱)

دیکھ ستارہ صبح کا وہ ہے، جو سحر کو روشن،
نور سراپا ساجن، جگمگ جگمگ ہر پل۔

(۲۲)

تارے! تیری جانب میں تو، دیکھتی ہوں اِس کارن،
وہیں ہے میرا ساجن، جس جانب تو اُبھرے۔

(۲۳)

یہیں کہیں ہے میرا ساجن، اُس تارے کے پاس،
سر تاپا ہے مٹھاس، ذرا نہیں کڑواہٹ۔

(۲۴)

ڈال رہا ہے وہ جو تارا، پی پر روشن چھاؤں،
میٹھا پی کا تاؤں، ذرا نہیں کڑواہٹ۔

(۲۵)

چمک رہا ہے پی پر دیکھو، ٹم ٹم کرتا تارا،
ساجن شہد ہے سارا، ذرا نہیں کڑواہٹ۔

(۲۶)

جیسے رات کو تارے چمکیں، مکھ پہ چمکیں تِل،
مِلن ہو جب مشکل، ایسی رات نہ آئے۔

وائی۔۱

میرا من مجبور، ساجن کے بن رہے تو کیسے،
بن پریتم کے تڑپے ترسے، میرا من مجبور،
پریت نے میرے بے کل من کو، درد دیا بھرپور،
پہنچنا چاہوں، پہنچ نہ پاؤں، دیس پیا کا دور،
مجھ کو چھوڑ کے میرا منوا، پہنچے پی کے حضور۔

وائی۔۲

ساجن انگنا آئے، جن کی یاد تھی پل پل،

ہار سنگھار کو تن ترسا تھا، مشک و عنبر لائے،
میرا تن ہے جس کا پیاسا، من بھی اس کو چاہے،
اس ساجن کی سندرتا کی، بات کہی نہ جائے،
لطف لطیف ہوا ہے ایسا، پیا میرے گھر آئے۔

وائی۔ ۳

پی کو آپ مناؤں، تو رات اگر نہ بیتے،
شمع کی صورت جل کر، خود کو میں پگھلاؤں،
جوں جوگی کی دھونی، سلگ سلگ جل جاؤں،
اپنے میت کی پیت بھلا، اور کو کیا سمجھاؤں،
دُکھ ہے پریت کا پل پل، دکھ میں گھل گھل جاؤں،
میں تو یار ہوں سیّد کا، پورنتا میں پاؤں،
پریت میں دکھ ہی دکھ ہے، دکھ میں رچ بس جاؤں،
ویرانوں میں چمکوں گر، پریت پیا کی پاؤں،
پریتم ہے جب ایسا، میں محشر میں مسکاؤں،
جیون آس یہی ہے، میں کب سوامی کہلاؤں۔

دوسری داستان

①

اے چندا! تو جونہی اُبھرے، ڈالیو پی پہ نگاہ،
مجھ عاجز کا حال سجن سے، کہیو سب للّٰہ،
دیکھ رہی ہوں راہ، آس لگی ہے آنکھوں کو۔

②

اے چندا تو جونہی اُبھرے، ڈالیو پی پہ نظر،
میں ہوں نربل ناری کہیو، پی سے یہ جا کر،
تو ہی چھاؤں چھپر، آس لگی ہے آنکھوں کو۔

③

اے چندا تو جونہی اُبھرے، دیکھیو میرا پریتم،
یاد سے کہیو میرے سجن سے، تو ہی حال کا محرم،
اور نہ کوئی ہمدم، آس لگی ہے آنکھوں کو۔

④

اے چندا، تو جونہی اُبھرے، دیکھیو میرا ساجن،
یاد سے کہیو مرے سجن سے، کہتی ہے جو برہن،
ساجن، سارے جیون، آس لگی ہے آنکھوں کو۔

⑤

اچھے چاند! تو میرے سجن کو، دینا یہ پیغام،

اُبھر کے اِس کے انگنا پہ تو، چھو لینا گلفام،
دھیرے لینا نام، چھو کر پیر تو میرے پی کے۔

(٦)

میں جو دوں پیغام اے چندا! لے پلّو میں باندھ،
کہنا حال حبیب سے میرا، سر نہوڑا کر چاند!
اور سبھی کچھ ماند، جگ کا تو ہی سہارا ہے۔

(٧)

چاند! اُبھر کر دیکھ پیا کو، مجھ سے ہے وہ دور،
جوڑا کھولے خنک ہوا میں، سوئے سراپا نور،
کیسے پہنچوں پاس پیا کے، انگ انگ ہے چور،
میں نربل مجبور، ناقہ نہ دے بابل موہے۔

(٨)

ہجرِ یار میں مرجاؤں گی، پی گنوان ہے دور،
ناقہ دے نہ بابل موہے، میں نربل مجبور۔

(٩)

ہوگا مدھر ملن، کب میرے اللہ!
پل پل مشتاقوں کے من میں، جلے ہے پریت اگن،
دور بسا ہے ساجن، کس سے ہجر کی بات کروں میں۔

(۱۰)

دل نے پھر سے یاد کیا ہے، ہوگا کہاں وہ ساجن،
آن کے سیج پر کب سوئے گا، تو اے میرے لالن،
ہو جب تجھ سے ملن، تب تک کس کو حال سناؤں۔

(۱۱)

چلے نہ میرا ناقہ اور ہے، ہر سو بادوباراں،
کیسے پہنچوں اپنے پی تک، اونٹ کی چال گریزاں۔

(۱۲)

بیٹھ گیا ہے ناقہ اور وہ، چلے نہ سیدھی راہ،
ہے اُس اور نگاہ، جہاں ہے اس کا گلہ۔

(۱۳)

ناقہ پاس نہیں ہے کیسے، پہنچوں پی کے پاس،
کوئی تو لے جائے برہن کو، من میں ملن کی آس،
روئیں نین نراس، میں ہوں بے بس برہن۔

(۱۴)

چھوڑ دے ساری سُستی ناقے، رکھ اب تیز قدم!
لے چل موہے پاس پیا کے، مل جائے پھر بالم،
گہرا ہجر کا غم، بپتا پڑے نہ تجھ پر۔

۱۵

چھوڑ دے ساری سُستی ناقے!، تیز بڑھا تو گام،
جانا ہے اس دیس مجھے تو، جہاں میرا گلفام،
چرے گا اب تو چندن ناقے!، گھاس سے اب کیا کام،
جب ہو رات کا دھام، تو پہنچا پاس پیا کے۔

۱۶

تیز ذرا تو قدم بڑھا اور، چھوڑ دے مستی یار!
سیدھی راہ ہے پریتم کی، جان نہ تو دشوار،
مل جائے دلدار، رات ہی رات میں ناقے!

۱۷

کیا ہے تیری نسل ذرا تو، خود کو تو پہچان،
بڑی ہی اعلیٰ نسل ہے تیری، اِس کا کر کچھ دھیان،
مجھ پر کر احسان، آج ملا دے پریتم سے۔

۱۸

آن کے باندھا اونٹ وہاں کہ، کلیاں چن چن کھائے،
کیسا ہے بد ذات یہ ناقہ، گھاس ہی اس کو بھائے،
ہم تو سمجھ نہ پائے، ڈھنگ ذرا بھی ناقے کے۔

۱۹

مان لے مجھ برھن کی بات تُو!، کروں میں تیری منت،

روند کے سارے صحرا، دریا، لے جا وہاں ہر صورت،
کرلوں آج زیارت، میں اپنے اِس پریتم کی۔

(۲۰)

گلے میں موتی مالا ہے اور، ہیروں جڑی مہار،
آ تیری گردن میں ڈالوں، میں ہیروں کا ہار،
رات ملا دے یار، چندن تجھے کھلاؤں گی میں۔

(۲۱)

گردن میں یاقوت کے گانے، موتی جڑی مُہار،
چندن، تجھے کھلاتی جاؤں، آٹھ پہر میں یار!
جس سے میرا پیار، پہنچا پاس اسی کے۔

(۲۲)

تیری گردن میں ڈالوں میں، اک سونے کی مہار،
چندن، ڈالی مہندی کی میں، تجھے کھلاؤں یار!
جس سے میرا پیار، پہنچا پاس اس پریتم کے۔

(۲۳)

ساتھی کوئی نہ بھائے اِس کو، اور نہ کھائے گھاس،
ایسا عشق لگا مالک سے، اور نہیں کچھ راس،
مالک کے ہی پاس، رہے وہ مرتے دم تک۔

(۲۴)

ناقہ گھاس نہ کھائے اور ہے، اپنوں سے بیزار،
کھایا ایسا عشق کا ناوک، جیون ہے آزار،
کرے ہے جان نثار، راہِ وفا کا راہی ہے وہ۔

(۲۵)

بیٹھ کے گلے سنگ وہ کھائے، ڈالی خوشبودار،
ریت پہ نقشِ پا نہ چھوڑے، ایسی ہے رفتار،
دل میں بسائے یار، یوں تُو اوروں جیسا۔

(۲۶)

بھورا اونٹ نہ کھائے کبھی بھی، ڈالی، کونپل، بور
رات کو روند کے آیا ہے وہ، خوشبوئیں کافور،
کیسا ہے مسرور، چندن چکھ کر آیا ہے۔

(۲۷)

کل تک چال جو اونٹ کی تھی، آج نہیں وہ چال
نہ تو گھاس ہی چرتا ہے وہ، نہ آئے چوپال،
زہریلی اک ڈال، شاید کھا کر آیا ہے۔

(۲۸)

آج دکھائی ایسی مستی، غیر کے کھیت کو روندا،
علم ہوا جب مالک کو تو، اونٹ کو اس نے گھیرا،

دور سے ہی دہقاں کو دیکھا، بھاگ سکا نہ ناقہ،
بھول گیا بے چارہ، اپنی ساری مستی۔

(۲۹)

تونے جانے کتنی کھائیں، بیلیں خوشبودار،
زہر بھری بھی یار!، کھانا پڑے گی اک دن۔

(۳۰)

تو اپنے اس ناقے کی، کس کر باندھ مہار،
چکھ لے گا اکبار، تو مشکل ہوگا قابو رکھنا۔

(۳۱)

کیا جانے کس اور سے وہ، کیا ہے چکھ کر آیا،
توڑ کے سارے بندھن وہ تو، پہنچے ہے اس جا۔

(۳۲)

اس ناقے کو ڈالے میں نے، جانیں کیا کیا بندھن،
پھر بھی بیلیں کھاتا ہے وہ، نیچی ڈال کے گردن،
مولا! اپنی مہر سے اِس کا، اُجلا کر دے تن من،
سدھرے چال چلن، کہے لطیف کہ لطف سے تیرے۔

(۳۴)

جب اے میرے ناقے تو، پہنچے گھاٹ کھنبھات،
میرے پیا کے آنے کی تو، سن لے شاید بات۔

(۳۵)

جانے کتنی بار کہا تھا، کبھی نہ کھانا آک،
پر ناقہ زہریلی بیلیں، کھا جائے بے باک،
پھیلی گئی ہے چندن خوشبو، مہک رہی ہے خاک،
ناقہ یہ چالاک، کرے پریشاں مجھ کو۔

(۳۶)

چھوڑ کھلا مت ناقے کو، کردے پا بہ رسن،
لاد دے ایسا بوجھ کہ اس کا، سدھرے چال چلن،
باندھ ایسا بندھن، کہ سیدھی راہ پر آجائے یہ۔

(۳۷)

رسے باندھے پیروں میں اور، باندھی ہے زنجیر،
پھول ہی اس کے من کو بھائیں، سب کچھ اور حقیر،
کرے اب کون اسیر، ایسے سرکش ناقہ کو۔

(۳۸)

کس نے تجھ پر جادو ڈالا، کیوں ہے آج پریشاں،
آنکھوں پر پٹی باندھی ور، لہو لہو ہے سب جاں،
کولھو میں گرداں، بُھولا کیسے گلے کو تو۔

(۳۹)

میں نے اپنے من کو روکا، کیا کیا کی تدبیریں،

پھر بھی پاس پیا کے پہنچا، توڑ کے سب زنجیریں۔

(۴۰)

کیا کیا ڈالی زنجیریں اور، کیا کیا باندھے بندھن،
توڑ دیں ساری زنجیریں، آیا یاد جو ساجن۔

(۴۱)

چندن پاس نہ جائے ناقہ، کھائے نہ "کھٹن[1] ھار"
خوشبوؤں کے پاس نہ بھٹکے، سرکھنڈ دیئے بسار،
"لانے[2]" سے ہے پیار، اور کھا کر مست ہوا ہے۔

(۴۲)

پیئے نہ اُجلا پانی ناقہ، نہ ہی چندن کھائے،
چھوڑ دیئے ہیں مشک و عنبر، خوشبو اُسے نہ بھائے،
"لانو[3]" اسے لُبھائے، کیا جانے کس کارن۔

(۴۳)

جس بگیا کی ڈالی، پانچ لاکھ میں پاؤ،
ناقے کو ہے چاؤ، کھائے اسی بگیا سے۔

(۴۴)

جس بگیا کا پتا پتا، مول انمول بکے،
جس کی ڈالی ڈالی کا، لاکھوں مول ملے،

---

[1] صحرائی پھول [2-3] صحرائی گھاس

ناقہ چُن چُن لے، کلیاں اِس بگیا سے۔

(۴۵)

جس کا کوئی مول نہیں ہے، مول لیا وہ ناقہ،
ناقہ من کو بھائے یہ ہے، سودا کیسا سستا۔

(۴۶)

جس کا کوئی مول نہیں ہے، اِس کو لے لے مول،
آج خرید لے اور تو اِس کا، مول چکا اور کھول،
ایسا ہے انمول، لے جائے گا پاس پیا کے۔

(۴۷)

جس کا کوئی مول نہیں ہے، مول چکا لے جا،
خوشبودار سی بیلیں اس کو، جاکر خوب کھلا،
کرے گا کب پروا، لے جائے گا پاس پیا کے۔

وائی۔ا

کروں میں پی سے بتیاں، پورے ہوں ارمان اے میا!
بن پریتم کے بیت گئیں جو، خاک ہوں وہ سب رتیاں،
پی سنگ باتوں میں جو بیتیں، وہ انمول ہیں گھڑیاں،
دیکھن کارن اپنے پی کو، ڈھونڈ رہی ہیں اکھیاں،
کہے لطیف کہ بھیگی رات تو، جاگا دردِ ہجراں۔

وائی۔ ۲

من میں آس ہی آس، آس سے پریتم کب ملتا ہے،
کالی رات میں پل پل روئیں، جب تک نین نراس،
سولی پر جو چڑھنا جانیں، پریت اُنہی کو راس،
کہے لطیف کہ نیناں روئیں، یار نہ جن کے پاس۔

وائی۔ ۳

چاہے تو دھتکارے، پڑی ہوں تیرے دوارے،
تجھ کو چاہ نہ پھر بھی، میرے بھاگ نیارے،
در در بھٹکے، دیکھا، جھوٹے سب در دوارے۔

سُر سری راگ

سُر سری راگ

پہلی داستان

(۱)

شاید پوچھے یار، لگا رہے یہ دھڑکا،
مانے اَمر جو اِس کا، رہے نہ خالی دامن۔

(۲)

دل میں رہے یہ دھڑکا، شاید پوچھے ساجن،
پھیلا اپنا دامن، بن کر یار! بھکاری۔

(۳)

ہر پل رہے یہ دھیان، شاید پوچھے پریتم،
دھوکر میلے بادباں، چمکا لے اب ہمدم!
دھڑکا ہو جب ہر دم، تو اُترے گا تو پار اے مانجھی!

(۴)

پل پل رہے یہ دھڑکا، شاید پوچھے یار،
مت کر کانچ کا سودا اور نہ، جھوٹ کا کاروبار،
سچ کا کر بیوپار، سچ کا بن سوداگر۔

(۵)

لگا رہا ہے یہ دھڑکا، شاید پوچھے یار،
کُھرچ کے اپنے دل سے سائیں!، سارا جھوٹ اُتار،
تب اُترے گا یار!، خوف و خطر اِس پار کا۔

(۶)

پوچھ نہ بیٹھے یار، ہر پل رہے خیال،
مانجھی، رکھ نظر میں، مال جو ہے اُس پار،
کشتی خوب سنوار، سونپ دے پھر رہبر کو۔

(۷)

کانچ کمایا، کر نہ پایا، ہیروں کا بیوپار،
چھوڑ کے اچھا مال لگایا، سیسے کا انبار،
تجھ پہ ہے آدھار، دیکھ تو کیسا حال ہے میرا۔

(۸)

خوب کمایا جھوٹ، توڑے عہد خدا سے،
تن پاپوں سے چور ہے، خود کو دی یوں چھوٹ،

میرے سب کرتوت، تجھے تو ہیں معلوم۔

(۹)

خوب کمایا کانچ، کر لے یاد خدا کو،
دھو دے دھوکہ دل سے، یار کو بھائے سانچ،
من میں بڑھتی جائے تیرے، پل پل عشق کی آنچ،
اعمالوں کو جانچ، تو سودا ہوگا ستھرا۔

(۱۰)

سودا ہے جو ستھرا سائیں!، وہ پلو میں ڈار،
چلے نہ بس برہن کا، میں ہوں بے بس نار،
تیری راہ نمائی بن میں، کیسے اُتروں پار،
مہر سے پار اُتار، لہر لہر ہے بپھرا ساگر۔

(۱۱)

لہر لہر ہے بپھرا ساگر، ملتا نہیں کنارا
ہیبت ناک جزیرے جن میں، دُھند ہے اور اندھیارا،
میری ٹوٹی نیا کا اب، تو ہی یار سہارا،
طغیانی کا دھارا!، نیا پار لگا دے۔

(۱۲)

اُجلے اُجلے بادباں، عاج جڑے پتوار،
لاد کے کشتی سارے ساتھی، چلے ہیں اب اس پار،
تجھ سے ہے آدھار، سائیں! بنجاروں کی۔

(۱۳)

ڈھلے ڈھلائے بادباں، ماہر کھیون ہار،
سارے ساتھی چلے سفر کو، چلے ہیں اب اس پار،
تجھ سے ہے آدھار، لگے کنارے نیا۔

(۱۴)

آن پڑی کشتی میں، پانی کی اک بوند،
ایسی لگی پھپھوند، سب مال ہوا بے کار۔

(۱۵)

آن پڑا کشتی میں، پانی کا اک قطرہ،
اِن کو روتے دیکھا، جن کا مال ہوا بے کار۔

وائی۔۱

شکر بجالاؤں میں کیسے، لاکھوں ہیں احسان،
کیسے حمد کروں میں اس کی، جس کی اونچی شان،
ظاہر باطن سب کچھ جانے، پائے جو اس سے گیان،
اس کی حمد و ثنا کو بھولے، کون ہے وہ نادان،
من کا منکا پھیرو سائیں! پل پل اس کا دھیان،
اتنا درد بڑھا تو دل میں! ہو جائے ہلکان،
شاید اپنی مہر سے تجھ پہ، اور کرے احسان،

کھوٹ ہے جتنا دل میں دھولے، پالے سچا گیان،
صاحب کو بس سچ ہی بھائے، سچ کو تو پہچان،
سیس جُھکانے والوں کا کب، کوئی کرے اپمان،
جو بھی اِس کے عشق میں جاگے، پائے نرالی شان،
یاد کرو تو یاد کرے وہ، فرمائے قرآن،
شکر کرو اللہ کا یارو، اور چھوڑو کفران،
سب کے عیب چھپائے ساجن، ایسا وہ گنوان،
اِس سائیں کی حمد کرو تم، دل سے ہر ہر آن،
کیوں بیٹھا یوں وقت گنوائے، تائب ہو نادان،
حمد "لطیف" کروں جب پی کی، پاؤں امن و امان،

وائی۔ ۲

مجھ میں تو موجود، میں ابھاگن انجانی ہوں،
پریت کے مارے اِن نین کے، نینن تیرے مسجود،
بھید بقا کا پاگئیں اکھیاں، ہو گئیں جب نابود،
مہر ہو جب جب گمراہوں پہ، کیا کیا کریں سجود،
وہ ہی تیرے دوار پہ پہنچے، گئے جو بھول وجود۔

دوسری داستان

①

تیری مہر و وفا سے قائم، سارے موجودات،
کہے لطیف کہ لطف و کرم کی، کتنی ہے بہتات،
مہر سے ملے نجات، تیری مہر ہو سائیں!

②

کریں جو حمد سُبحان، جاگ کے ساری رات،
کہے لطیف کہ ان کی مٹی، پالیتی ہے مان،
لاکھوں کریں ہر آن، آکر اِنھیں سلام۔

③

سیوا کر تو ساگر کی، جہاں نہ جل کا کال،
مانجھی! بیچ بھنور میں کیا کیا، چھپے ہیں مانک، لعل،
تھوڑا بھی ہو مال، تو بھر جائے گی کشتی۔

④

بھری ہے ان کی نیا، چھان چکے جو ساگر،
کیسے کیسے موتی لائے، وہ ساگر کے خوگر،
کہے لطیف کہ لعل چھپے تھے، لہر لہر کے اندر،
لائے وہ ایسے گوہر، جن کا مول نہ کوئی۔

⑤

پوجیں جو سبحان، لہر لڑے نہ اُن سے،

توبہ کی تاثیر سے سارے، پار کیے طوفان،
کیا توکل پر جب تکیہ، گھاٹ ہوئے آسان،
ماہر کشتی بان، ہوا ہے ان کا رہبر۔

(۶)

سودا ان کا صاحب سے ہے، جاگیں جو ہر آن،
عبدیت سے کشتی بھر کر، نکلے یار جوان،
پل بھر میں بلوان، پار گئے ساگر کے۔

(۷)

عبدیت سے کشتی بھر کر، کرتے ہیں جو سودا،
سارے موتی ہیں عرفان کے، سودا سارا سچا،
"التائب من الذنب"، اس کا ملا منافع،
اُنھی کے صدقے مولا!، مجھ کو پار اُتار۔

(۸)

سوچ سمجھ کر جو کرتے ہیں، سچ کا کاروبار،
ان کو خوشخبری دیتا ہے، سب کا پالنہار،
سب اُترے ہیں پار، مہر ہوئی مولا کی۔

(۹)

وصف یہی غواصوں کا ہے، ساگر چھان کے آئیں،
ڈوب کے گہرے ساگر میں وہ، کیا کیا موتی لائیں،

پھر جو موتی پائیں، وہ آن کے بانٹیں سب میں۔

(۱۰)

اُترے گہرے ساگر میں وہ، ایسے تھے غواص،
بھنور بھنور کی لہر لہر بھی، آگئی ان کو راس،
لائے ہیں الماس، چھان کے گہرا ساگر۔

(۱۱)

اُترے گہرے ساگر میں جو، پہنے کانچ نقاب،
سیپ سیپ سے موتی لائے، چھان کے گہرا آب،
موتی وہ نایاب، دیکھیں گے آنکھوں سے۔

(۱۲)

گھاٹ بڑا دشوار، میری ناؤ ہے نہ موج،
خوب لگایا کشتی، میں، عیبوں کا انبار،
کیا کیا میرے عیب ہیں سائیں، جن کا نہیں شمار،
مہر سے پار اُتار، تو ہی بھرے ساگر سے۔

(۱۳)

سر پر ساگر گرج رہا ہے، بھول نہ اے نادان!
سکھیوں کو جب جاتا دیکھا، پھر بھی رہا نہ دھیان،
دیکھ تو ہر انسان، چلا ہے دوجے پار کو۔

(۱۴)

آٹھوں پہر گرداب کا، اِس پر خوف ہے طاری،

کیسے کہے بے چاری، کہ ناؤ گھاٹ لگے گی۔

(۱۵)

بندہ جانے کیا کیا سوچے، صاحب کام سنوارے،
گہرے بپھرے ساگر میں وہ، کشتی پار لگائے،
آساں گھاٹ پہ لائے، وہ ہی ڈولتی نیا کو۔

(۱۶)

ایک بات تو بندہ سوچے، دوجی سوچے صاحب،
بیچ بھنور سے گھاٹ پہ لائے، مہر کرے جب وہ رب،
ایسا کرے وہ سبب، کہ ڈوبتی نیا پار لگے۔

(۱۷)

بندہ جانے کیا کیا سوچے، اس کی اور ہی قدرت،
خود ہی بیچ بھنور میں لائے، خود ہی کرے وہ رحمت،
کیا کیا کریں مدحت، وہ سب کی کشتی پار لگائے۔

(۱۸)

بندہ جانے کیا کیا سوچے، اس کے کام نیارے،
خود ہی بیچ بھنور میں لائے، خود ہی پار اُتارے،
کشتی گھاٹ پہ لائے، وہ ہی بیچ بھنور سے۔

(۱۹)

ایک بات تو بندہ سوچے، دوجی وہ جبار،
بھنور بھنور سے آپ بچائے، اس پر ہے آدھار،

بھرے جہاز جواہر والے، تیریں بن پتوار،
ٹوٹی ناؤ، ثابت بیڑے، پہنچیں گے سب پار،
شہر مدینہ جس جا سائیں، سوہنا احمد یار،
مہر سے تو ستار!، سب کی کشتی گھاٹ لگا دے۔

وائی

منزل کر آسان، کیا کیا ہیں احسان، ڈھونڈوں کہاں کنارا!
تجھ میں کیا کیا گن ہیں مجھ میں، بے حد ہیں عصیان،
قبر کی کوئی خبر نہیں ہے، ذرا نہیں ہے دھیان،
تو ہی آکر راہ دکھا دے، مورکھ سب انسان،
سن لے تو فریاد ہماری، اے سچے سبحان!
دیکھے میرے پاپوں کو تو، شرمائے شیطان،
ایسا میرا حال ہوا کہ، حیراں ہیں حیوان،
تو ہی ناؤ، تو ہی کنارا، تو ہی کشتی بان،
ناؤ نہ ڈوبے بیچ بھنور میں، رحمت ہو رحمان،
ڈوبتی نیا پار لگائے، یہ ہی تیری شان،
منگتا مانگے بھیک تجھی سے، مہر کا دے تو دان،
کیا کیا یار غلاموں پہ ہیں، مولا کے احسان،
میں اندھا بھی بھیڑ میں بیٹھا، مانگوں تجھ سے دان،

جو آواز لگائے آکر، اِس کا رکھے مان،
تجھ داتا سے بھوکے ننگے، پائیں اُونچی شان،
مجھ کو بھول نہ جانا سائیں!، میں در کا دربان،
تو ہی محشر میں رکھے گا، سائیں!، میرا مان،
ہم گمراہوں کی بخشش کو، کر دینا آسان،
کہے لطیف کہ سن لینا تو، فریادیں سلطان!

تیسری داستان

(۱)

ہوا چلی جب اُتر کی، اِس آس اٹھائے لنگر،
مال سے کشتی بھر کر اپنی، چلے وہ سوداگر،
رحمت کی ہو نظر، تو ٹوٹیں نہ پتوار۔

(۲)

مانگے ہے کستوری اور ہے، نمک کا کاروبار،
کشتی لہر کی زد میں ہے اور، جھوٹ تیرا بیوپار،
بھول منافع یار!، اور سنبھال لے مال تو اپنا۔

(۳)

مال کے ڈھیر لگے ہیں لیکن، کاہل ہیں بنجارے،
مشکل سے ہی بیچ سکے کچھ، سودا صبح بیچارے،

آنکھ جھپکتے پیارے!، کچھ نے بیچ دیا سب مال۔

(۴)

کبھی بھی ہو نہ پرانا تو وہ، سودے میں لے مال،
دیس بدیس میں قدر ہو ایسا، مال ناؤ میں ڈال،
ہو جائے خوشحال، پہنچ کے دوجے پار اے مانجھی!

(۵)

گہرے ساگر سے لاتے ہیں، کیا کیا خبریں رہبر،
کبھی نہ کوئی بتلائے کہ، کیا کیا وہاں بھنور۔

(۶)

کشتی تیری مہر کی ہو اور، لدا ہو وصل کا مال،
آساں ہوگی لہر لہر اور، چلے گی باد شمال،
تو ہو جب رکھپال، تو پھر کیا منت مانجھی کی۔

(۷)

لاد نہ اس پر مال، تیری ناؤ پرانی،
دیکھ تلے میں چھید ہوئے اور، ناؤ میں آیا پانی،
گھڑی نہیں پھر آنی، کل کا رہے خیال۔

(۸)

کیا کیا چھید ہوئے نیا میں، ناؤ میں پانی یار!
ٹوٹ گئی ہر نیا ڈوری، ٹوٹ گئے پتوار،
وہ جب کھیون ہار، تو پہنچے نیا پار بھنور کے۔

(۹)

تختے جوڑ کے نیا کے پھر، کھینچ لے مانجھی لنگر،
خوب سجا تو نیا کو اور، باندھ طنابیں کس کر،
کھول کے ڈوری پھر لے جا تو، نیا بیچ سمندر،
پھر کیا خوف و خطر، ڈولے نیا بیچ بھنور میں۔

(۱۰)

خوب سجا لے کشتی مانجھی!، کر لے اب تیاری،
ہر پل دوجے پار کا سائیں!، خوف ہو دل پر طاری،
آئے گی تیری باری، دوجے پار کو جانے کی۔

(۱۱)

جو کانوں سے سن رکھے تھے، دیکھے آج بھنور،
کہے لطیف کہ نین نیند تھی، بھولے تھے ساگر،
تیری غفلت سے ہی نیا، پہنچی بیچ بھنور،
ٹوٹی نیا کو ساگر میں، تو ہی بچا رہبر!
مجھ نربل کی نیا پر تو، مہر کی ڈال نظر،
پہنچوں "پر بندر"، تیرے سنگ میں سیّد!

(۱۲)

اور جہاز ہیں جانے والے، تو بھی اُٹھا اب لنگر،
سنگ لے سارا ساز و سامان، جا پھر بیچ سمندر،
تجھ کو بھرا ساگر، دیتا ہے آوازیں۔

(۱۳)

دیکھ کہ کیسے ساگر میں یہ، نیا ڈوب کے تیرے،
ٹوٹ گئی ہے ہر اک ڈوری، خستہ حال پھریرے،
جانے رہبر کہاں گئے ہیں، اب ہیں فرنگی گھیرے،
مانجھی تیری کشتی میں اب، چوروں کے ہیں ڈیرے،
جہاں پر ڈوبیں بیڑے، وہاں پہ تو ہی سہارا۔

(۱۴)

ڈال دے نیا ساگر میں، سنگ لے زادِ راہ،
تجھ سے بپھری لہر لڑے گی، رکھنا تیز نگاہ،
لہریں جہاں اتھاہ، وہاں تو مت سو جانا مانجھی۔

(۱۵)

ڈالا بنجاروں نے، ناؤ میں غیر کا مال،
لہر لڑی تو نیا ٹوٹی، مال ہوا پامال،
رہے نہ خوف و ملال، جاگ کے پار کرو جب ساگر۔

(۱۶)

اِس کا کب امکان ہے مانجھی!، پہنچے تو اِس پار،
ٹیک لگائے بیٹھا ہے اور، نینن نیند خمار،
دینا ہوگا یار!، اک دن وہاں حساب۔

(۱۷)

ایسا تیز بہاؤ ہے کہ، ٹھہر نہ پائیں لنگر،

کھینچ سکیں نہ بیڑے، مانجھی زور لگا کر،
روکیں روک نہ پائیں، نیا بیچ سمندر،
ہیبت ناک ہے ساگر، رہبر بتلاتے ہیں۔

(۱۸)

اس سیّد کے ساتھ بنا کب، کام بنے گا یار!
خوب سجا لے کشتی اپنی، اب تو کھیون ہار،
لحظہ لحظہ ساگر پر ہے، لہروں کی یلغار،
لہر کرے گی وار، گر عمل کیے نہ اچھے۔

(۱۹)

بھیج رہے ہیں خبریں جن کو، ساگر کی پہچان،
سب نے اپنے سنگ لیا ہے، رستے کا سامان،
کہے لطیف کہ تیری مہر سے، پار کیے طوفان،
یاد جنہیں سبحان، وہ عدن کے پار گئے ہیں۔

(۲۰)

گھاٹ پہ خوف و ہراس، چین سے بیٹھ نہ مانجھی،
جیسے کوئی دہی بلوئے، بھنور ہیں گھاٹ کے پاس،
یہ دکھڑے یہ یاس، آنکھ جھپک نہ پل کو۔

(۲۱)

چین سے سب سوئے ہیں، رہبر کا ہے سہارا،

اب تم سب سو جاؤ، ملے گا یار کنارا،
سیّد کا ہے سہارا، تو پہنچیں گے وہ پار۔

وائی

چلنے کو تیار ہیں سکھیاں، چلنے کو تیار،
تیرے نین نیند بھری ہے،
اُٹھا لیے ہیں سب نے لنگر، چلے ہیں اب اُس پار،
سب کو گہرا گھاٹ پکارے، اب ہے تیری بار،
سو کر رات بتائی پھر بھی، نین نیند خمار،
شاید سن نہ پائی سجنی!، ساگر کی للکار،
وقت ہے اب بھی تائب ہو جا، بھول نہ اپنا یار،
لمبی تان کے سو مت سجنی!، آگے ہے منجدھار،
سائیں سچ کا سوداگر ہے، جھوٹ تیرا بیوپار،
کیسا بپھرا بپھرا ساگر، گرج رہا منجدھار،
مشکیزے بن چلی ہوں سائیں!، تو ہی کھیون ہار،
شرک و شک کے گردابوں سے، سائیں! پار اُتار،
کل نفس ذائقة الموت، کر کچھ سوچ بچار،
باز کی صورت جھپٹ کے اک دن، کرے گی موت شکار،
یومه یفر المرء من اخیه، کوئی نہ ہوگا یار،

چھوٹ گیا ہے بجرہ سائیں، توہی کھیون ہار،
مال لٹائے اس دنیا میں، تونے لاکھ ہزار،
یار کے نام پہ دان دیا جو، سچا وہ بیوپار،
کیا کیا آن لگائے گھر میں، دولت کے انبار،
فرمایا ہے احمد پی نے، دنیا ہے مردار،
کچھ تو نردھن کو بھی دیتے، اِس ساجن کے کار،
شوہر کی بھی نافرماں جو، دولت ہے وہ نار،
جیون رین بسیرا سجنی، جھوٹا ہے سنسار،
کیسے بھول رہی ہے ناداں، قبر کا وہ اندھکار،

چوتھی داستان

(۱)

سب کو سیدھی راہ دکھائے، کسی کو نہ بھٹکائے،
تیری مہر سے ناداروں کو، وصل میسر آئے۔

(۲)

سونپ دے اب سبحان کو، اپنے کام تمام،
سر تسلیم سے خم کر اپنا، دل سے دھو اوہام،
پورے ہوں گے کام، وہ جب مہر کرے گا۔

(۳)

اچھوں سے تو کرتا ہی ہے، ہر کوئی اچھائی،
بد سے کرے بھلائی، تجھ بن اور نہ کوئی۔

(۴)

نیک کرے اچھائی، بد کرتا ہے برائی،
جس کی جو خُو بھائی! وہ خُو وہ دکھلائے۔

(۵)

لاد کے ساماں ناقے پر، سب کو پاس بلائے،
تھک کر بیٹھ گئے ہیں جو بھی، اُن کو سنگ لے جائے،
سب سے پریت نبھائے، ایسا ہے گنوان وہ پریتم۔

(۶)

قدر تو جانے ہیے کی تو، کرے نہ اور بیوپار،
سچ کے سوداگر سے سیکھو، سچ کا کاروبار،
جن سے لائے یار، موتی عجز و نیاز کے۔

(۷)

بیچ نہ بے قدروں کو، یہ موتی انمول،
قدر جو جانیں موتی کی تو، اِن سے موتی تول،
کھولیں جھوٹ کا پول، سچ کے وہ بیوپاری۔

(۸) (۹)

پرکھ جو پائیں سونا، ایسے ڈھونڈ تُو ماہر،

ایسوں سے پائے گا، مول میں تو جواہر،
یہ ہیں موتی نادر، گنوا کے پھر پچھتائے گا۔

(۱۰)

لاد گئے جب سچے ماہر، تو بھی لاد کے جا،
تجھ میں کھوٹ ملائیں گے اور، مول نہ ہوگا تیرا۔

(۱۱)

سچے موتی مل نہ پائیں، قدر ہے کانچ کی آج،
آتی ہے اب لاج، سچ بھرا ہے دامن میں۔

(۱۲)

پرکھیں اور تراشیں ہیرے، گئے وہ ماہر لاد،
سیپے کی بھی قدر نہیں ہے، اب تو اِن کی بعد،
آہن گر آباد، آج ہیں ان کے ہاٹ پر۔

(۱۳)

پرکھیں اور تراشیں ہیرے، جائیں نہ ایسے ماہر،
ایک نظر میں پرکھ سکیں جو، ہیرے موتی نادر،
جو مزاج کا موتی پرکھیں، پرکھیں باطن ظاہر،
جائیں جو ایسے ماہر، پھر موتی کا کیا مول لگے۔

(۱۴)

کچھ صراف ہیں جگ میں ایسے، ماہر جو کہلائیں،
بھینچ کے مٹھی میں ہم موتی، اِن کے پاس لے جائیں،

کہے لطیف کہ موتی کا وہ، شاید مول چکائیں،
موتی پرکھ وہ پائیں، یا کھوٹ ملائیں سونے میں؟

(۱۵)

نادانی سے کر ڈالے ہیں، موتی ٹکڑے ٹکڑے،
اُٹھا لے روتے روتے، موتی کے ٹکڑوں کو۔

(۱۶)

نادانی سے توڑ دیا ہے، تو نے یہ الماس،
اب یہ ٹکڑے لے کر، جا صراف کے پاس۔

(۱۷)

پڑے پڑے پیٹی میں ٹوٹا، گوری ہاتھوں ہیرا،
جب تک تھا یہ ثابت تب تک، لاکھوں مول تھا اُس کا،
جب سے ہے یہ ٹوٹا، تب سے تو بنمول ہوا ہے۔

(۱۸)

جس جا ہیرے موتی ہیں، تاک میں وہاں لُٹیرے،
ان کے بھاگ نیارے ہیں جو، بچا کے لائے ہیرے۔

(۱۹)

ظاہر چور کہے کہ دیکھو، میں موجود یہاں،
کیسے اس کو پکڑ سکیں جو، چور ہے دل میں نہاں۔

وائی

جاگو، سکھیو، جاگو، پریت نہ ہم بسرائیں،
کیوں ٹھہریں پنگھٹ پر، پیا ملن کو جائیں،
جگمگ پریتم اپنا، پروانے بن جائیں،
بپتا سب تن من کی، ساجن کو بتلائیں،
گرجے موت سروں پر، جوں گھنگھور گھٹائیں،
موت اچانک جھپٹے، کیسے یہ بسرائیں،
تاریکی ہے سجنی!، پوجا دیپ جلائیں،
ساتھ سفر کو توشہ، خالی ہاتھ نہ جائیں،
دل کے بھید وہ جانے، کیسے عیب چھپائیں،
جو ڈرتے ہیں پی سے، اور سے ڈر نہ پائیں،
سکھ ہی سکھ ہے سائیں!، پی کے دوار جو جائیں،

پانچویں داستان

(۱)

رکھ نہ پرانی نیا، کہتی تھی میں سیاں،
سہہ نہ سکیں گے طوفاں، پھٹے پرانے بادباں۔

(۲)

جہاں پر انت نہ لہروں کا اور، بھنور ہیں گھاٹ کنارے،

گہرا گہرا ساگر ہے اور، لہر اُبھر کر مارے
سن ناداں بنجارے، وہاں پر لہر لڑے گی تجھ سے۔

(۳)

تجھ سے لہر لڑے گی کر اب، پی سے مہر طلب،
جانے کس کے سبب، بھنور سے بچ نکلے ہو۔

(۴)

بھنور میں آن پھنسے تھے، کیا کیا بڑے جہاز،
بھنور کے یہ انداز، کہ تاک میں ہے نیا کے۔

(۵)

بھنور ہیں تاک میں نیا کے، مانجھی! کر اب دھیان،
کیا کیا بیڑے غرق ہوئے ہیں، ساگر ہے یہ مہان،
سن لے کشتی بان!، کر تو دھیان بھنور کا۔

(۶)

دل کو ہر دم دھڑکا ہے کہ، بپھرا ہے مہران،
کیسے نیند ہے پیاری تجھ کو، ہوش میں آ نادان،
جاگ کے کشتی بان!، لے جا کھے کر ناؤ۔

(۷)

چیر کے موجیں لے جا نیا، اب تو اے ملاح!
سن لے ان کی باتیں جو ہیں، خطروں سے آگاہ،
ان کی مان صلاح، اور لے جا کشتی سالم۔

(۸)

لے آتے ہیں خبریں، ساگر کے وہ شناور،
دور جو جھوٹ کپٹ سے، سچ کے ہیں سوداگر،
عجز و نیاز کا سودا سائیں!، کریں جو رات کو اُٹھ کر،
بھنور یا گہرا ساگر، سب کو پار اُتاریں۔

(۹)

گئے جو ساگر پار، لڑی نہ اُن سے لہر،
پیار سے کشتی کھیتے، پار کیا ہے بحر،
کی سائیں نے مہر، تو پہنچ گئے وہ پار۔

(۱۰)

بھول گئے ساگر کو، ساتھی ہیں تیار،
تختے جوڑ کے کشتی کے، تھام لے تو پتوار،
ڈولتی نیا بنجاروں کی، چلی ہے اب اس پار،
خوش ہیں کھیون ہار، کہ کشتی پار لگی ہے۔

(۱۱)

لونگ، الائچی، ریشم، لادے موتی ہیرے،
سب نے اپنے مال سے، بھرے ہیں اپنے بیڑے،
دیکھ کہ کیسے بیڑوں کو، کس کر باندھے رسے،
نذر نبی کی مان کے سب نے، کھول دیئے ہیں پھریرے،

سائیں! کرم سے تیرے، سب کے بیڑے پار ہوئے۔

(۱۲)

شام ہوئی تو گھاٹ پہ آئے، گوری پوجے جل،
گھاٹ بندھی ہو نیا سائیں!، گھر میں ہو سھنل،
مال سے بیڑے بھر کر لائیں، دور ہوں دُکھ کے بادل،
بچ جائیں محصول سے مانجھی، رحمت ہو ہر پل،
کھیتے سارا جل، مانجھی گھاٹ پہ آئے۔

وائی

سکھیو! عمر گنوائی، وقت گنوایا، عمر گنوائی میں نے،
دکھ پر دکھ میں جھیلوں، ایسی قسمت پائی،
قسمت کے ماروں کی، سن لے یار دُہائی،
جیسی بھی ہوں پریتم، تیرے دوار میں آئی،
تیرے مہر سے من کی، چھوٹ جائے سب کائی۔

چھٹی داستان

(۱)

مشکیزہ لے سنگ، جہاں ہے پانی گہرا،
بیچ بھنور میں بجرہ، کوئی نہ لاکر دے گا۔

(۲)

چھوٹے نالے ہوں یا دریا، پار کریں پیراک،

وہ تیریں گے خاک، جن کے سر دستار بندھی ہو۔

(۳)

ڈھونڈھ لے تو کلتار، اِس کو مت بسرا،

پل پل رہ ہوشیار، آمد ہے طوفاں کی۔

(۴)

سوئے کیوں کھیون ہار!، اب چمکے گی بجلی،

ڈوب گئے اِن لہروں میں ہیں، کیسے کیسے مانجھی۔

(۵)

شام سے ہی تو سویا، سر پر ہے طوفاں،

ہوگئے غرق یہاں، بھولے جو طوفاں کو۔

(۶)

آئی نیند ابھاگ کی، طوفاں کے آثار،

ڈوبے آخر کار، جن کو خوف نہ طوفاں کا۔

(۷)

نیا میں تو بیٹھ سنبھل کے، تھام لے اب پتوار،

چلتی ہیں پھر تیز ہوائیں، لہریں ہیں دشوار،

ڈوبے آخر کار، جو خود کو ماہر سمجھے۔

(۸)

حرکت میں ہیں ندیاں نالے، تارے بے آرام،
بن کوشش کے جو کچھ پایا، وہ سمجھا انعام،
چاہا جب آرام، تو پھر کیا پونجی دیکھے۔

(۹)

راہ کٹھن ہے رب کی، طرح طرح کی مشکل،
جو جانیں اِن راہوں کو، ان سے بھی کیا حاصل،
مل جائے گا ساحل، پریت اگر ہے من میں۔

(۱۰)

لا ساگر میں کشتی، چھوڑ دے ٹال مٹول،
پڑھ کلمہ تو احمد کا، راہ ملے گی سیدھی،
پھر یہ نیا تیری، پہنچے مکہ گھاٹ پر۔

(۱۱)

تن ساگر میں پیار کی کشتی، ڈولے جب اے یار،
عجز و نیاز کے بادباں ہوں، من کا ہو منجدھار،
بھر لے مال تو منت کا تو، لہر کرے نہ وار،
پہنچے عدن کے پار، خوف رہے نہ کوئی۔

(۱۲)

ہر سُو خوف ہے طاری، پھر بھی تیرا سہارا،
دیں گے آپ بدھائی، ساجن گلے لگا کر۔

(۱۳)

دل سے دے بسرا، یہ طوفانی موجیں،
اس ساگر کو جا، جس میں لاکھوں لہریں۔

(۱۴)

کشتی کھیتے ساگر چھانیں، ڈھونڈ کے لائیں موتی،
وہ تو گھونگھے لائیں جن کی، دور نہ جائے کشتی۔

وائی

پربت ہی پربت، ماریں گے پربت،
دور ہے دیس سجن کا،
بھید تو اپنی پریت کا، اور کو مت بتلا،
پوشیدہ رکھ پریت کو، چھپ چھپ نیر بہا۔

سُر ساموندڙی

سُر سامُونڈی

پہلی داستان

(۱)

بیٹھ تو نیا پاس، نیا گھاٹ بندھی ہے،
کر کے تجھے نراس، چلا نہ جائے مانجھی۔

(۲)

پک کر ہو جا راس، گھاٹ بندھی ہے ناؤ،
دے کر ہجر کا گھاؤ، چلا نہ جائے مانجھی۔

(۳)

بیٹھ تو نیا پاس، آج ہیں ڈالے لنگر،
تُو تو کھٹم کھٹم چلے ری گوری!، چلے وہ بیچ سمندر،
جن کا دیس ہے ساگر، کیوں نہ ان کے سنگ گئی،

(۴)

چلی ہے تیز ہوا، کھولے آج پھریرے،
آنا ہے تو آ، چھوڑ دے اب تیاری۔

(۵)

آنا ہے تو آ، اُٹھ نہ جائیں لنگر،
جن کا دیس ہے ساگر، کھول نہ دیں وہ پھریرے۔

(۶)

اُٹھا لیے مستول، چلے ہیں کھیون ہار،
بندر اور بازار، ویراں بن بنجاروں کے۔

(۷)

گنوں کی ڈوری ڈال کر، من نیا کو باندھا،
گھاٹ بندھا ہے جیئرا، کیسے من کی نیا ڈولے۔

(۸)

یہی تو جو بن ملن کے دن تھے، پیا چلا پردیس،
روؤں، روکوں، رُکے نہ ساجن، ساگر اس کا دیس،
چبھو کے ہجر کے نیش، چلا ہے لے کر ناؤ۔

(۹)

نہ تو باتیں بنجاروں کی ہیں، نہ وہ گھاٹ نہ ناؤ،
پھر سے تازہ ہوگئے سکھیو!، دل میں پریت کے گھاؤ،
بنجاروں کی چاؤ، مارے گی اب موہے۔

(۱۰)

چلے گئے ساگر کو، مجھ کو چھوڑ کنارے،
جگ بیتے پر لوٹ نہ آئے، ہائے وہ بنجارے،
مروں گی ہجر کے مارے، بچھڑ گیا ہے ساجن۔

(۱۱)

مانجھی لے کر ناؤ، ساگر اور گئے،
گھیر لیا ساگر نے، پھر نہ لوٹ سکے،
وہاں پہ جا پہنچے، انت نہیں جہاں جل کا۔

(۱۲)

گہرے ساگر اور گئے جو، مانجھی ناؤ کھیتے،
چیر کے ساگر کی یہ موجیں، کب تھے پھر وہ لوٹے،
تھے ان کو گھیر گئے، بھنور وہ گہرے ساگر کے۔

(۱۳)

گہرے ساگر اور گئے جو، ان کے بول نے مارا،
پریتم ہے بنجارہ، کیا کیا درد دیا ہے۔

(۱۴)

کیا جانے کب لوٹ کے آئیں، آج گئے بنجارے،
حدِ نظر تک پھیلا ساگر، چمکیں دور پھریرے،
مارے گی اب موہے، بنجاروں کی پریت اے میا!

(۱۵)

ناؤ کھیتے چلے جہاں سے، وہیں پہ لوٹ کے آئیں،
ایسی چلیں ہوائیں، کشتی گھاٹ پہ لاگے۔

(۱۶)

بنجاروں کی یاد میں اب تو، کھڑی ہوں گھاٹ کنارے،
مار رہی ہیں پیارے!، تیرے پیار کی باتیں۔

(۱۷)

ساگر اور گئے بنجارے، تڑپے مورا تن،
لوٹے نہ ساجن، کیا کیا موسم بیت چلے۔

(۱۸)

بنجاروں کی پریت میں، دکھ ہی دکھ ہے میا!
چھوڑ گیا ہے کھویا، ہجر کی آگ میں جلتا۔

(۱۹)

کاش! بھلا دے ساجن، سارا بنج بیوہار،
کل آیا تھا یار، پھر دیکھو پردیس چلا ہے۔

(۲۰)

نیر بہاتے نیا روکی، تھام لیا پتوار،
بھولے سب بیوہار، ساجن! جو سیکھا ہے۔

(۲۱)

بنجارے کی نیا روکی، تھام لیا پتوار،

رات بِتا دے سنگ اے ساجن!، مت جا ساگر پار،
دکھیا کر کے یار!، دور دیس مت جاؤ۔

(۲۲)

کھڑی تھی گھاٹ کنارے، چھوڑ گیا بنجارہ،
پی کو روک نہ پایا، نربل عشق بچارہ،
کاش کہ باندھا ہوتا، میں نے من نیا سے۔

(۲۳)

بنجاروں سے پریت سکھی ری، کبھی کرے نہ کوء،
اس دم منوا روء، جب اُٹھ جائیں لنگر۔

(۲۴)

آن کے مشکل گھاٹ لگے جو، من ہے ایسی نیا
کبھی نہ آن کے پوچھا، مہر سے میرے ساجن نے۔

(۲۵)

جس کی پریت میں تڑپے جیئرا، چلا وہ بیچ سمندر،
بول رے کاگا! کب آئے گا، ساجن میرا اب گھر،
کس کارن وہ دلبر، جاء بسا پردیس۔

(۲۶)

کاگا بول اٹریا پر، کب آئے گا مانجھی،
کیا کیا منت مانی، ساجن لوٹ کے آئے۔

(۲۷)

ٹہنی ٹہنی بور لگا ہے، چلی ہے خنک ہوا،
ساجن لوٹ کے آ، کیا کیا منت مانی۔

(۲۸)

کونپلیں، سرخ شگوفے پھوٹے، پھوٹے ہیں سرکنڈے،
ساجن! تم کیوں بھولے، کہ ملن کی رت آئی ہے۔

(۲۹)

اب کے میرے انگنا، آئے جو میرا ساجن،
کروں میں من کی بتیاں، بانہیں ڈال گلے میں۔

(۳۰)

روٹھ روٹھ من جاؤں میا!، ساجن جو لوٹ آئے،
کیوں پردیس سہائے، پاس میرے تم رہے نہ ساجن۔

(۳۱)

ساجن بن سردی سے، لرزاں جسم تمام،
پیت نہ ہو بدنام، چھیڑ نہ مجھ کو میا!

(۳۲)

ابھی ابھی آئے بنجارے، پھر سے کریں تیاری،
میں برہا کی ماری، اب تڑپوں گی برہا میں۔

(۳۳)

ٹوٹتے من کو تھام لو سکھیو!، کہو کہ پی آیا ہے،

منوا ٹوٹ گرا ہے، ٹوٹ گرے جوں برج قلعے کا۔

(۳۴)

چلو تو چل کر دیکھیں اے دل!، اپنے پی کی باٹ،
چل کر چومیں گھاٹ، جہاں پہ ساجن اُتریں گے۔

(۳۵)

آن کھڑی ہوں گھاٹ پر، من میں آس لیے،
گھاٹ پہ چھوڑ کے موہے، بھول نہ جائے ساجن۔

(۳۶)

پتلی کمریا، ستواں ناک اور، کجراری سی اکھیاں،
ایسے سندر سیاں، کسی نے دیکھے ساگر میں!

(۳۷)

چاہ سے جس کی راہ تکی تھی، یہی تو ہے وہ ساجن،
آکر میرے من کی سکھیو!، کرے گا دور دکھن۔

(۳۸)

جھلمل کرتے دیکھ پھریرے، حدِ نظر تک ساگر،
اے میا! سج دھج کر دیکھو، آئے ہیں سوداگر،
کل سے کاگا آکر، دیتا تھا سندیسہ۔

وائی۔۱

لوں ساجن کی راہ، سکھیاں روکیں، روک نہ پائیں،

دور دیس سے آیا ساجن، جس کی من میں چاہ،
ٹوٹے من کو جوڑے سکھیو! اس کی ایک نگاہ،
سکھیوں نے بھی دُکھ پایا ہے، سب کے لب پہ آہ،
شاید وہ ساجن آجائے، مہکے میری چاہ،
جب تک جان ہے، دشت و جبل میں، ڈھونڈھے اسے نگاہ،
روک نہ مجھ کو میا! میرے، من میں پریت اتھاہ۔

وائی۔ ۲

مانجھی اُترے پار، میں کھڑی ہوں گھاٹ پہ یار، میں بادباں پہچانوں
میں منت مانے کھڑی ہوں، کب آئے کھیون ہار،
بے کل نیناں روئیں میرا، دور گیا ہے یار،
من میں آس بندھی ہے، کب آئے کھیون ہار۔

وائی۔ ۳

کیسے جی بہلاؤں، میرا من نہیں میرے بس میں،
بادباں کو کھولا اس نے، نین نیر بہاؤں،
بنجاروں سے پریت کا ناتہ، تڑپ تڑپ مر جاؤں،
دُکھ برھا کا دیمک جیسا، پل پل گھلتی جاؤں،
دکھ کی بیلیں لپٹیں تن کو، دکھ سے مکتی پاؤں،

ہاتھ جوڑ اور پگ پگ چل کے، پی کے دوار میں جاؤں۔

دوسری داستان

①

پھر باتیں ہیں دور سفر کی، باندھیں رختِ سفر،
سر میں سودا ساگر کا ہے، اِن کا آٹھ پہر۔

②

پھر باتیں ہیں دور سفر کی، چلنے کو تیار،
میں ہوں گھاٹ کنارے سکھیو، وہ تھامے پتوار،
بنجاروں کا پیار، مارے گا اب موہے۔

③

پھر باتیں ہیں دور سفر کی، چلے ہیں پھر بنجارے،
چلنے کو تیار ہیں مانجھی، روؤں گھاٹ کنارے،
کب تک روک سکوں گی اِن کو، ساگر جنہیں پکارے،
کھول پھریرے سارے، ساگر اور چلے ہیں۔

④

پل پل جن کی یاد ستائے، مجھے نہ وہ بسرائیں،
من میں پریت کا تانا بانا، ساجن لوٹ کے آئیں۔

⑤

دمک رہا ہے دھیان میں سکھیو!، وہ بنجارہ ساجن،

اٹکا ہے جس سے من، بھول نہ جائے مجھ کو۔

(۶)

گھاٹ گھاٹ پر دھوم مچی ہے، مانجھی لوٹ کر آئے،
سن کر بنجاروں کی باتیں، میرا من مسکائے۔

(۷)

کھولی نیا ڈوری، تھام لیے ہیں چپو،
ان کو مشکل گھاٹ ہے جانا، بپھرا ساگر ہر سُو،
بنجارہ وہ مہرو، جانے کب صورت دکھلائے۔

(۸)

چلی ہوا جب اُتر کی تو، بادبان کو کھولا،
کس کر رسے نیا کے وہ، ساگر اور چلا،
تڑپے ہے جیرا، اُن کو جاتا دیکھ کے۔

(۹)

چلی ہوا تو چلے مسافر، برکھا رت میں آئیں،
بھاڑ میں جھونکوں ہیرے موتی، اپنے سنگ جو لائیں،
وہ تو جشن منائیں، جن کے لوٹ کے آئے مانجھی،

(۱۰)

ساجن انگنا آجائے تو، سکھیو! میں مسکاؤں،
اپنے اِس انمول پیا پہ، اپنا سب کچھ واروں۔

(۱)

چلی ہوا پھر اُتر کی، لگا ہے دل کو دھڑکا،
چمکاتے ہیں نیا، کرتے ہیں تیاری۔

(۱۲)

دیکھ سفینوں کے ساگر میں، پھڑ پھڑ کریں پھریرے،
جن کی راہ میں تکتی ہوں وہ، آئیں ساجن میرے۔

(۱۳)

بیچ سمندر بادباں، دیکھ کر بولی برہمن،
شاید میرا ساجن، سکھو! لوٹ کے آیا۔

(۱۴)

سیتے تھے کل بادبان، بیٹھے گھاٹ کنارے،
آج سجا کر اپنی نیا، چلے سفر کو سارے،
چاروں اور ہے گہرا ساگر، دور چلے بنجارے،
تو ہی پار اُتارے، کہے لطیف کہ لطف سے اپنے۔

(۱۵)

سیتے تھے کل بادباں، مانجھی گھاٹ کنارے،
پوچھ کے حال وہ موسم کا پھر، ساگر اور سدھارے،
پہنچے پار وہ سارے، راہ میں مشکل گھاٹ نہ آیا۔

(۱۶)

طرح طرح کے گھاٹ جہاں پر، ملے نہ مال کا مول،

اوڑھو بھیس فقیری کا تو، مول ملے بن تول۔

(۱۷)

برہمن پوچھے ہر اک سے گیا، راہ میں دیکھے مانجھی،
کاش وہ لوٹ کے جلدی آئیں، ملن کی آس ہے جن کی۔

(۱۸)

جل میں ڈال کے مشک و عنبر، ساگر پوجیں آج،
لوٹ کے کب آئیں گے میرے، بنجارے سرتاج۔

(۱۹)

جس ساجن کے کارن میں نے، پوجا یہ ساگر،
آس ہوئی ہے پوری ساجن، لوٹ کے آیا گھر۔

(۲۰)

جھلمل کریں پھریرے سکھیو! کاش کہ دیکھوں بادباں،
جن کے پیارے لوٹ آئے ہیں، مسکائیں وہ سکھیاں۔

(۲۱)

دیکھ پھریرے پھڑک رہے ہیں، پرچم پھر لہرائے،
گھاٹ گھاٹ جو گھومے مانجھی، آج وہ لوٹ کے آئے۔

(۲۲)

پوجے گہرے ساگر کو، جل پر دیپ جلائے،
گھاٹ گھاٹ جو گھوما مانجھی، کاش وہ لوٹ کے آئے۔

(۲۳)

جو نہ پوجے گہرا ساگر، جل پر دیپ جلا کے،
کیسے پریت کرے وہ گوری، بنجارے ساجن سے۔

وائی۔۱

جاؤں گی ساجن دوارے، راہ نہ روکو سکھیو!
وہ تو ساگر پار گئے ہیں، کھڑی ہوں گھاٹ کنارے،
تڑپ تڑپ کر مر جاؤں گی، وہ پردیس سدھارے،
کب سے تڑپیں برہا میں یہ، تیرے ہجر کے مارے،
تجھ بن کیسے جی پاؤں گی، یار میرے کو ہیارے[1]!

وائی۔ ۲

سجا کے اپنا ناقہ، کیوں نہ ساجن سنگ گئی،
کتنی دُھل کر اُجلی ہو گئیں، دھویا میل ہے سارا،
مت بسرا اس پریتم کو تو، اِس کو ڈھونڈنے جا،
آج تو اس کو ڈھونڈ رہی ہے، کل جو لاد گیا،
آج ہے پہنا چولا وہ جو، کل تھا کاڑھ لیا،
کون سنے فریاد تیری بن، پریتم کے بتلا؟

---

[1] محبوب

وائی۔ ۳

پی ہے بنجارہ، میں جاؤں گی پاس پیا کے،
بادباں مت کھول اے پیارے!، ناؤ ذرا ٹھہرا،
سُونا کر گئے گھاٹ کو، سُونا جگ سارا،
چرنے سے اب کرے ہے باتیں، من یہ دکھیارا،
ساگر کے اس پار میں جاؤں، ملے وہ بنجارہ،
نیا کھیتے دور گیا ہے، چھوڑ گیا پیارا۔

تیسری داستان

(۱)

گھاٹ بہت ہی دور، چلوں تو جا پہنچوں،
جھولی خالی، کیا لے جاؤں، اپنے پی کے حضور،
لے چل مانجھی! ملوں پیا سے، میں برہن مجبور،
روتی ہے مہجور، تیرے دوار پہ مانجھی۔

(۲)

جھولی خالی، کوئی بھی مانجھی، چلا نہ لے کر ساتھ،
کھڑے کھڑے ساگر کے کنارے، ہر سو چھائی رات،
ناؤ لگی تب گھاٹ، مہر ہوئی جب ساجن کی۔

(۳)

مانگ تانگ کے پورت کی ہے، دور تھا کھیون ہار،
ہائے ٹھٹھرتی راتیں، پالا، تنہا برھن نار،
سکھیوں سنگ دلدار، دیکھ کے ہُوک اُٹھے ہے۔

(۴)

مجھ کو چھوڑ وہ گھاٹ کنارے، چلے سکھی ری! سن،
پریتم مہر سراپا ہے پر، مجھ میں ہیں اوگن۔

(۵)

مجھ کو چھوڑا گھاٹ کنارے، دور چلا دلدار،
پریتم مہر سراپا ہے پر، مجھ میں عیب ہزار۔

(۶)

مجھ کو چھوڑا گھاٹ کنارے، چلا وہ لے کر نیا،
پریتم مہر سراپا ہے پر، مجھ میں عیب تھے میا۔

(۷)

مجھ کو چھوڑا گھاٹ کنارے، پریتم دور چلا،
رکھ کر رب کی آس چلا میں، پل پل کروں دعا،
آس تری مولا!، مانجھی لوٹ کے آئیں۔

(۸)

سکھیو! شام ڈھلے ہی اِن کو، ساگر آیا یاد،
کریں گے پھر تیاری اور وہ، چلیں گے یاں سے لاد۔

(۹)

نیا کھیتے لوٹ کے آئے، آج وہ کھیون ہار،
سیم و زر کا سودا کیا ہے، کریں وہ اور بیوپار،
موتی اس مہران کے سائیں!، ان کو ہیں درکار،
بڑے ہیں ساہوکار، لنکا لُوٹ کے آئے۔

(۱۰)

لب پر لنکا لنکا ہے، لنکا اور ہے منزل،
کنچن کارن چین نہیں ہے، کریں گے کنچن حاصل،
صبح سویرے بنجاروں نے، چھوڑ دیا ہے ساحل،
پائیں اپنی منزل، جو گہرے ساگر اور گئے۔

(۱۱)

صبح سویرے بنجاروں نے، کھول دیئے ہیں پھریرے،
لہراتے وہ بادبان، دیکھ کے جیئرا روئے،
مارے گا اب موہے، اے میا!، درد فراق کا۔

(۱۲)

صبح سویرے بنجارے نے، بادبان پھر کھولا،
پھر سے بنجاروں نے میا!، پتواروں کو تولا۔

(۱۳)

بارہ ماہ بدلیس رہا ہے، پھر وہ آج چلا،
روک لے بنجارے کو اب تو، بنجارے کی میا!

(۱۴)

بنجارے سے بیاہ نہ ہوتا، اچھی تھی بن بیاہی،
چلا وہ دور سفر کو میا!، ملن کی رت جب آئی۔

(۱۵)

کیوں باندھا تھا پلو میا!، بنجارے کے ساتھ،
کرتا ہے بنجارہ پل پل، دور سفر کی بات،

(۱۶)

چلا ہے پھر پردیس سکھی ری!، چلا ہے بیچ سمندر،
نیا کھول رہا ہے دیکھو، درد فراق کا دے کر۔

(۱۷)

دیپ جلے دیوالی کے، سفر کی ہے تیاری،
تھام کے چپو نیا کے وہ، کرے ہے آہ و زاری،
روئے گی بے چاری، اب دیکھ کے ویراں گھاٹ۔

(۱۸)

دیپ جلے دیوالی کے، سفر کی ہے تیاری،
چلی ہوا پھر اُتر کی، آئی سفر کی باری،
سن برہا کی ماری!، کرتے ہیں پردیس کی باتیں۔

وائی۔ا

عشق کے یہ آفات، آن کے دیکھو سکھیو!

مجھ کو میرے پریتم دے گئے، دکھوں کی یہ سوغات،
میری سکھیو! اب برہا میں، سلگت ہوں دن رات،
کشٹ اُٹھاؤں راہ کے پل پل، پی کی لگن دن رات،
سکھیاں درد نہ جانیں میرا، طعنوں میں ہر بات،
اب نہ چین سے بیٹھوں سکھیو!، ڈھونڈو ہر اک باٹ،
بدرا بن کے برسوں پل پل، جوں ساون برسات۔

وائی۔ ۲

دشت میں ہوگا دور، ہر اک دکھ برہن کا،
جس کو دیکھوں جانوں، قاصد ہے ساجن کا،
زدر آور وہ ہستی، کیا کیا دکھ برہن کا،
جنگل جنگل ڈھونڈھوں، اندھیارا ہے بن کا،
دیکھے "کیچ" کے پیڑ، دور ہوا دکھ تن کا۔

سوہنی میہار

دیورائے بادشاہ کے زمانے میں، مہران ندی کے کنارے، سائمیا قوم کے لوگ بستے تھے، ان میں جر کت نام کا ایک آدمی تھا جس کی سوہنی نام کی بیٹی تھی، سوہنی صرف نام کی سوہنی نہ تھی صورت سیرت کی بھی سوہنی تھی۔ جوان ہوئی تو سائمیا قوم کے نوجوان اس کی محبت کا دم بھرنے لگے، سب نے اپنی اپنی قسمت آزمائی لیکن سوہنی کسی کو نہ ملی سوہنی کی قسمت میں تو کچھ اور ہی لکھا تھا، مہران ندی کے دوسرے کنارے پر "واہوچا" قوم کے لوگ رہتے تھے اس قوم کے وڈیرے کا ایک بیٹا تھا اس کا نام ڈم تھا ڈم بد شکل کم عقل اور کان کا کچا تھا۔ ماں باپ کا لاڈلا تھا، لاڈ اور پیار میں وہ بگڑ گیا تھا، لیکن اس کی قسمت اچھی تھی کہ سوہنی جیسی لڑکی اس کی بیوی بنی۔ ڈم کے والدین نے ڈم کے لیے سوہنی کا رشتہ مانگا کھاتے پیتے لوگ تھے سوہنی کے والدین نے رشتہ منظور کرلیا۔ چاند کی چودھویں تاریخ شادی کے لیے مقرر ہوئی، ڈم کی قوم کے لوگ گھوڑوں اور اونٹوں پر ڈھول اور شہنائیاں بجاتے، ناچتے گاتے گھاٹ پر آئے، اور کشتیوں میں بیٹھ کر دوسرے کنارے پر اُترے اور وہاں سے بارات کی صورت میں سوہنی کے گھر پہنچے، رات ہی کو شادی ہوئی اور دوسرے دن وہ دلہن کو بیاہ کر واپس لوٹے، بارات دریا کے گھاٹ پر پہنچی تو اس وقت وہاں کشتیاں نہیں تھیں ساری کشتیاں دوسرے کنارے سے مسافر لینے گئی ہوئی تھیں لیکن دولہا اور دلہن کو دودھ پلانے کی رسم باقی تھی بارات کے ساتھ آئی ہوئی سہاگر [illegible] نے

سوچا کہ جب تک کشتیاں لوٹیں تب تک کیوں نہ دولہا اور دلہن کو دودھ پلانے کی رسم ادا کی جائے یہ سوچ کر انہوں نے آدمیوں کو بھیجا کہ کہیں سے دودھ لے آئیں گھاٹ کے پاس ہی بھینسوں کا چوپال تھا، یہ میہار کا چوپال تھا، آدمیوں نے دیکھا کہ چوپال سے دھواں اُٹھ رہا ہے اور کوئی بانسری بجا رہا ہے، وہ اس چوپال کی طرف چلے، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک خوبصورت جوان بیٹھا بانسری بجا رہا ہے۔ انہوں نے سلام کیا میہار نے انہیں عزت سے اپنے پاس بٹھایا خیر وعافیت اور آنے کا مقصد پوچھا انہوں نے میہار سے دودھ مانگا اور میہار کے کردار سے اس قدر متاثر ہوئے کہ اسے کہا کہ تم خود چل کر دولہا اور دلہن کو اپنے ہاتھوں سے دودھ پلاؤ۔ تم جیسے نیک انسان کے ہاتھوں سے دودھ پیئں گے تو دونوں کی قسمت اچھی ہوگی اور محبت بڑھے گی یہ سن کر میہار پہلے تو ٹالتا رہا لیکن پھر مان گیا اور دودھ کا برتن لے کر وہ ان کے ساتھ چل دیا۔ میہار واقعی نیک انسان تھا رات کے پچھلے پہر نیند سے بیدار ہوتا، بھینسوں کی دیکھ بھال سے فارغ ہوتا تو عبادت میں مصروف ہو جاتا اور پھر عبادت کے بعد بانسری بجاتا، تیسرے پہر جب بھینسیں جنگل سے لوٹتیں تو ان کو چارہ دیتا، دوہتا اور پھر عبادت کرتا، عبادت سے فارغ ہو کر بانسری بجاتا۔ خدا نے اسے حسن کی دولت بھی دے رکھی تھی اور عبادت اور پرہیزگاری نے اس کے حسن کو اور نکھار دیا تھا، میہار نے دودھ پیالے میں انڈیلا اور پیالہ ڈم کی طرف بڑھایا ڈم نے دیکھا کہ دودھ تھوڑا ہے اس نے میہار کو اشارہ کیا کہ دودھ سوہنی کو دو۔ میہار نے پیالہ سوہنی کی طرف بڑھایا، سوہنی نے پیالہ لے کر پیا تو اس کا سارا وجود روشن ہو گیا، اس نے نظر اُٹھا کر میہار کی طرف دیکھا اور اسے دیکھتے ہی اس کے دل میں عشق کی آگ بھڑک اُٹھی، سوہنی کی ایک ہی نگاہ نے میہار کو بھی گھائل کر دیا اور وہ بھی سوہنی کو دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو گیا۔ میہار نے اسے ایسا پیالہ پلایا جسے چکھتے ہی وہ گھر اور بر دونوں بھول گئی، میہار سوہنی کو دودھ پلا کر چلا گیا، بارات نے بھی تھوڑی دیر آرام کیا، اتنے میں کشتیاں دوسرے کنارے سے واپس آگئیں، باراتی کشتیوں میں سوار ہوئے اور اپنے گاؤں پہنچے گاؤں والوں نے بھی خوشیاں منائیں عورتیں ڈلہن دیکھنے آئیں سب سوہنی کے حسن کی تعریف کرنے لگیں سوہنی کے دل میں میہار کی محبت ایسی سمائی تھی کہ میہار کو جدائی میں اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے دیکھنے والوں نے سمجھا کہ ڈلہن

ماں باپ سے بچھڑ کر آئی ہے اس لیے رو رہی ہے، سوہنی کو کوئی چیز اچھی نہیں لگ رہی تھی، اس نے کھانا بھی نہ کھایا اور خاموشی سے چارپائی پر لیٹ گئی، رات کو ڈم اس کے پاس آیا اس سے میٹھی میٹھی باتیں کرنے لگا لیکن سوہنی نے اس سے کوئی بات نہ کی۔

میہار کا چوپال ڈم کے گھر کے بالکل سامنے دریا کے دوسرے کنارے پر تھا، چوپال سے دھواں اُٹھتا، جنگل جاتے اور جنگل سے واپس آتے وقت بھینسوں کی گھنٹیاں بجتیں، میہار بانسری بجاتا تو سوہنی بے چین ہو جاتی اس کا دل اپنے میہار سے ملنے کے لیے بے تاب ہو جاتا۔

ایک دن سہیلیوں نے اسے کہا سوہنی چلو دریا کی سیر کر آئیں۔ اس نے ساس سے اجازت لی اور سہیلیوں کے ساتھ دریا کی سیر کو چلی، دریا کی اس طرف اس کا محبوب تھا۔ چوپال سے دھواں اُٹھ رہا تھا اور میہار بانسری بجا رہا تھا۔ سوہنی کے دل میں ہوک سی اُٹھی وہ ایک پل کے لیے بھی وہاں ٹھہر نہ سکی، اسی وقت گھر واپس لوٹ آئی، اور چارپائی پر لیٹ کر رونے لگی۔ آدھی رات تک وہ اسی طرح روتی تڑپتی رہی آخر اس سے رہا نہ گیا، وہ اسی وقت اُٹھی، گھر سے ایک گھڑا اُٹھایا اور دریا کے کنارے پہنچی، اندھیری رات تھی، دریا کی لہریں چنگھاڑ رہی تھیں، لیکن سوہنی کے دل میں محبت تھی، وہ محبت جو کسی سے نہیں ڈرتی، سوہنی نے اللہ کا نام لیا، گھڑے کو دریا میں پھینکا اور خود بھی دریا میں کود گئی اور گھڑے کے سہارے تیرتی ہوئی دوسرے کنارے پر پہنچی۔ میہار نے جب سے سوہنی کو دیکھا تھا اس کی آنکھوں سے نیند غائب ہو گئی تھی اس نے سوہنی کے چہرے میں ایسا نور دیکھا تھا جس نے محبت بن کر اس کے دل کو جگمگا دیا تھا وہ پھر اس نور کو دیکھنا چاہتا تھا، یہ چاہت درد بن کر اس کے دل میں اُٹھتی، وہ بے چین ہو جاتا اور اپنے درد، اپنی چاہت اور اپنی بے چینی کو بانسری کے درد بھرے سروں کا روپ دیتا، بانسری کے سروں سے صدائیں دے کر وہ سوہنی کو بلاتا، لیکن سوہنی اس کے پاس نہ آتی اس رات بھی وہ بانسری بجا کر سوہنی کو آوازیں دے رہا تھا کہ اسے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی، اس نے بانسری بجانا بند کی اور نظریں اٹھا کر دیکھا تو سوہنی اس کے سامنے کھڑی تھی دونوں ساری رات پیار بھری باتیں کرتے رہے، پو پھوٹنے لگی تو سوہنی واپس چلی گئی، سوہنی نے دریا کے کنارے سرکنڈوں میں گھڑا چھپا دیا تھا، اب ہر رات وہ گھڑا نکالتی اور دریا میں تیرتی ہوئی میہار سے ملنے آتی، کئی دن گزر گئے

سوہنی کئی دنوں کی جاگی ہوئی تھی ایک دن صبح صبح ہی اس پر نیند کی غنودگی چھانے لگی ساس کو یقین ہو گیا کہ رات کو اندھیرے میں سوہنی میہار سے ملنے جاتی ہے اور وہ کسی نہ کسی طرح سوہنی کو میہار کے پاس جانے سے روکنے کی تدبیریں سوچتی رہی، اس نے کمہار سے کچا گھڑا بنوایا اور سرکنڈوں میں رکھے گھڑے کی جگہ وہ کچا گھڑا رکھ آئی، رات ہوئی تو سوہنی نے سرکنڈوں سے گھڑا نکالا اور دریا میں کود گئی، تھوڑی دور تک گئی تو گھڑا گلنے لگا، سوہنی سمجھ گئی کہ اس کے ساتھ دھوکا ہوا ہے، لیکن پھر بھی وہ تیرتی رہی، جب گھڑا بالکل گلنے لگا تو سوہنی نے اپنے میہار کو آوازیں دیں، لیکن لہروں کے شور میں میہار نے اس کی آواز نہ سنی، سوہنی میہار کو آوازیں دیتی طوفانی لہروں کی لپیٹ میں گھر کر ڈوب گئی، ادھر میہار سوہنی کا انتظار کرتا رہا، سوہنی نہ آئی، میہار کو یقین تھا کہ کچھ بھی ہو جائے وہ اپنے میہار سے ملنے ضرور آئے گی، صبح ہو گئی لیکن سوہنی نہ آئی، تب میہار کو شبہ ہوا کہ شاید طوفانی بارش کی وجہ سے سوہنی دریا میں ڈوب گئی، اس نے ملاحوں سے کہا کہ جال پھینکو شاید میری سوہنی مل جائے، ملاحوں نے جال پھینکے تو انہیں سوہنی کی لاش ملی، وہ لاش انہوں نے میہار کو لا کر دی، میہار نے سوہنی کی لاش کو دفنایا اور خود اس کی قبر کا مجاور بن کر بیٹھا وہ ہر وقت روتا اور بانسری بجاتا رہتا۔ اسی طرح روتے روتے وہ بھی مر گیا، سوہنی اور میہار کی لاشیں آج بھی شہداد پور شہر میں دفن ہیں۔

سُر سوہنی

سُر سوہنی

پہلی داستان

(۱)
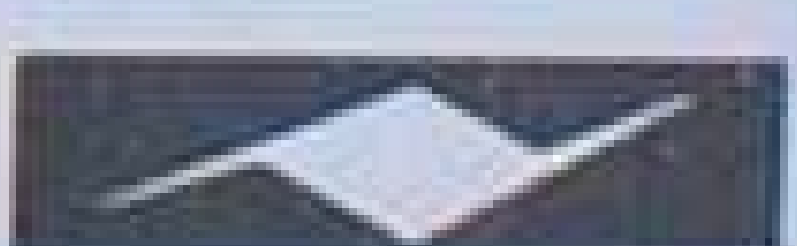
دریا، نالے، تیز بہاؤ، کیسا تیز ہے دھارا،
عشق جہاں پہ موجیں مارے، وہاں بہاؤ نیارا،
جن کو عشق ہے گہرائی سے، سوچ کا ساگر گہرا،
ملا دے ساجن مولا! جس سے من اٹکا ہے۔

(۲)

گھاٹ کنارا بھینسیں اور، یہ لہروں کی یلغار،
سندرتا اس ساجن کی، میرا روپ سنگھار،
جن کے من میں یار، وہ پہنچیں پار اک پل میں۔

(۴)

اور بہت ہیں دریا نالے، آگے تیز ہے دھارا،
گھر میں بیٹھ کے کرتی ہیں سب، سکھیاں پریت کا دعویٰ،
ایک جھلک جو دیکھیں سکھیاں، میرا ساجن پیارا،
چلیں وہ سُوئے دریا، مجھے نہ پھر وہ روکیں۔

(۵)

دیکھی ہے اک بار، جنھوں نے صورت ساجن کی،
پی بن سیج پہ سو نہ پائیں، کھویا صبر و قرار،
چلیں وہ سب منجدھار، گھڑوں بنا ہی سکھیاں۔

(۶)

میری طرح جب تم بھی دیکھو، سکھیو! ساجن یار،
پی سنگ سکھ سے سو نہ پاؤ، پی کو بھی دو وار،
جاؤ دریا پار، مجھ سے پہلے گھڑے اٹھا کر۔

(۷)

جو کچھ دیکھا میں نے، سکھیوں نے جو دیکھا،
گھر، بر، وار دیا، چین سے بیٹھ نہ پائیں۔

(۸)

گھڑے اُٹھا کر گھاٹ پہ آئیں، چلی ہیں سب اُس پار،
ہر اک کہے کہ سوہنی ہوں میں، پاؤں گی میہار،
ڈوبے گی ہر نار، کل کو گہرے دریا میں۔

(۹)

گھاٹ کنارے کھڑی ہیں سکھیاں، ساجن نام پکاریں،
کچھ کو اپنی جان ہے پیاری، اور کچھ خود کو واریں
ساجن وہ ہی پائیں، جو کود پڑیں دریا میں۔

(۱۰)

پنچھی آن چھپے پیڑوں میں، سورج ڈوبا، شام،
گونجی جب آذان، چلی وہ، لے کر پی کا نام،
ڈھونڈے وہ ہر گام، سکھیو اپنے ساجن کو۔

(۱۱)

اُتر گئی جب دریا میں وہ، لے کر ساتھ گھڑا،
جان کروں قربان پیا پر، عشق کا یہ دعویٰ،
لب پر ایک دعا، کہ رات کو وصل ہو پی کا۔

(۱۲)

گھڑا اٹھا کر چلی ملن کو، ہوگئی دریا واصل،
واما من خاف مقام ربہ، آساں ہے اب منزل،
جن کے من میں پریت بسی ہو، ان کو کیسی مشکل،
پریتم خود جائے مل، رات کو وصل ہو پی کا۔

(۱۳)

عزم ہے دل میں گھڑا اُٹھائے، چلی وہ دریا پار،
تن اس کا ڈولے لہروں میں، من ہے پاس میہار،

پریت کا ہے منجدھار، میں ڈولوں پریت بھنور میں۔

(۱۴)

سنگ گھڑے کے تیر رہی تھی، شل ہو گئی تھیں بانہیں،
ڈوبتے بیچ بھنور میں دی تھیں، پریتم کو آوازیں،
نہنگ یہ بپھری موجیں، تو ہی بچا اب ساجن!

(۱۵)

گھڑا لیے وہ چلی ملن کو، لے کر رب کا نام،
مچھلیوں کے منہ میں ہے اب، اِس کا جسم تمام،
بکھرے بال اور ٹوٹے گہنے، بھنور بھنور کا دام،
منہ مارا تھا مچھلی نے اور، کاٹ لیا تھا چام،
پریت کا یہ انجام، کہ وہ تھی نہنگ کے منہ میں۔

(۱۶)

اسی گھڑے پہ تیر کے میں تو، پہنچی تھی اِس پار،
کیسے اِس کو ہاتھ سے چھوڑوں، اِس پر جان نثار۔

(۱۷)

گھڑا رہے نہ باقی، رہے نہ ہار سنگھار،
طالب المولیٰ مذکر، اِس کی لی ہے سہار،
پریتم ہے مہیار، جھوٹا ڈم کا ناتہ۔

(۱۸)

گھڑا رہے نہ باقی، ٹوٹا ہر اک زیور،
طالب المولی مذکر، اب کیا خوف و خطر،
من میں تو ہے میہر، کیسے لوٹ کے آؤں۔

(۱۹)

گھڑا رہے نہ باقی، بنا جو ایک رکاوٹ،
رگ ریشے میں مچل رہی ہے، اِس میہار کی چاہت،
بس میہار کی قربت، اور ثواب نہ مانگوں۔

(۲۰)

گھڑا رہے نہ باقی، پھر بھی تیر اے دل!
نین کو رکھ بس میں، مت ہو پل بھر غافل،
لہر لہر ہے ساحل، پی نے راہ دکھائی۔

(۲۱)

گھڑا رہے نہ باقی جب تو، سوہنی ہو نہ نراس،
لاتقنطوا من رحمت الله، اِس کی ہی بس آس،
من میں ملن کی پیاس، تو دیکھے گی میہار۔

(۲۲)

گھڑا رہا نہ سوہنی باقی، ہوگئے ختم وسیلے،
جان رہی نہ جسم میں باقی، اور رہے نہ حیلے،
ہار سنگھار رسیلے، بھولی اب وحدت میں۔

(۲۳)

گھڑا رہا نہ سوہنی باقی، ختم ہوئے اسباب،
تب ہی زیرِ آب، سنی صدائیں ساجن کی۔

(۲۴)

ڈوبی سنگ سہاروں کے جب، پہنچی بیچ بھنور،
آیا پوچھنے سوہنی کو، بھنور میں تب میہر۔

(۲۵)

تج دے خودداری کو، بھول جا اور سہارے،
جا پریتم کے دوارے، بسا کے دل میں پریت۔

(۲۶)

تج دے خودداری کو، بھول جا اور سہارے،
پریت ہی پہنچائے گی، تجھ کو پاس کنارے،
من میں پیت اُجیارے، تو پہنچے گی تب پار۔

(۲۷)

تج دے خودداری کو، جا اب بِنا سہارے،
چل تو بیچ بھنور میں، من میں پریت بسا لے،
جا تو پاس پیا کے، سجا کے من میں پریت۔

(۲۸)

تج دے خودداری کو، لے نہ اور سہار،
وہ پائیں میہار، جن کا رہبر عشق بنے۔

(۲۹)

بنا سہارے چل اب سوہنی، خودداری کو چھوڑ،
کچے گھڑے کو توڑ، پریت کا لے تو سہارا۔

(۳۰)

عشق سے بڑھ کر کوئی نہیں ہے، جگ میں اور سہار،
جن کی جھوٹی پریت ہے سجنی!، کھڑی ہیں وہ اِس پار،
دریا کو جو نالا سمجھیں، گھڑا ہو کیوں درکار،
سچی پریت ہی پہنچاتی ہے، دریا کے اُس پار،
من میں ہو میہار، تو بھنور، لہر بھی روک نہ پائے۔

(۳۱)

یاد جنہیں میہار ہے اُن کو، یاد کرے میہار،
گھڑا بھی جانیں بار، جن کا عشق اٹل ہے۔

(۳۲)

جن کا عشق اٹل ہے وہ تو، گھڑے بنا ہی تیریں،
وہ لہروں پہ کھیلیں، جن کے من میں پریت بسی ہو۔

(۳۳)

بجرہ کیوں وہ مانگیں جن کے، من میں پریت اتھاہ،
کیوں پوچھیں ملاح، بن مانجھی وہ چلیں پیا کو۔

(۳۴)

سوہنی ساھڑ ایک ہے، خود ساحل خود دریا،

بوجھ لے بھید یہ سارا، بھید میں بھید چھپا ہے۔

وائی

دے تو کوئی جواب، دور ہوں کیوں ساجن سے،
پاپ سے اپنا آپ بچالے، پھر کیا طلب ثواب،
نہ وہ زہد ہے نہ وہ تقویٰ، نہ ہی رنگ رباب،
لب پہ مہر ہو خاموشی کی، پلٹ کے دے نہ جواب،
پاپ پوترتا ہو جائے، کرے جو مہر جناب،
خاک کے آگے ہیچ ہیں سارے، اطلس اور کمخواب،
جل میں جھلمل دمک رہے ہیں، جیون کے یہ حباب،
چل ہادی کے سنگ اے سائیں، کھلے کرم کا باب،
من کے چور پہ ایسے جھپٹ تو، جیسے یار! عقاب،
کھول دے دل کے دروازے اب، کر نہ پی سے حجاب،
جوں ادغام ہو اعرابوں کا، یوں ہو میل جناب،
لب پہ مہر ہو دل میں اگنی، جل کر دل ہو کباب،
ملے گی اِس کو مئے طہورا، مانگے جو مئے ناب،
ایسا روگ لگا برہن کو، پل پل ہے بے تاب۔

دوسری داستان

①

قہری لہریں، شور، طلاطم، نہنگ جہاں گرداب،
کود پڑی دریا میں سوہنی، چڑھی تھی موجِ آب،
دریا تھا پایاب، مہر ہوئی جب پی کی۔

②

بپھری لہریں، بھنور، طلاطم، دریا ہیبت ناک،
کود گئی دریا میں سوہنی، ذرا نہیں تھی باک،
دریا دہشت ناک، کر گئی مہر سے پار۔

③

دہشت تھی اک دریا میں، موجوں کا شور بپا،
ساتھ گھڑا تھا مٹی کا، وہ کیا ثابت رہتا،
ساجن ہی محرم تھا، جو پہنچائے گا پار۔

④

دریا دہشت ناک بھنور، لہروں میں "سیسار"
کیسے کیسے نہنگ چھپے تھے، ہیبت ناک ہزار،
تجھ بن ساجن کون سہارا، میں ہوں نربل نار،
تو ہی اے ستار، پہنچا پار بھنور سے۔

(۵)

دریا دہشت ناک طلاطم، بھنور ہیں ہیبت ناک،
پیڑ اُکھڑ کر ایسے تیریں، تیریں جوں خاشاک،
دیکھ کے دہشت دریا کی، کانپ اُٹھیں پیراک،
لہریں ہیں سفاک، تو ہی پہنچا پار اے سائیں!

(۶)

دریا دہشت ناک طاطم، بھنور بھنور کا شور،
جھپٹ رہے ہیں نہنگ اے سائیں!، لہروں کا ہے زور،
اب تو مہر سے آجا ساجن!، مجھ برہن کی اور،
اندھیارا گھنگھور، تو ہی تھام لے ہاتھ۔

(۷)

دہشت کیسی دریا میں ہے، لہر بھنور کا شور،
ساجن! میں تو سہہ نہ پاؤں، ان لہروں کا زور،
میں برہن کمزور، تو ہی سن فریاد اے سائیں!

(۸)

کیسی دہشت دریا میں ہے، موجیں پیچاں باہم،
تیرے حضور کا دھڑکا سائیں!، لگا ہے دل کو پیہم،
شاید میری پریت سے ہی اب، طوفاں جائیں گے تھم،
پار لگا دے پریتم، تو بس اپنی ہی مہر سے۔

(۹)

دریا دہشت ناک بھنور، موجوں کی طغیانی،
ڈوب گئے صحرا اور جنگل، لہریں ہیں طوفانی،
پھسلن گہرا پانی، یہاں سے پار لگا دے۔

(۱۰)

دریا دہشت ناک بھنور، لہروں کی یلغار،
کاش! وہ ساجن سن پائے اب، میری چیخ و پکار،
مہر کرے میہار، تو لہر لڑے نہ مجھ سے۔

(۱۱)

کیسی دہشت ہے دریا میں، نہنگ کریں یلغار،
ناپ سکیں نہ گہرائی جو، مانجھی ہیں ہشیار،
ایسے ہیں گھڑیال چھپے جو، کر دیتے ہیں وار،
نام و نشاں تک کھو بیٹھے ہیں، بیڑے پائیدار،
وہ پھر لوٹ کے کب آئے جو، گئے ہیں اس منجدھار،
ان کو پہنچا پار، جو تیر نہ پائیں سائیں!

(۱۲)

شور، تلاطم، طغیانی اور، لہروں کی یلغار،
جن کے سنگ تھے مشکیزے وہ، پہنچ نہ پائے پار،
پار کیا منجدھار، جو سچے تھے پیراک۔

وائی

اپنے سچے ساجن کو ہی، رہبر میں جانوں،
وہ یار کی راہ دکھائے!
تو ہو سنگ تو بیچ بھنور بھی، ساحل ہی سمجھوں،
تیرے وصل کی آس میں سائیں!، جیون بھی تج دوں۔

تیسری داستان

(۱)

بن سوچے منجدھار میں جانا، یہ عشاق کا کام،
کیا کیا طعنے "ڈم" دیتا ہے، مجھ کو صبح و شام،
عقل و شرم تمام، پریت نے ہیں بسرائے۔

(۲)

بن سوچے دریا میں اُتریں، آساں گھاٹ نہ دیکھیں۔
جن کی پریت ہو ساجن سے وہ، کیسے چین سے بیٹھیں،
گھیر لیا ہے وہموں نے اور، بھنور یہ بپھری لہریں،
بھنور بھی آساں سمجھیں، جن کو یاد ہو میہر۔

(۳)

آساں گھاٹ تو وہ ہی ڈھونڈیں، جن کا جھوٹا پیار،
ڈم کے پاس تو جسم ہے لیکن، من ہے پاس میہار،

آساں ہے منجدھار، جن کی پریت ہے ساجن سے۔

(۴)

آساں گھاٹ تو وہی ڈھونڈیں، جن کی پریت ہو خام،
جن کے دل میں پریت بسی ہو، آساں گھاٹ تمام،
منزل ہے اک گام، جب ہو دل میں ہجر کا درد۔

(۵)

کود پڑی دریا میں اب تو، مشکل گھاٹ تھا آساں،
سالم پہنچی دریا میں وہ، ذرا نہیں تھی ترساں،
پی کے عکس سے جھلمل جھلمل، دمک رہے تھے نیناں،
رحمت کا تھا باراں، حق کی تھی وہ طالب۔

(۶)

اِس کو روزِ ازل سے ہی، حق ہی حق تھا پیارا،
مانجھی سنگ نہ ناؤ نہ ہی، کوئی اور سہارا،
تھا نزدیک کنارا، سمجھی تھی منجدھار میں ہے۔

(۷)

اِس کو روزِ ازل سے ہی، عشق ہوا تھا حاصل،
پیار کا ہار گلے میں تھا اور، پیار کے تھی وہ قابل،
پائی تھی وہ منزل، سب کا جہاں سہارا۔

(۸)

سوہنی! اب تو چھوڑ دے، سارا حرص و ہوا،

جھوٹی ہے جو ساجن بن، کرے ہے ناز و ادا،
غیروں میں دن نہ بِتا، کر نہ ایسی بھول۔

⑨

سب میں بس اک سوہنی کو ہی، حاصل تھی تعظیم،
قرب تھا حاصل الف کا اور، بسا تھا من میں میم،
ایسی تھی وہ حلیم، کہ پایا پیار میہار کا۔

⑩

سوہنی پڑھ تو شریعت کا، اچھی طرح سبق،
رکھ ادراک طریقت کا، جان لے سارا حق،
عاشق پڑھیں ورق، ازل سے معرفت کا۔

⑪

جن کو صبر نصیب ہے، اِن کو ہے آرام،
وصلِ یار جو حاصل ہو تو، کریں نہ اس کو عام،
جن کو عشق مدام، وہ تو بنا سہارے تیریں۔

⑫

غیر نہ روک سکے گا جن کے، من میں ملن کی آس،
دیکھ کے دہشت دریا کی، سوہنی تھی نہ نراس،
کالی رینا، چلی ملن کو، من میں ملن کی پیاس،
سردی، رات اوماس!، چلی ہے پریت نبھانے۔

(۱۳)

نہ تو سردی روک سکی اور، نہ ہی باد و باراں،
جس کی کوکھ سے جنم لیا تھا، مسکائی وہ ماں،
پی کو دیکھیں سکھیاں، تو پل بھی رُک نہ پائیں۔

(۱۴)

نہ تو سردی روک سکی نہ، دریا کی دہشت،
کیسے اس کو روک سکے گی، ڈم کی کوئی رکاوٹ،
چاہے پی کی قربت، من میں آگ ہے عشق کی۔

(۱۵)

سردی، پالا، باد و باراں، بپھری موجیں طوفاں،
پیا ملن کی پیاس ہے من میں، کیسے ہو وہ گریزاں،
پی سے ملن کا پیماں، کیسے توڑ سکے گی۔

(۱۶)

ہائے ٹھٹھرتی رات، ہائے! برستا مینہ،
چلو تو دیکھیں سوہنی، کر جانے جو نیہہ،
رات ہو چاہے ڈینہہ، من میں پیاس ملن کی۔

(۱۷)

پیا ملن کو جائیں سکھیاں، جب جب برسے برکھا،
اُتری اُلفت کے دریا میں، سوہنی عشق سراپا،
ظالم ہے یہ دریا، جو مارے پریت کے ماروں کو۔

(۱۸)

بجرے! آج بتاؤں تجھے میں، اپنی پریت کا حال،
سکھ پاتی ہوں دریا میں اور، ساحل گھاٹ وبال،
سرما کو میں ساون جانوں، پیارا ہے پاتال،
دور ہے ماہیوال، میں کیسے بیٹھوں ساحل پر۔

(۱۹)

دریا! آخر دینا ہوگا، اک دن تجھے حساب،
بیت چلے گی رت ساون کی، تھمے گا تب سیلاب،
بھنور یہ موجِ آب، ہو جائیں گے ختم یہ سارے۔

(۲۰)

سوکھ جائے اے دریا!، ختم ہو سب سیلاب،
تجھ میں جنگل اُگ آئے اور، ذرا رہے نہ آب،
پریت سے جو بے تاب، تو نے اُن کو غرق کیا ہے۔

(۲۱)

شور نہ کر اے دریا!، اب نہ کر یلغار،
رنگ چڑھا جو پریتم کا، کیسے دوں وہ اتار،
جاؤں میں پاس میہار، چاہے بھنور ہوں لاکھوں۔

(۲۲)

میرے پاس میہار کا، بجرے! لا پیغام،
تو تو تیرے دریا میں، ہوگئی میں ناکام،

تجھ کو لوں اب تھام، تو پہنچوں پاس پیا کے۔

(۲۳)

جن کے دل میں عشق کی دھونی، عشق سے ہیں سرشار،
کود پڑیں وہ دریا میں، جن کے من میں پیار،
جائیں وہ ہی منجدھار، جن کے من میں میہر ہے۔

وائی

جانے کب سے یار، میں ہوں بیچ بھنور میں،
بیچ بھنور ہے، دور کنارا، تو ہی پار اُتار،
غیروں میں جیون بیتے ہے، بچھڑ گیا ہے یار،
بپھری موجیں، بھنور چنگھاڑیں، لہر لہر منجدھار،
کچا گھڑا اور کالی رینا، چلی ہے وہ اس پار،
تو ہی لے آ اب مشکیزہ، تو ہی پار اُتار،
میں ہوں گھاٹ کنارے کیسے، پہنچوں پاس میہار،
ٹلیوں کی آواز سنوں تو، تڑپ اُٹھے من یار!
لہر لہر ہے طغیانی اور، تیری ہے آدھار،
چیر کے بپھری موجیں میں تو، جاؤں گی پاس میہار،
چلی ہے اب تو پیا ملن کو، نہنگ کریں گے وار۔

چوتھی داستان

①

گونج اُٹھیں جب ٹلیاں، لرزا جسم تمام،
ٹلیوں نے جو پریت جگائی، کروں وہ کیسے عام،
جس سے عشق مدام، وہ دوست دلاسے دیتا ہے۔

②

چاروں اور اب باج رہی ہیں، تیری ٹلیاں یار!
نیند سے میں بیدار ہوئی، سن لی جب جھنکار،
چھینا صبر قرار، چین نہیں پل بھر کا۔

③

ٹلیوں نے یوں پریت جگائی، آئے نہ اب آرام،
دن میں دس دس بار سجن کا، لیتی ہوں میں نام،
ڈالا پریت کا دام، جو جیتے جی نہ ٹوٹے گا۔

④

کالی رات اور سیاہ بھنور، موجوں کی پھنکار،
روک رہی تھی قدموں کو، موجوں کی یلغار،
سوہنی چلی ہے پیا ملن کو، سردی اور اندھکار،
پہنچی جب منجدھار، تو سنی آوازیں ٹلیوں کی۔

⑤

ٹلیوں کی آواز سنی تو، جھوما جسم تمام،

اپنے پی کے درشن کو وہ، ہو گئی بے آرام،
ہو گئی نیند حرام، جب یاد پیا کی آئی۔

(٦)

یادِ یار سے ہی زندہ ہوں اب، کیسا وصل، ملن،
تن من میں اب اُٹھ رہی ہے، تیری پریت سجن،
من جس کا مسکن، اِس کو دور نہ جانوں۔

(٧)

چونک اُٹھی میں سن کر، ٹلیوں کی جھنکار،
جاگا درد فراق کا، درد بنا آزار،
جہاں پہ وہ میہار، میں جاؤں گی اس جا سکھیو!

(٨)

ٹلیوں کی آواز سکھی ری!، گونجی جب اُس پار،
درد نے دل میں کروٹ لی اور، آئی یادِ یار،
اپنے یار کی پریت کی سکھیو!، آئی پھر مہکار،
دیکھوں اب میہار، جاکر پار میں دریا کے۔

(٩)

چونک کے جاگی نندیا سے، گونجی جب جھنکار،
پھر سے تازہ زخم ہوئے جب، آیا یاد میہار،
جاؤں یار کے دوار، مجھ پر اب یہ لازم ہے۔

(١٠)

کس جانب ہیں بھینیں اور یہ، کہاں پہ گونجیں ٹلیاں!
جہاں میہار کی خوشبو آئے، بھینیں جائیں وہاں۔

(١١)

کس جا گونجیں ٹلیاں، کہاں ہے یار میہار؟
کس جا دھونی یار کی، کہاں ہے دوجا پار؟
کس کی خاطر یار!، میں نے غوطے کھائے؟

(١٢)

آن کے سوہنی بھینوں سے، کہے ہے دل کا حال،
دیکھا وہ مہیوال، جس سے میری پریت ہے۔

(١٣)

نیر بہا کر نین سے، کہے ہے دل کا حال،
گھر تو ہے جنجال، کیسے ڈم سنگ جیون بیتے۔

(١٤)

بیٹھی نیر بہائے، وہ بھینوں کے پاس،
میں تو انگ ملوں گی وہ جو، تم کھاؤ گی گھاس،
من میں جاگے آس، جب سن لوں آواز تمہاری۔

(١٥)

وہیں پہ لوٹ کے آئیں بھینیں، جہاں چری تھی گھاس،
اور کہیں وہ جا نہ پائیں، جائیں میہر کے پاس۔

(۱۶)

پیا تھا یار کے ہاتھوں سے، پریت کا ایسا جام،
ایسی ہو گئی متوالی میں، ہو گئی تشنہ کام،
ڈالا پریت کا دام، پریت کا تیر لگا ہے۔

(۱۷)

میں نے اس میہار کے ہاتھوں، پیا تھا پریت کا پیالہ،
من میں جاگی پیاس ملن کی، ہو گیا من متوالا،
پل بھی نہیں گوارا، اب تو بن میہار کے۔

(۱۸)

سدا جیئے میہار، سدا بسے چوپال،
بھینسوں کے اِس مالک کا، بیکا ہو نہ بال،
میرا ہے وہ جمال، پر دیتا ہے سب جگ طعنے۔

(۱۹)

بھینسیں اُس میہار کی، جیئیں اور رہیں سلامت،
بندھی رہیں سب کھونٹوں سے اور، دیکھ کے ہووے راحت،
دیکھ کے جن کی صورت، میں گئی تھی پاس میہار کے۔

(۲۰)

بھینسیں اِس میہار کی، سدا رہیں خوشحال،
ان کی نسل ہو دگنی تگنی، بھرا ہو سب چوپال،
جنگل گونجے ٹلیوں سے، جھن جھن کرتی چال،

رہے وہ ماہیوال، آن کے پاس پڑوس میں۔

(۲۱)

بھر کر پیٹ اب جھولتی آئیں، بھینسیں، دیکھ قطار،
صدا سنی ہے صاحب کی، اب چلنے کو تیار،
ہوگا ساتھ میہار، تو پہنچیں گی سب پار۔

(۲۲)

بھر کر پیٹ وہ تیرتی آئیں، پہنچیں آن کنارے،
مالک کے وہ سہارے، پہنچیں گی سب پار۔

(۲۳)

بھر کر پیٹ وہ تیرتی آئیں، پہنچی ہیں منجدھار،
عہد کیا ہے جو ساجن نے، کرے گا پورا یار،
جائیں گی وہ پار، پار وہ ہی پہنچائے گا۔

(۲۴)

بھر کر پیٹ وہ آئی ہیں، پہنچیں پنگھٹ پاس،
صدا سنینگی صاحب کی تو، بندھے گی من میں آس،
آئے گا اِن کو راس، کل کو پار کنارا۔

وائی

مجھے نہ کوئی روکے، اپنے آپ کو دیکھے، میں ہوں عشق بھنور میں۔
جاؤں گی پاس پیا کے، کوئی مجھے کیوں ٹوکے،

کالی رات اور بیچ بھنور، سوہنی پار چلے،
دیکھ کے دھونی یار کی، میرا من سلگے۔

پانچویں داستان

①

حدِ نظر تک بپھری موجیں، اور کنارا دور،
جہاں پہ لہریں وار کریں وہ، چلی وہاں مجبور،
کانپ اُٹھی جب یاد آئے سب، اپنے پاپ قصور،
ہو تیری مہر حضور!، تو لہر لڑے نہ اِس سے۔

②

حدِ نظر تک بپھری موجیں، اور ہے دور کنارا،
کانپ اُٹھے جب دیکھے کوئی، ہیبت ناک نظارا،
دونوں جگ کے مالک! میرا، تجھ بن کون سہارا،
مہر کرے وہ پیارا، تو لہر لڑے نہ اِس سے۔

③

جن کے من میں پیار ہے اُن کو، دریا کا کیا ڈر،
پار کریں ہر حال میں وہ تو، موجیں اور بھنور،
جاتی ہیں وہ پیا ملن کو، وار کے جان، نڈر،
من میں پریت اگر، تو پار اتارے پریتم۔

④

کود پڑیں جو دریا میں، ہو گئی ان کی جیت،
داخل ہو جا تو دریا میں، گر ہے سچی پریت،
پائے گی پھر وہ میت، جو پار تجھے پہنچائے گا۔

⑤

جن سکھیوں نے نینن میں، سجا لیا میہار،
وہ تو بن مشکیزے کے ہی، پہنچیں دریا پار،
لہریں اور منجدھار، ڈبو سکے نہ اُن کو۔

⑥

رات کو آئے یاد، سکھ میہار کے سارے،
وہ ہی پار گئے ہیں، جو ہیں اُس کے پیارے،
دیکھوں میں نظارے، اپنے یار میہار کے۔

⑦

رات ڈھلی تو سینے سے، نکل گیا یہ دل،
جوشِ عشق میں دریا تیرے، میرا دل بسمل،
دیکھا یار کا محمل، جب بھیگ چلی تھی رات۔

⑧

دل کی لگن جس اور ہے، بہے ادھر کو دھارا،
عشق کا تیز بہاؤ اُدھر کو، روک سکے نہ کنارا،
ملا دے میہر پیارا، کہے لطیف کہ لہروں میں۔

(۹)

روکوں روک نہ پاؤں خود کو، اُمڈ رہا ہے پیار،
چلوں کہ من میں گرج رہا ہے، پریت کا اک منجدھار،
من میں ہو میہار، تو کیوں نہ پار وہ جائیں۔

(۱۰)

حدِ نظر سے دور ہے پریتم، دور نہیں ہے پریت،
بن دریا کے میت، کیسے کوئی پائے۔

(۱۱)

کیا کیجئے کہ اب بھینسوں نے، چھوڑ دیئے ہیں ڈیرے،
پوچھ رہی ہے ہر اک سے وہ، کھڑی ہے آن کنارے،
پریت کی ماری ساحل پر، اب تو کھڑی پکارے،
کارن ہو کچھ پیارے!، تو آن ملوں میں تجھ سے۔

(۱۲)

اب تو ڈم کا خوف نہیں ہے، ذرا بھی اس کو یار!
اُترے کب وہ دریا میں، پیارا ہے سنگھار،
خود ہی وہ میہار، اس کی خاطر تیر کے آیا۔

(۱۳)

روز ہی دے میہار کے مجھ کو، ڈم رہ رہ کے طعنے،
پھیلاتی ہوں دامن تاکہ، جگ کے لوں میں میہنے،
جیتا دل ساجن نے، کہے جو ڈم کہتا ہے۔

(۱۴)

جب سوئے جگ سارا، جاگیں میری اکھیاں،
رات کے سناٹے میں، آئے یاد وہ جاناں،
ہوتی نہیں پشیماں، سن کر جگ کے طعنے۔

(۱۵)

ڈوبی بیچ بھنور میں، جبھی ہوا ہے نام،
کتنے دن وہ جیتی، موت ہی تھا انجام،
مستی چڑھ گئی پریت کی، پی کر عشق کا جام،
کہے لطیف کہ عشقِ یار میں، گھائل جسم تمام،
موت ہی تھا انجام، پر مر کر امر ہوئی ہے۔

(۱۶)

کرتے ہیں سرگوشیاں، رات کو جب گرداب،
یاد آئے تب سکھیو! دریا موجِ آب،
کبھی نہ ہوں سیراب، جن کو پریت کی پیاس ہے۔

(۱۷)

کیسے میلی ہو وہ مچھلی، جس کا مسکن جل،
خشکی میں وہ تڑپ کے مانگے، پانی ہی ہر پل۔

(۱۸)

کیسا ڈم اور کہاں کی سوہنی، کیسا یہ منجدھار،
قسمت کا یہ کھیل تھا ورنہ، کیوں جاتی اُس پار،

رات، بھنور، اندھکار، قسمت کا ہے کھیل سکھی ری!

(۱۹)

مر جاؤں تو کیا پروا، چلوں تو میں اِس پار،
میری خاطر اشک بہائے، شاید میرا یار،
مل جائے میہار، شاید موت کے بعد۔

(۲۰)

لہر لہر ہے لالی، مہک رہا ہے جل،
رنگ و بو کا طوفاں ہے، خوشبو کے بادل،
ڈوب گئی تھی کل، پریت کی ماری سوہنی۔

(۲۱)

جو کچھ دیکھا دریا میں، کہہ دینا سب کل،
بھیگ نہ جائے دامن، موجیں مارے جل،
دھیان میں رکھ سنبل، تو پہنچے گی اُس پار۔

(۲۲)

وہموں نے اب گھیر لیا ہے، جاؤں میں اب کس پار،
گر ساحل پہ رک جاؤں تو، جھوٹا ہو گا پیار،
طعنے دیں گی ساری سکھیاں، جاؤں گی گر منجدھار،
ملن کا ہے اقرار، اور ہے جگ کی رسوائی۔

(۲۳)

یہ دکھڑوں کی گٹھڑی، پی کی ہے سوغات،

مل جائے گر ساجن تو، دور ہوں سب آفات،
غم سے دلا نجات، ملا دے میہر مولا۔

وائی

نینوں کے بل چلیے، چلیے، ری! چلیے،
بات پیا کے بھید کی، ہو محرم تو کہیے،
پریت کی اگنی من میں، چھپ چھپ کر ہی جلیے،
سارے جگ سے چھپا کے، دکھ کے دھن کر رکھیے۔

چھٹی داستان

(۱)

روزِ ازل سے بھی پہلے تھا، پی کا ہار سنگھار،
نہ تو کن فیکون کا عالم، نہ ہی روپ نکھار،
ابھی تو تھے ناپید ملائک، پی سے تھا تب پیار،
تب سے ہی میہار، بسا تھا اس کے من میں۔

(۲)

روزِ ازل سے بھی پہلے تھا، سوہنی کا سنگھار،
نہ تو کن فیکون کا عالم، نہ ہی روپ نکھار،
مُسکا کر میہار، اس نے اپنایا تھا۔

(۳)

جب تھا دن یثاق کا، چلی تھی وہ منجدھار،
الست بربکم قالو بلیٰ، یاد تھا وہ اقرار،
عشق ہی آخر کار، پی کی راہ دکھائے۔

(۴)

سنی تھی سب روحوں نے، جب آوازِ الست،
عہد کیا تھا میہر سے، تب پائی تھی اُلفت،
ڈوبنا تھی قسمت، کیسے ٹل سکتی تھی۔

(۵)

الست کا جب روحوں پر، ہوا تھا یار ظہور،
قالو بلیٰ قلب سے، کہہ کر تھی مسرور،
تب سے ہی میہار کے، عشق میں ہے مجبور،
سکھیو! اب تو ضرور، میں جاؤں گی پاس پیا کے۔

(۶)

روحوں کو جب حکم ملا اور، شور الست ہوا،
تب سے ہی اِس ساجن سے، ہوا تھا عشق میرا،
یہ ہی تھا مقصود بھنور میں، جائے ٹوٹ گھڑا،
عہد کیا پورا، پہنچ کے بیچ بھنور میں۔

(۷)

روحوں سے جب ساجن نے، الست تھا فرمایا،

تب سے اس میہار کا، دل میں عشق سمایا،
گھڑا رہے نہ باقی یہ بھی، حکم وہاں سے آیا،
رب نے تھا جو چاہا، اس کی بھنور میں ہوئی تعمیل۔

(۸)

جب دیا تھا فائق نے، روحوں کو فرمان،
پریت ہوئی میہار سے، سکھیو ری! اس آن،
گھڑا رہا نہ باقی یہ میں، تب ہی گئی تھی جان،
جی سے لیا مان، حکم اپنے ہادی کا۔

(۹)

سنی تھی جب روحوں نے، الست کی یار صدا،
تب سے ہی سوہنی کا، پی سے عشق ہوا،
ہادی نے جو کہا، اس کی بھنور میں ہوئی تعمیل۔

(۱۰)

الست کی جب آواز آئی تھی، کیے تھے جب اقرار،
پی کی اور جو جاتی تھی وہ، دیکھی تھی راہ گذار،
لیکن وحدت کی وادی میں، آئے تھے چند ہی یار،
لہریں لاکھ ہزار، دیکھ کے بھولے دریا کو۔

(۱۱)

سلگ رہی ہوں سکھیو!، تن من ہے بے تاب،
پیتی ہوں اور پھر بھی پیاسی، کون کرے سیراب،

ساگر، سیلِ آب، پیئے نہ پیاس بجھے۔

(۱۳)

کچا گھڑا ہے ساتھ، اور ہے کالی رات،
چاند ہے اور نہ تارے، طوفانی آفات،
یار سے پریت نبھانے وہ تو، آئی گھڑے کے ساتھ،
مانی پی کی بات، ورنہ کون بھنور میں جائے۔

(۱۴)

کچا گھڑا ہے اور کالی رات، سنگ نہیں ہے بجرا،
کیسے دیر لگائے اس کا، پی ہے میہر پیارا،
بھنور بنے ہے کنارا، اُلفت ہو جو من میں۔

(۱۵)

کچا گھڑا ہے ساتھ، برس رہی ہے برکھا،
شیر کی طرح گرجے دریا، کھو جانے کا دھڑکا،
جاں کا دوں اب صدقہ، ٹوٹ نہ جائے پریت۔

(۱۶)

ڈول رہی ہے بیچ بھنور میں، نہ ہی آر نہ پار،
پریتم ہی تو ساحل ہے، باقی سب منجدھار،
اب کیا سوچ بچار، چل اب وہ ہی سہارا ہے۔

(۱۷)

ڈول رہی ہے بیچ بھنور میں، نہ ہی آر نہ پار،

گھڑا پرکھ نہ پائی وہ جو، ٹوٹا آخر کار،
تو ہی پار اُتار، اب تو میرے مولا۔

(۱۸)

کیا کیا تھے پیراک کہ جن کو، دریا نے ہے ڈبویا،
سوہنی نے اپنے آپ میں، دریا کو تھا سمویا،
چیخ رہا ہے دریا، ماتھا آج کناروں سے۔

(۱۹)

لاکھوں دریا شور مچائیں، نبھائے وہ پریت کی ریت،
کیسے دریا روک سکیں گے، جن کے من میں پریت،

(۲۰)

سنگ نہ لے تو سوہنی اپنے، پریتم کا مشکیزہ
کہیں گے کل کو پی تجھ سے کہ، ہم نے پار اُتارا۔

(۲۱)

ڈوب جا لیکن پریتم سے، مت لے تو مشکیزہ،
گر تو چاہے پیا ملن ہو، بھنور کی کر نہ پروا،
جس جا نہیں کنارا، وہاں پہ تیر کے جا تو سوہنی۔

(۲۲)

ساحل کی خواہش میں، جو بھی ڈوب گیا،
اس نے ہی پایا، پی کو دونوں کناروں پر۔

(۲۳)

ساحل کی خواہش میں تو بھی، ڈوب جائے سوہنی!
کاہے کا تو بجرہ ڈھونڈے، بن بجرے چل تجنی!
لہر چڑھی طوفانی، تو ساھڑ سوہنی ایک ہوئے۔

(۲۴)

ساجن ان کا سہارا ہے جو، ڈوبے ساحل پر،
سنگ تجھے لے جائے گا، کرے گی پار بھنور،
جن کا دور سفر، وہ یہیں پہ منزل پائیں۔

(۲۵)

ان کو مت ابیات سمجھ، ہیں آیاتِ قرآن،
دھیان سے گر تو پڑھ لے تو ہو، پریتم کا عرفان۔

وائی

پی نہ اُسے بسرائے، جو ہے پریت کی ماری،
جس کے دل میں درد پیا کا، چین سے بیٹھ نہ پائے،
ماہیوال سے پریت کا ناتہ، غیر کو کیسے بھائے،
ٹلیوں کی آواز نے دیکھو، اس کے ہوش گنوائے،
بن جنگل اور صحرا دریا، صدا اسی کی آئے،
بے کل من میں آس بندھی ہے، آس میں عمر بتائے۔

ساتویں داستان

①

وہ آیا نہ گھاٹ پہ پھر بھی، من ہے ملن کو بے کل،
شور مچا ہے دریا میں اور، من میں ہے ایک ہلچل،
موج چڑھی ہے چاہت کی میں، ملن کو تڑپوں پل پل،
دریا پار کے جنگل میں، میں، دیکھوں نور کی مشعل،
لہروں کی ہے ہلچل، گھڑا یہ ٹوٹ نہ جائے۔

②

تو ہی ڈبوئے، پار اُتارے، تجھ بن کون سہارا،
بیچ بھنور میں مجھ برہن کا، جانے حال تو سارا،
یہ پانی کا دھارا، کچے گھڑے کی لاج تو رکھیو!

③

منڈلاتے تھے پنچھی، تیر رہی تھی لاش،
تجہیز و تکفین کو آئے، پنچھی اڑ کر پاس،
اور بڑھی تب پیاس، جب آئے پاس ملائک۔

④

دیتا ہے ملاحوں کو، میہر آج صدائیں،
آؤ تو ڈالیں جال اب اس کی، لاش کو ڈھونڈ نکالیں،
دریا چھان کے آئیں، تو ملن ہو شاید سوہنی سے۔

(۵)

میہر اب ملاحوں سے، کرتا ہے یہ سوال،
آؤ تو اس کی لاش کو ڈھونڈیں، ڈال دو اپنے جال،
چھان لیں سب پاتال، شاید ملن ہو سوہنی سے۔

(۶)

دیتا ہے ملاحوں کو، میہر آج صدا،
ملاحو! اب لے جاؤ، اپنا مشکیزہ،
ڈوبی جو اس جا، آؤ تو اس کی لاش کو ڈھونڈیں۔

(۸)

بھنور جہاں ہیں قہری اور، ٹوٹ گرے ہے کنارا،
گہرائی کو کیا ناپیں گے، جن کے پاس ہے بجرہ،
ساحل پر ہی لرز رہے ہیں، بغل میں ہے مشکیزہ،
جس جا گھاٹ ہے گہرا، کیوں اُترے وہاں دریا میں۔

(۹)

دریا! پار اُتر جائیں گے، تو دکھلا دے زور،
رب کے نام کا بجرہ لے اور، چل تو پی کی اور،
تیریں گے کمزور، جن پر اس کی رحمت ہے۔

(۱۰)

آتی ہیں آوازیں، آجا اب اِس پار،
دریا کی یہ بپھری موجیں، اور بھنور منجدھار،

جن کو رب کی سہار، وہ کیسے ڈوب سکیں گے۔

(۱۱)

آتی ہیں آوازیں، آجا دیر نہ کر،
کچا گھڑا اور بپھری موجیں، قہری ہیں یہ بھنور،
سچ ہو ساتھ اگر، تو کوئی بھی ڈوب نہ پائے۔

(۱۲)

سوہنی! تو اس ساجن کی، پریت کی لاج نبھانا،
بھول کے سارے اندیشوں کو، دل سے وہم مٹانا،
اپنے دل کے آئینے میں، پی کا روپ سجانا،
راہ اسی پہ چلنا، تو پائے گی پی کا درشن۔

(۱۳)

سوہنی! تو اس ساجن کی، رکھنا پریت کی لاج،
سارے وہم گمانوں کو، مٹا دے دل سے آج،
ملے گا وہ سرتاج، بھولے گر تو غیر کو۔

(۱۴)

وہ ہی ایک سہارا میرا، جس سے پریت ہے میری،
باندھی پریت کی ڈوری، پی نے من نیا کو۔

(۱۵)

دیکھے جھولتے پیڑ تو، آئی تیری یاد،
منوا بہل نہ پایا، ساجن تیرے بعد،

پل پل تیری یاد، باندھ لیا من نیا کو۔

وائی

جی اُٹھے یہ جیئرا، پریتم یاد کریں گر موہے،
سو سو بار میں ڈم کو واروں، ساجن پر اے میا!
ہیرے موتی واروں اس پر، وہ انمول ہے ہیرا،

آٹھویں داستان

(۱)

ساحل کے سرکنڈے کو جب، تھامے ڈوبنے والا،
کہے لطیف کہ سرکنڈا یوں، اپنی لاج ہے رکھتا،
یا تو ڈوبنے والے کو وہ، ساحل پر ہے لاتا،
یا پھر ساتھ ہے چلتا، جڑ سے اُکھڑ کر بیچ بھنور میں۔

(۲)

جب کمزور سے سرکنڈے کو، ڈوبتا تھامنے آئے،
کہے لطیف کہ سرکنڈا یوں، اپنی لاج نبھائے،
چھوٹ جائے گر ہاتھ کسی کا، لرز لرز رہ جائے،
ساحل پر لے آئے، یا پھر ساتھ چلے وہ بھنور میں۔

(۳)

ساحل پر ہیں سرکنڈے اب، ہو جا تو تیار،
ہاتھ تھمادے بس پریتم کو، سب کو من سے بسار،
سن لے آج پکار، سوہنی، لہر بھنور کی۔

(۴)

کہتے ہیں کہ قہری ہے، دریا کا منجدھار،
کہے لطیف کہ کریں گی لہریں، کچے گھڑے پہ وار،
اُن کو پار اُتار، جو تیریں سنگ گھڑے کے۔

(۵)

ہو جا اب تیار، تو ہے پی کی امانت،
لڑپائے نہ لہروں سے وہ، جن میں بڑی تھی ہمت،
روک دیا لہروں نے ان کو، خودداری تھی رکاوٹ،
جس نے دکھائی جرأت وہ ہی پہنچا پار۔

(۶)

لے آئی کمہار سے جاکر، کچا گھڑا وہ نار،
کیا وہ سن نہ پائی تھی، لہروں کی پھنکار،
لاکھوں ڈوبے لہروں میں، نگل گیا اندھکار،
اُن کو پار اُتار، جو کچے گھڑے سے تیریں۔

(۷)

کچے گھڑے کے سنگ چلی، ذرا نہ کی پروا،

اُلجھ رہی تھی لہروں سے اور، من میں تھا وہ پیا،
روک سکے نہ دریا، جن کے من میں پریت بسی ہے۔

(۸)

کچے گھڑے کے سنگ چلی ہے، سامنے ہے منجدھار،
پکا گھڑا نہ پوچھیں جن کو، عشق کی ہے آدھار،
جس کے من میں عشق بسا ہو، کیسے ہو خوددار،
گھاٹ گھاٹ دشوار، جن میں خودداری ہے۔

(۹)

چھوڑا ساتھ گھڑے نے، بری تھی میری قسمت،
بیچ بھنور میں ٹوٹ گیا جب، لہریں بنیں مصیبت،
اپنا آپ تجھے سونپا اب، اے دریا کی وسعت!
مانگوں اِس کی قربت، جو ہے میرا سہارا۔

(۱۰)

گھڑے کے نقش و نگار، دیکھ کے دل للچایا،
تیرتی سنگ گھڑے کے، چلی تھی میں اُس پار،
لہر نے کی یلغار، تو ہوگئی دیر ملن میں۔

(۱۱)

گھڑے کے نقش و نگار، دیکھ کے وہ للچائی،
اب تو نقش مٹے ہیں سارے، لہر اُبھر کر آئی،
من میں تھا بس جوش ملن کا، گھڑا پرکھ نہ پائی،

بیچ بھنور میں آئی، تو مٹ گئے نقش گھڑے کے۔

(۱۲)

کچے گھڑے کی کیا پروا، پی کی رہے نظر،
ڈم کے قرب کو پاپ میں جانوں، پریتم ہے میہر،
طوفاں ہو یا بھنور، میں جاؤں گی پاس سجن کے۔

(۱۳)

کچا گھڑا تھا مٹی کا، وہ ہی آیا کام،
پکا گھڑا تو وہ ہی پوچھیں، جن کو سکھ آرام۔

(۱۴)

جب کمہار نے گھڑے بنائے، بھٹی کی تیار،
آیا میرے حصے میں تب، کچا گھڑا اے یار!

(۱۵)

کب تک دیتا ساتھ، آخر ٹوٹ گیا،
اُلجھی لہر لہر سے، ہوگئے شل اعضاء،
ڈوبی وہ لہروں میں، دریا چڑھ آیا،
آنکھوں سے دیکھا، لہر لہر میں ملک الموت۔

(۱۶)

کب تک دیتا ساتھ، ٹوٹ گیا بے مہر،
بن کر موت اُبھر آئی تھی، دریا کی ہر لہر،
وہ ہی کرے اب مہر، جو حال میرا جانے ہے۔

(۱۷)

کچا گھڑا تو سہہ نہ پایا، لہروں کی ہلچل،
تن تو تھکن سے چور تھا، انگ ہوئے تھے شل،
بھنور نہ جائیں نگل، پہنچ اب بیچ بھنور میں۔

(۱۸)

دیکھے نقش گھڑے کے تو، للچایا تھا من،
لہروں نے وہ شور مچایا، ڈوب چلی برہن،
چلی تھی وہ بن ٹھن، کچا گھڑا لے ڈوبا۔

(۱۹)

پکا گھڑا لے ساتھ، پھر ہو جا تیار،
لوٹا دے تو کمہار کو، کچا گھڑا اے نار،
سن لے بات وہ دھیان سے، کہے جو وہ میہار،

(۲۰)

ورنہ یہ منجدھار، تجھ کو لے ڈوبے گا۔
بدلے یوں حالات کہ ہو گئیں، بانہیں میری شل،
پہلے تاریکی میں جاتی تھی، میں تو پاس سہنل

(۲۱)

شل ہو گئی ہیں بانہیں، جسم ہوا ہے نڈھال،
اُبھری ہیں یوں لہریں ہر سو، لہروں کا ہے جال،
حال سے ہوں بے حال، پہنچ تو بیچ بھنور میں۔

(۲۲)

من تو ہے اب ماندہ، انگ انگ ہے چور،
کر اب مہر منجدھار میں، تو ہی میرے حضور!
میں برہن معذور، پہنچ تو بیچ بھنور میں،

(۲۳)

آجا اب منجدھار میں، چھوٹ گیا ہے کنارا،
تجھ بن کوئی نہیں ہے، بھنور میں اور سہارا
جن کا کوئی نہ چارہ، ان کو میہر پار لگائے۔

(۲۴)

بھنور سے تیری مہر بچائے، اور نہ آئیں کام،
بیچ بھنور میں تو ہی آکر، مجھ برہن کو تھام،
لہر نے ڈالا دام، تو ہی پار لگا دے۔

وائی

پل پل یاد ہے یار، میں جاؤں گی اس پار،
تم سن لو سب اے سکھیو!
جاگ نہ جائے پریت کا بیری، جانا ہو دشوار،
وہاں ملادے پریتم میرا، جہاں ہے دوجا پار،
بن میں باج رہی ہیں ٹلیاں، تن من میں جھنکار،

مجھ برھا کی ماری سے اب، بچھڑ نہ جائے یار،
پریت کے طعنے دیتا ہے یہ، جھوٹا سب سنسار،
بیچ بھنور میں آن پھنسی ہوں، میہر! پار اُتار!

نویں داستان

①

بحر و بر اور ڈالی ڈالی، ایک صدا مستور،
سبھی ہیں لائق سولی کے، سب میں ایک ہی نور،
ہر اک ہے منصور، کس کس کو تو سولی دے گا۔

②

سب میں ایک ہی پریتم ہے، سب میں وہی حضور،
ہر اک ہے منصور، کس کس کو تو سولی دے گا۔

③

ایک ہے آب کی صورت، لہریں لاکھ ہزار،
دیکھ لے ساگر کی گہرائی، چھوڑ دے اور بچار،
جس جا عشق ہی عشق وہاں پر، ہر خواہش بیکار،
گھاٹ کا چھوڑ بچار، تو ملے گا تجھ کو پریتم۔

④

جا کر پاس اس یار کے، پھر نہ لوٹ کے آ،

ساجن کا جو رنگ چڑھا ہے، اور کو مت دکھلا۔

۵

کہے اگر میہار، لوٹ کے جا مت سوہنی!
بیٹھوں پاس اسی کے اور، جیون دوں میں گذار،
کروں نہ ہار سنگھار، میہر ہی سنگھار ہے میرا۔

۶

نہ بھی کہے میہار، پھر بھی لوٹ نہ آؤں،
بیٹھوں پاس اسی کے اور، جیون دوں میں گزار،
ساجن کی ہی صورت نے، چھینا صبر و قرار،
اس ساجن کے وصل بنا تو، سب کچھ ہے بیکار،
جاتی ہوں میں پار، اسی لئے اے سکھیو!

۷

کب ہو گا وصل نصیب، بتلا دے اب پریتم!
میں جانوں وصل قریب، گر وعدہ ہو محشر کا،

۸

کیا معلوم تھا بن جانا ہے، دریا کا نخچیر،
یہ ہی میری قسمت تھی، کرتی کیا تدبیر،
یہ ہی تھی تقدیر، کہ ڈوبوں عشق کے ہاتھوں۔

(۹)

یہ ہی میری قسمت تھی، کس کو دوں الزام،
کیا کوئی تدبیر کرے اور، کیا کوئی آئے کام،
یہ ہی ہوا انجام، یہ ہی تھی تقدیر میری

(۱۰)

دیتی ہیں سب سکھیاں، مجھ کو پل پل طعنے،
حالِ دل تو سن لیتا تو، اے دریا دیوانے۔

(۱۱)

دیتا ہے جگ طعنے پھر بھی، ذرا نہیں پروا،
لے آیا ہے بیچ بھنور میں، دیوانہ دریا،
قسمت کا لکھا، لے آیا ہے لہروں میں۔

(۱۲)

تیروں تو ہے جان کا خطرہ، لوٹ آنا دشوار،
دل میں تڑپ ہے پیا ملن کی، پل کو نہیں قرار،
یاد آئے جب پاپ تو چھایا، آنکھوں میں اندھکار،
پریتم ہے اُس پار، اب کیسے لوٹ کے جاؤں۔

(۱۳)

نہ تو عشق کی حد ہے کوئی، نہ ہی درد کا ساحل،
عشق ہی عشق کی منزل، پاتا ہے اے سوہنی۔

(۱۴)

بن سرتاپا عشق، جا تو پی کے قریب،
پالے اب وہ حبیب، جس کا انت نہ ہی آغاز۔

(۱۵)

جوں جوں تیروں دریامیں، توں توں بڑھے ہے پیار،
تو ہی جوت ہے نین کی، تو ہی صبر و قرار،
تجھ کو دریا پار، تکتے جگ بیتے ہیں۔

(۱۶)

کاٹ کے رکھ دیتی ہے، تیری پریت اے ساجن!
باندھا ایسا ایندھن، کہ جکڑ گئے ہیں انگ۔

(۱۷)

پریت کا کوئی انت نہیں ہے، تڑپوں میں پل پل،
جسم جلے ہے کھورے میں اور، پریت رہی اُبل،
انگ انگ ہے گھائل، درد دیا ہے کیسا؟

(۱۸)

پریت کا کوئی انت نہیں ہے، اُبل رہی ہے پریت،
تیری پریت میں میت!، ڈوبے دل کے کنارے۔

(۱۹)

تیر رہی ہوں پار لگا دے، نربل کو دے ہمت،
بھنور بنے نہ رکاوٹ، تنہا تیر رہی ہوں۔

(۲۰)

جس کا درد ہے دل میں، ملے وہ بچھڑا دلبر،
دونوں جگ میں اور نہیں ہے، تجھ جیسا زورآور،
تن میں جس کی طلب ہے سکھیو! مہر کرے وہ دلاور
کاگا انگنا آکر، کب ملن بدھائی دے گا۔

(۲۱)

بن دیکھے دن بیتے، کیسا ہے اب میت!
چھلک رہی ہے پریت، اب تو ان نینن میں۔

(۲۲)

بن دیکھے دن بیتے، کیسے ہیں اب ساجن!
ٹوٹ رہا ہے تن من، درد کی بیلیں لپٹیں۔

(۲۳)

بن دیکھے دن بیتے، کیا ہے اس کا حال،
جانے کتنے سورج اُبھرے، بیتے ماہ و سال،
جس کا حسن جمال، بن دیکھے اک پل نہ بیتے۔

(۲۴)

اپنے اس ساجن بن، اور سے اب کیا کام،
شام سے ہی اس پی کے کارن، سجاؤں جسم تمام،
دیکھوں وہ گلفام، کسی طور پر اے سکھیو۔

وائی

سنبھل کے پاؤں رکھنا، گھاٹ میں پانی گہرا،
ندی چڑھی ہے، گھاٹ پھلسواں، بچ بچ کے پگ دھرنا
نیند کے مارے نیناں ہوں تو، راہ میں ٹھوکر کھانا،
قہری لہریں، بھنور چنگھاڑیں، ملاحوں کا کہنا،
جو بھی جائے پریتم پائے، چین سے بیٹھ نہ بہنا!
توڑ کے جگ کے رشتے ناتے، پریت کی ریت نبھانا،
دیکھ بھال کے گھڑا اٹھالے، تجھ کو پار ہے جانا،
پاس پیا کے جانا ہوگا، اور سے یہ مت کہنا،
توڑ دے جھوٹے بندھن اک دن، وہاں پہ ہوگا جانا،
صدا تو سن لے ساجن کی، دریا سے مت ڈرنا،
پریت اگر ہو من میں پھر کیا، مشکل پار اُترنا،
ڈوب بھی جائے پھر بھی پی کا، دامن تھامے رکھنا،
پریتم پاس بلائیں گے جب، سج دھج کے تب جانا۔

متفرق ابیات

(۱)

سوہنی، اس ساجن بن، میلا تیرا سراپا،
کرے گا وہ ہی اجلا، تجھ کو دھو کر سوہنی!

(۲)

سوہنی، اس ساجن بن، ساری ہے ناپاک،
تجھ کو دھو کر اجلا کردے، جا اس کے اوطاق،
کریں گے تجھ کو پاک، پئیں جو اُجلا دودھ۔

(۳)

سوہنی! اس ساجن بن، میلا تیرا تن،
دریا کی ان لہروں سے کب، دھلے گا یہ تن من،
پاس ہو جب ساجن، تو دُھل کر اجلی ہو جائے۔

(۴)

سوہنی! اس ساھڑ بن، بدصورت، بدحال،
ایسا روگ لگا ہے، جیون ہے جنجال،
دیکھ کے حسن و جمال، بھرتی ہے اب آہیں۔

(۵)

اپنے اس ساجن بن، جیون ہے آزار،
روگ تھی ڈم کی قربت، صحت بس میہار،

اس کے روگ کا درماں، پریتم کا دیدار،
دیکھے گی میہار، تو پائے گی صحت سوہنی!

(۶)

مت جا تو دریا پر، دریا میں ہے بھنور،
کیا تجھ کو دریا سے، ہیبت ناک ہے منظر،
ڈم وہ تیرا شوہر، پوچھ نہ لے سکھیوں سے۔

(۷)

پوچھ لیا گر سکھیوں سے تو، مجھے کرے گا کیا،
وہ ہی اس منجدھار میں جائیں، جن کے من میں پیا،
میں نے وار دیا، سب کچھ اپنے میہر پر۔

(۸)

ڈم کو میری پریت نہ بھائے، ہوتا ہے ناراض،
پریتم آکے سمجھا اس کو، اپنی پریت کا راز،

(۹)

جب تک جسم میں جان تھی، چین سے بیٹھ نہ پائی،
پی کی تھی سودائی، ڈوبی بیچ بھنور میں۔

(۱۰)

جب تک جسم میں جان تھی، چین سے بیٹھ نہ پائی،
ڈوبی وہ منجدھار میں، پریت کی ریت نبھائی۔

(۱۱)

بجھ جائے اب چاند کی مشعل، سدا ہو رات اوماس،
دیکھوں کچھ نہ پی بن سکھیو! من میں ہے یہ آس۔

(۱۲)

کیوں تو رات کی تاریکی میں، پیا ملن کو جائے،
جا تو دن کے اُجیارے میں، من میں پریت بسائے،

(۱۳)

کون ڈبوتا سوہنی کو، ڈبو گیا دریا،
نین میں بس عکس پیا کا، تھا جھلمل کرتا۔

(۱۴)

ساجن تھا ساحل پر، آیا تھامنے ہاتھ،
کب تک دیتا ساتھ، کچا گھڑا منجدھار میں۔

(۱۵)

جتنے ریت کے ذرّے ہیں اور، برکھا کی بوندیں،
مجھ پر تیرے احسان سائیں، اس سے بھی زیادہ ہیں۔

(۱۶)

میکے اور سسرال میں، کہاں تھے یہ سکھ جاناں!
کیا کیا کیے ہیں احساں، تو نے اپنا کر اے سائیں!

وائی۔ ۱

کہاں ہے، میرا یار، کھنچے ہے من اس پار، نینن پریت لگائی،
وہ جو سارے جگ کا داتا، اسی کی ہے آدھار،
دھونی یار میہار کی جیسے، دیپ جلے اس پار،
تیری دید کو ترسیں نیناں، روؤں زار و زار،
تیرا دامن تھام لیا ہے، محشر تک اے یار،
میرا پیر ہے حضرت میراں، سب کی ہے آدھار۔

وائی۔ ۲

در پر دی ہے صدا، اور دوار نہ جانوں،
سب پر تیری نوازش سائیں! سب پر تیری سخا،
سارے اپاہج دوار پہ آئیں، سب کا تو داتا،

وائی۔ ۳

میرا من بے بس، تیری دید کو تڑپے ترسے،
تن سنگھار کو ترس رہا ہے، چلے نہ میرا بس،
یار میہار کی بات بنا ہیں، سب باتیں بے رس،
تو ہی آکر درد مٹادے، تو ہی بندھا ڈھارس،
سکھ نہ مانگوں دکھ ہی دے جا، عجب ہے دکھ میں رس۔

وائی۔ ۴

پریت سمجھ نہ پائی، پریت کو سمجھی کھیل،
آنکھوں میں تھا اندھیارا، یار کو دیکھ نہ پائی،
کیسے اس کو یاد رہے گی، اُس کی یاد بھلائی،
یار سے توڑ کے پریت کا ناتہ، غیر کی ہے شیدائی،

وائی۔ ۵

رینا بیتی جائے، بن دیکھے ساجن کو،
اتنے پاس تھے ساجن تیرے، تجھ پہ نیند کے سائے،

وائی۔ ٦

آس میری بر آئی، ساری ہوئیں مرادیں پوری،
کہاں ہے اور کسی میں، اس جیسی رعنائی،
بات بات سے کھل اٹھے ہے، تیرا ہر شیدائی،
اس دوار پہ بیٹھ تو جاکر، اس کی کر تو بڑائی،
حمد کروں میں اس کی لیکن، اس کو سوجھ نہ پائی،
اتنے اس کے احساں ہیں کہ، رحمت ہے برسائی،
تو ہی وہ کچھ کر بابا جو، میں تو کر نہ پائی،
جس کو تو بس چھو بھی لے وہ، ہو جائے شیدائی،

اسکے تن میں پیاس ہے جو بھی، تجھ کو دیکھ کے آئی،
تیرے ملن کو تڑپے جیڑا، آنکھ میری بھر آئی۔

سسئی پنوں

کسی زمانے میں بھانبر نام کی ایک نہر کے کنارے ایک برہمن رہتا تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی وہ چاہتا تھا کہ اس کے گھر میں بھی کوئی چھوٹا سا بچہ کھیلتا نظر آئے لیکن اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی، آخر خدا نے اس کی خواہش پوری کی اور اس کے گھر میں چاند سی بچی پیدا ہوئی۔ اس نے بچی کی پیدائش پر بڑی خوشی منائی لیکن اس کی خوشی جلد ہی غم میں بدل گئی۔ ایک نجومی نے اس کی بچی کو دیکھ کر بتایا کہ یہ بچی بڑی ہو کر کسی مسلمان سے بیاہی جائے گی پہلے تو برہمن نے سوچا کہ اس بچی کو جان سے مار دے۔ جس کی قسمت میں ایک مسلمان کی بیوی بننا لکھا تھا لیکن پھر اسے اس پر ترس آیا اور اس نے بچی کو مارنے کے بجائے صندوق میں رکھا اور صندوق کو دریا میں ڈال دیا۔ صندوق تیرتا ہوا بھنبھور شہر کے گھاٹ پر پہنچا۔ بھنبھور شہر میں محمد نام کا ایک دھوبی رہتا تھا جسے لالہ بھی کہتے تھے۔ لالہ دھوبی اتنا خوشحال تھا کہ اس نے پانچ سو دھوبی ملازم رکھے ہوئے تھے۔ لالہ دھوبی کے پاس دولت تھی، عزت تھی لیکن اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ ایک دن وہ گھاٹ پر اپنے ملازم دھوبیوں کا کام دیکھ رہا تھا اسے دور سے ایک صندوق تیرتا نظر آیا۔ لالہ دھوبی نے وہ صندوق نکالا اور اسے کھولا تو اس میں اسے ایک پیاری اور خوبصورت بچی نظر آئی جو آرام سے سو رہی تھی۔ لالہ دھوبی نے بچی کو گود میں لیا اور اپنی بیوی کے پاس لے آیا۔ اس کی بیوی نے اس بچی کو گود لیا اور دونوں میاں بیوی اسے اپنی بیٹی کی طرح لاڈ اور پیار سے پالنے لگے

اور اس کا نام سسئی رکھا۔

وقت گزرتا گیا، بیٹی جوان ہوئی، لالہ دھوبی نے دریا کے کنارے ایک محل بنوایا، محل میں بہت بڑا باغ لگوایا سسئی اس محل میں رہنے لگی اور سارا دن اپنی سہیلیوں کے ساتھ محل و باغ میں کھیلتی رہتی۔ اس زمانے میں کیچ اور مکران سے تجارتی قافلے ٹھٹھہ اور دوسری تجارتی منڈیوں کی طرف جاتے ہوئے بھنبھور میں پڑاؤ ڈالتے تھے۔ تجارتی قافلے والوں نے سسئی کے حسن کی تعریف سنی اور اس طرح سسئی کے حسن کا شہرہ کیچ اور مکران تک جا پہنچا۔ مکران کے حاکم آری کے بیٹے پنوں نے سسئی کے حسن کی تعریف سنی تو اس کے دل میں سودا سمایا کہ وہ کسی طرح سسئی کو دیکھے۔ اس نے اپنے دوستوں سے مشورہ کیا۔ تاجر کا بھیس بدلہ اور مشک و عنبر کے ایک قافلے کے ساتھ بھنبھور پہنچا۔ اس کے قافلے کے آتے ہی سارا شہر مشک و عنبر کی خوشبوؤں سے مہکنے لگا۔ مشک و عنبر کی خرید و فروخت ہونے لگی اور سارے شہر میں مکران کے اس تاجر کی دھوم مچ گئی۔ سسئی نے بھی اس تاجر کی دھوم سنی اور سہیلیوں سے اس تاجر کے متعلق پوچھا۔ سہیلیوں نے اس تاجر کے حسن و جوانی کی اتنی تعریفیں کیں کہ سسئی کے دل میں اس تاجر کو دیکھنے کی خواہش جاگ اُٹھی۔ دوسرے دن وہ بن سنور کر اس نو وارد تاجر سے مشک و عنبر خریدنے گئی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا حسن و عشق کا آمنا سامنا ہوا دونوں ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہوئے۔ سسئی گھر لوٹ کر آئی لیکن وہ اپنا سکھ چین تو وہیں لٹا آئی تھی، اٹھتے بیٹھتے اسے اسی تاجر کی یاد ستانے لگی۔ آخر اس نے اپنی ایک سہیلی کو دل کا حال بتایا اور اس کی منتیں کی کہ کسی طرح وہ اس کے باپ سے اس کی اور پنوں کی شادی کی بات کرے۔ سہیلی نے لالہ سے بات کی، لالہ کو اعتراض نہ تھا لیکن پنوں پردیسی تھا اور اس کی ذات پات کا کچھ پتہ نہ تھا برادری والے کیا کہیں گے کہ لالہ نے اپنی بیٹی کا رشتہ غیر قوم میں کر دیا! سہیلی نے ایک دم بات بنا کر کہا کہ پنوں غیر قوم کا تھوڑی ہے وہ تو ذات کا دھوبی ہے اگر یقین نہ آئے تو آزما کر دیکھ لیں۔ لالہ دھوبی نے اسی وقت پنوں کو بلوایا اور اسے کچھ کپڑے دیے کہ انہیں دھولائے، پنوں کپڑے لے کر گھاٹ پر پہنچا اور کپڑے دھونے لگا، پنوں تو شہزادہ تھا اس نے تو کبھی میلے کپڑے کو ہاتھ تک نہ لگایا تھا، کپڑے دھوتے دھوتے اس کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے

اور نا تجربہ کاری کی وجہ سے بہت سارے کپڑے پھٹ گئے، سسئی کو معلوم ہوا تو اس نے پنوں کو کہلوا بھیجا کہ ایک ایک کپڑے میں وہ سونے کی مہر رکھ دے تاکہ اپنے پھٹے ہوئے کپڑوں کی اتنی بڑی قیمت دیکھ کر کوئی کچھ نہ کہے، پنوں نے ایسا ہی کیا اور کسی نے کوئی شکایت نہ کی لالہ کو جب معلوم ہوا کہ پنوں نے کپڑے دھو کر مالکوں تک پہنچا دیئے ہیں تو اسے یقین ہو گیا کہ پنوں بھی اس کی اپنی ذات کا ہے لہٰذا وہ اپنی بیٹی کو پنوں کے ساتھ بیاہنے کے لیے راضی ہو گیا، سسئی اور پنوں کی شادی ہو گئی شادی کے بعد پنوں نے بھنبھور میں سکونت اختیار کی اور دونوں ہنسی خوشی زندگی گزارنے لگے پنوں کا چھوٹا بھائی چنرو بھی پنوں کے ساتھ آیا ہوا تھا وہ اپنے بڑے بھائی اور کیچ مکران کے شہزادے کو دھوبیوں کے ساتھ کپڑے دھوتے دیکھتا تو دل ہی دل میں کڑھتا۔ اس نے کئی بار پنوں کو واپس چلنے کو کہا لیکن پنوں نہ مانا چنرو اکیلا ہی مکران واپس لوٹ گیا اور اپنے باپ آری جام کو سارا ماجرا سنایا۔ آری جام کو یقین نہ آیا کہ اس کا بیٹا دھوبن سے شادی کر سکتا ہے اور دھوبی بن کر کپڑے دھو سکتا ہے۔ آری جام نے قاصد بھیجا، قاصد نے واپس آکر بتایا کہ واقعی پنوں نے ایک دھوبن سے شادی کر لی ہے اور خود بھی دھوبی بن گیا ہے۔ قاصد کی بات سن کر آری جام کو بہت صدمہ ہوا اور وہ اس صدمے سے بیمار رہنے لگا آری جام کو بیمار دیکھ کر اس کے بیٹوں نے اسے یقین دلایا کہ وہ کسی نہ کسی طرح پنوں کو واپس لے آئیں گے، تینوں نے تیز رفتار اونٹ لیے اور بھنبھور کی طرف چل دیئے، وہ بھنبھور پہنچے تو پنوں نے اپنے بھائیوں کو گلے لگایا۔ سسئی اپنے دیوروں کی خدمت کرنے لگی، کئی دن ان کی آمد کی خوشی میں دعوتیں ہوتی رہیں۔ پنوں آدھی رات تک بھائیوں کے ساتھ محفل جماتا اور سسئی پنوں کا انتظار کرتی رہتی، ایک رات سسئی کی آنکھ لگ گئی پنوں کے بھائیوں نے نشہ آور دوائی پنوں کو پلائی پنوں پر غنودگی طاری ہونے لگی بھائیوں نے اس موقع کو غنیمت جانا اور پنوں کو بے ہوشی کے عالم میں اُونٹ پر بٹھا کر مکران چل دیئے۔

صبح جب سسئی کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ پنوں کا بستر خالی ہے۔ وہ مہمان خانے میں گئی وہاں بھی کوئی نہ تھا اس نے باہر جا کر دیکھا تو وہاں اُونٹ بھی نہ تھے تب وہ سمجھ گئی کہ پنوں کے بھائی پنوں کو اپنے ساتھ لے گئے ہیں۔ اب وہ اپنے پنوں کے لیے رونے لگی، سہیلیوں نے

سمجھایا، ماں باپ نے دلاسہ دیا لیکن سسئی کے لیے پنوں کے بغیر بھنبھور میں رہنا نا ممکن ہو گیا۔
اس نے اسی وقت رختِ سفر باندھا اور پنوں کی تلاش میں نکل پڑی جنگل اور بیابان عبور کرتی وہ
پب کی وادی میں پہنچی بھوک پیاس اور تھکاوٹ سے وہ اس قدر نڈھال ہو چکی تھی کہ اس سے
ایک قدم بھی اٹھایا نہ جاتا تھا لیکن پھر بھی وہ پنوں کی تلاش میں آگے بڑھتی رہی، راستے میں اس
نے چرواہے کی جھونپڑی دیکھی۔ اس نے چرواہے سے پنوں کا پتہ پوچھا چرواہے نے ویران جگہ
پر ایسی حسین لڑکی دیکھی تو اسے اپنی ہوس کا شکار بنانا چاہا، سسئی کا کوئی یار و مددگار نہ تھا جو اسے
اس ویرانے میں چرواہے کی ہوس سے بچاتا، اس نے خدا سے دعا مانگی اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ
زمین شق ہو گئی اور سسئی اس میں سما گئی، اس کے دوپٹے کا پلو نشانی کے طور پر باہر رہ گیا۔ ادھر
پنوں کی جب آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو اونٹ سے جکڑا ہوا پایا اس نے خود کو چھڑانے کی
بڑی کوشش کی لیکن ناکام ہوا اس نے بھائیوں کی منت سماجت کی لیکن اس کے بھائی نہ مانے اور
اسے کیچ مکران اپنے باپ کے پاس لے گئے۔ آری جام نے پنوں کو دیکھا تو بہت خوش ہوا لیکن
پنوں کی خوشیاں تو بھنبھور میں رہ گئی تھیں۔ وہ بہت اداس رہنے لگا اور کھانا پینا بھی ترک کر دیا اور
ہر وقت سسئی کو یاد کرتا رہتا۔ آری جام سے اپنے بیٹے کی یہ حالت دیکھی نہ گئی اس نے بیٹے کو
اجازت دے دی کہ وہ بھنبھور جائے اور سسئی کو لے آئے، وہ تیز رفتار اونٹ پر سوار ہوا اور
بھنبھور کی طرف چل دیا، سسئی کی قبر کے پاس پہنچا تو کسی غیبی آواز نے اسے روک دیا، وہ اونٹ
سے اُترا تو اس کی نظر سسئی کے دوپٹے کے اس پلو پر پڑی جو قبر سے باہر نکلا ہوا تھا وہ سمجھ گیا کہ
یہ سسئی کی قبر ہے اس نے چرواہے سے پوچھا تو چرواہے نے اسے سارا ماجرا سنایا۔ پنوں نے دعا
کے لیے ہاتھ اُٹھائے۔ اس نے گڑگڑا کر خدا سے دعا کی، اس کی دعا قبول ہوئی۔ سسئی کی قبر شق
ہوئی اور پنوں بھی اس قبر میں سما گیا۔ اس طرح دو بچھڑے ہوئے محبوب ایک دوسرے سے مل
گئے۔

سُر آبری

سُر آبری

پہلی داستان

(۱)

اوّل و آخر جانا ہے، مجھے پنہل کے پاس،
میری پیہم کوشش کا تو، مولا! کیجیو پاس،
پی سے ملن کی آس، جیتے جی ہو پوری۔

(۲)

آنکھوں سے تو اشک رواں ہیں، درد سے چور ہے تن من
نظریں اب اس اور جمی ہیں، جہاں ہے اس کا ساجن،
کہے لطیف کہ یار کی صورت، دل میں ہے جلوہ فگن،
مری ہے رہ میں برہن، پریت کی ریت نبھا کر۔

(۳)

ہجر میں یار کے تن دکھے، اور ملن کو من بے تاب،
پی لی پریت پنہل کی لیکن، ہوئی نہ وہ سیراب،
پریت وہ چشمہ آب، جو اور بڑھائے پیاس۔

(۴)

جس نے بھی نینوں سے اپنے، پیا ہے حسن کا جام،
من میں جاگی پریت پیا کی، ہجر کا دکھ ہر گام،
عشق ہی عشق مدام، ڈوبے بحرِ عشق میں۔

(۵)

جن کے من میں پریت پیا کی، پیاسے ہیں وہ سدا،
تو بھی پی کر پریت کے پیالے، پیاس سے پیاس بجھا،
پنہل آپ پلا، تو پیاس سے پیاس بجھاؤں۔

(۶)

پریت میں جن کا من ہے جیسے، کوئی چھلکتا جام،
پریت کے جام پہ جام چڑھائیں، پھر بھی تشنہ کام،
منزلِ عشق سراب ہے سکھیو! پیاس یہاں ہر گام،
پیاس ہی پیاس مدام، جو ہیں بحرِ عشق میں۔

(۷)

سدا ہیں بحرِ عشق میں وہ، پیاس سے ہیں بے تاب،
کبھی نہ حاصل منزل ہو اور، وصلِ یار سراب،
عشق کی موجِ آب، اور پیاس سے نکلے جان۔

(۸)

ہوت پنہل کی خاطر سسی، کرلے قبول سراب،
جو بھی دشت میں آب کو ڈھونڈے، اسکو ڈھونڈے آب۔

(۹)

پانی پر ہیں مسکن لیکن، پھر بھی سدا کی پیاس،
ڈھونڈیں پر نہ پائیں جو ہے، شہ رگ سے بھی پاس،
سدا رہے وہ نراس، خود کو جان نہ پائے۔

(۱۰)

یار سے پریت لگائی لیکن، اس کو سمجھ نہ پائی،
اس سے پریت کا ناتہ جوڑ کے، خودداری دکھلائی،
اب ہے ہجر جدائی، کھویا "آری" جام کو۔

(۱۱)

بادِ سموم کے جھونکوں سے تب، جھلس گیا تھا جہان،
آئی صدا افلاک سے ایسی، مانگی سب نے امان،
چیخ اٹھا ہر ذی روح یکدم، ہر اک تھا حیران،

غم سے نکلی جان سبھی کی، مرگئے سب حیوان،
چلا جو یار پنہل تو سب کی، نکلی جسم سے جان،
پربت اور انسان، روئے پنہل کی خاطر۔

(۱۲)

بنا کے عجز کو رہبر، ڈھونڈلے نقشِ پا
چل تو کیچ کی اور، اپنا آپ بُھلا
تج دے خود بینی کو، من میں پریت بسا
راہ میں گمراہی سے، اپنا آپ بچا
من میں یاس بسا، تو پائے گی امید

(۱۳)

تج دے خودداری کو، عجز کو کر رہبر،
راہ میں جو دکھ جھیلے، کبھی نہ ظاہر کر،
من میں پریت بسا کے، پربت سے تو گذر،
آساں ہیں سب دشت، من میں پریت ہو گر،
خودداری تج کر، ڈھونڈ تو راہ پنہل کی۔

(۱۴)

اب بھنور میں کیا رہنا، "ہاڑے" کو مت جا،
جھوٹ سے اپنا آپ بچالے، سچی بات چھپا،
پریت میں جاں نہ جلا، مت بسرا تو دکھڑے۔

(۱۵)

خوشیوں سے مت کھیل، دکھڑوں سے مت ڈر،
بھٹک نہ پربت پربت، چھوڑ نہ اپنا گھر،
یوں بے موت نہ مر، نہ ہی جی اب سسّی!

(۱۶)

خوشیاں آئیں نہ راس، دکھڑوں سے نہیں خوف،
اک پل کو بھی رک نہ پائے، جائے نہ پی کے پاس،
آس کبھی ہے نراس، یہ ہی پریت کا حاصل ہے۔

وائی

چھلک رہا ہے پیار، تن من میں اے یار،
دور کہیں جوں ٹلیاں باجیں، یاد کی یوں جھنکار،
تیری دید کی پیاسی اکھیاں، درس دکھا جا یار!
کیسے پریت کو بھول گئے اور، بھولے قول و قرار،
شہر بھور ہے زنداں جیسے، تجھ بن اے "کوہیار"!
مجھ کو چھوڑ کے مت جا ساجن!، تجھ بن کون سہار،
تیرے ہجر میں پت جھڑ جانوں، یہ رت میگھ ملہار،
جوں جوں دوائے دل کی ہم نے،اور بڑھا آزار،
تو ہی درد ہے تو ہی درماں، دوائے دل دے یار،
کوی لطیف کو یاد ستائے، ساجن کی ہر بار۔

دوسری داستان

(۱)

دیکھ کے راہ کے ویراں پربت، تو ہمت مت ہار،
جس جس راہ سے گذرے ہیں وہ، ڈھونڈ وہ راہگذار،
منزل منزل آگ جلاتے، گئے ہیں وہ اسوار،
بڑا ہی ہے گنوان کو ہیارل، اسی کی ہو آدھار،
دور نہیں ہے یار، بسا ہے وہ تیرے نین میں۔

(۲)

جگ سے ناتہ توڑ کے جو بھی، جوڑے پی سے ناتہ
عقلِ کل اور حسنِ کل کو، وہ ہی ہے پاتا۔

(۳)

شاید یار نے یاد کیا ہے، جہاں پہ ہے "ونکار"
اسی لئے تو تیز ہوئی ہے، میری اب رفتار،
تیری مہر سے یار!، میں آخر پہنچی "کیچ" کو۔

(۴)

ان جانے یہ ویرانے اور، پربت کا یہ سفر
انگ انگ ہے چور تھکن سے، ڈھونڈا ڈگر ڈگر،
کہے لطیف کہ تو ہی آکر، لے اب خیر خبر،
چھوڑ نہ جا دلبر، بیوہ کر نہ دلہن کو۔

⑤

ان دیکھا ان جانا دیس، انجانے اشجار،
دشت نے تپ کر جسم جلایا، قدم قدم دشوار،
تم جو روٹھے یار، تو بھٹک رہی ہوں صحرا میں۔

⑥

ان دیکھے اشجار ہیں ہر سُو، صحرا، پربت، پیاس،
دل دہلاتے دشت و جبل اور، من میں خوف و ہراس،
آگ اگلتا سورج، میرا، جھلس رہا ہے ماس،
وہاں تو آجا پاس، جہاں ہوں تنہا ویرانوں میں۔

⑦

انجانے اشجار ہیں ہر سو، ہیبت ناک ہے منظر،
کہے لطیف کہ دور سفر اور، مشکل راہ گذر،
آساں ہو یہ سفر، تیرے کرم سے سائیں!

⑧

اونچے انجانے اشجار یہ، عود و بید کا جنگل،
آگ ہوئی ہے ساری دھرتی، تپتے دشت و جبل،
یہ راہوں کے بل، دشت میں کیسے ڈھونڈوں ساجن۔

⑨

اونچے انجانے اشجار یہ، جہاں پہ ناگ ہیں نیلے،

وہاں پہ تیرے ملن کے میں نے، کئے ہیں کیا کیا حیلے
جہاں نہ اور وسیلے، وہاں پہ پہنچ اے سائیں!

(۱۰)

پہلے کب دیکھے تھے میں نے، انجانے اشجار،
مہر کہاں تھی انسانوں میں، ہر سو تھا اندھکار،
دکھ پانے کو یار!، تجھ سے پریت لگائی۔

وائی

دور دیس سدھارے، زور آور وہ ہوت کے پیارے،
کہاں ہیں یار پنہل کے سنگی، ڈھونڈے دوارے دوارے
قاصد! تو نے جاتے دیکھے، کیچی سب سے نیارے،
اونٹ سجائے، گھنگھرو باندھے، چھم چھم چھم چھمکارے
لے جائیں گے سنگ کہ جن کی، اعلیٰ ذات ہے پیارے
سکھیو! شاہ لطیف کہے وہ، آئے ہیں میرے دوارے،

تیسری داستان

(۱)

پیچھے چھوڑ کے یار کو اب وہ، بھٹکے دشت و جبل،
جس کی بنی دلہنیا اس کے، ملن کو ہے بے کل،

کیسی بھول ہوئی کہ ڈھونڈا، بن میں ہوت پنہل،
ان کے دوار تو چل، جنہوں نے ہوت یہیں پہ پایا۔

(۲)

ان سے پوچھ جنہوں نے خود میں، دیکھے پی کے نشاں
تجھ میں یار نہاں، ڈھونڈ لے خود میں یار کو۔

(۳)

جہاں تو سمجھی یار بسا ہے، وہاں ہے کب وہ یار،
کیوں تو سوئے دشت چلی ہے، تجھ میں ہی "ونکار"
خود میں ڈھونڈ کو ہیار، خود سے پوچھ پتا پریتم کا۔

(۴)

اپنے پنہل یار پہ سسی! سب کچھ کر دے قرباں،
ڈھونڈ نہ اس کو پربت میں یہ، دل ہے شہرِ جاناں،

(۵)

دل ہی شہرِ جاناں ہے اب، لوٹ تو اپنی اور،
تو نے پربت پربت میں کیوں، ڈال رکھا ہے شور،

(۶)

بھول کے در جے دوار اے سسی، کھول دے دل کے دوار
جس کے کارن کشٹ اُٹھائے، تجھ میں ہے وہ یار۔

⑦

جس کو سنگ لئے تو گھومے، اس کو ڈھونڈ نہ ناداں!
کس نے دشت و جبل میں پایا، اپنا دلبر جاناں،
تجھ میں یار ہے پنہاں، خود میں کھو کے پریتم پالے۔

⑧

وہ تو تجھ میں پنہاں ہے تو، جس کو ڈھونڈے دور،
جھانک کے دیکھ تو روزنِ دل سے، تجھ میں وہ مستور،
تجھ میں اس کا ظہور، تجھ میں بسیرا دوست کا۔

⑨

ڈھونڈ یہاں پہ ہوت پنہل کو، کیوں جائے "ونکار"
کب تجھ کو وہ چھوڑ کے سسی!، چھپا ہے دوجے پار،
پریت نبھا اس پیارل سے اور، ہو جا اب تیار،
خود میں دیکھ وہ یار، تجھ میں بسیرا دوست کا۔

⑩

یار کو ڈھونڈیں کیچ کو جائیں، یہاں نہ ڈھونڈیں یار،
جن کا عشق ہے یار پنہل سے، دیں وہ کیچ بسار،

⑪

کر نہ دور سفر کی باتیں، لے تو دل کی راہ،
قاصد بن کر بھٹک کر، کب پائیگی راہ۔

(۱۲)

نہ کر دور سفر کی بتایں، لے تو راہ دل،
پربت میں کب راہ ملے گی، خود میں پا منزل۔

(۱۳)

لے تو دل کی راہ اے سسی، بھول جا دشت جبل،
"آریانی" انمول ہے تجھ میں، تجھ میں "کوہیار ل"۔

(۱۴)

لے تو دل کی راہ اے سسی، بھول جا سارے پربت،
ہم نے خود میں پریتم پایا، خود ہیں یار کی صورت۔

(۱۵)

لے تو دل کی راہ اے سسی، تج دے خوداری کو،
جس نے خودداری دکھلائی، پا نہ سکی پریتم وہ۔

(۱۶)

آج میں پوچھوں تجھ سے کیسے، ڈھونڈے گی کوہیار،
حدِ نظر تک صحرا پربت، اپنا آپ بسار،
جب تک ملے نہ یار، بندھا ہو پریت کا بندھن۔

(۱۷)

پریت سدا ہو قائم، توڑ نہ پریت کا بندھن
روزِ ازل سے سنگ ہے تیرے، سسی! تیرا ساجن

(۱۸)

پریت سدا ہو قائم، توڑ نہ پریت کا بندھن،
پریت ہے جیسے کستوری، تو مہکا اپنا تن من۔

وائی

سو کر یار گنوایا، کیا کروں، کت جاؤں،
سیج، سہانے سپنے، نندیا، جاگی تو دکھ پایا،
ڈھونڈوں اب میں "ہوت، پنہل" کو، کیسے وقت گنوایا،
مجھے بھی سکھیو راز بتاؤ، ہوت نے جو بتلایا۔

چوتھی داستان

(۱)

کب وہ "وندر" کو جائیں جن کے من میں نہیں ہے پیار،
جو بس خواہش کرنا جانیں، بیٹھ گئیں تھک ہار۔

(۲)

سب ہی یار کو پانا چاہیں، خود کو دیں آرام،
دشت کے کشٹ اٹھانا سکھیو!، سب کا نہیں ہے کام،
جھیلیں دکھ آلام، وہ ہی میرے سنگ چلیں۔

(۳)

کب آساں ہے کیچ کو جانا، مشکل وصلِ یار،
وہ ہی میرے سنگ چلے جو، کردے جان نثار،

(۴)

چرخہ کاتتے پیار کی باتیں، کرنا ہیں آسان،
کون چلے گی سنگ میرے واں، پل پل خطرۂ جان۔

(۵)

جو بھی میرے سنگ چلے وہ، کرے نہ سکھ کی بات،
جن کا دل دو نیم وہ جھیلیں دشت کے سب آفات۔

(۶)

من میں ملن کی خواہش ہے کب، بھٹکیں دشت بیاباں
گھر میں بیٹھ کر کرتی ہیں سب، ساجن پہ جاں قرباں

(۷)

اپنے گھر کو جاؤ سکھیو!، سب کے ہیں گھربار،
بھٹکوں گی میں دشت و جبل میں، ملے نہ جب تک یار،
بڑا ہی ہے دشوار، ''جتوں'' سے پریت نبھانا۔

(۸)

سب کے ہیں گھربار، سب ہی لوٹ کے جائیں،
گر ہو من میں ہجر کا گھاؤ، چین سے بیٹھ نہ پائیں،

(۹)

سب کے ہیں گھر بار، تم سب گھر کو جاؤ،
چل نہ سکو گی "کیچ" کی جانب، عشق پہ حرف نہ لاؤ،
میرے سنگ نہ آؤ، میں جوگن بن کر بھٹکوں گی۔

(۱۰)

جوگن بنکر پہنوں گی میں، آج تو گیروا بھیس،
مجھ کو روک نہ میا! میرے، دھول اَٹے ہوں کیس،
بھٹکوں دیس بہ دیس، پہن کے بالے کانوں میں۔

(۱۱)

یار "عنایت"! "جانی" سے تو، باندھ لے پریت کا بندھن،
یار فقیری مشکل ہے اور، بڑی ہے راہ کٹھن،
اس میخانے کی مدرا سے اب، ہوگا اور چلن،
ایسا ہو بندھن، جو کبھی بھی ٹوٹ نہ پائے۔

(۱۲)

مجھے رکھیل سمجھ کر مجھ کو، چھوڑ چلے دیور،
میں تو سیوا کر نہ پائی، آئے تھے جب گھر،
گیت خوشی کے گاتی میں سب، سکھیوں سے مل کر،
جو بھی رسمِ دنیا ہے وہ، پوری کرتی پر،
مجھ میں تھا نہ ہنر، یار تو قول کا سچا تھا۔

(۱۳)

کیا تھا یار وچن، مجھ سے جو "ونکار" میں،
پورا کر وہ بچن، آج تو زبل دکھیا سے

(۱۴)

پورا کر جو تو نے کیا تھا، ساجن سے اقرار،
پھر رکھ آس کرے گا پورا، قول وہ تیرا یار۔

(۱۵)

کرے اگر اقرار ملن کا، تجھ سے تیرا ساجن،
تب تک ملن ہے مشکل جب تک، بھٹکے نہ بن بن،

(۱۶)

قول ملن کا کیا ہے پی نے، چین سے مت سونا،
دیکھا نہیں ہے حسن کا تو نے، بے پروا ہونا!

(۱۷)

لال لہو سا نیر بہا اب، دشت میں ہوگئی شام،
قاصد ہے نہ نامہ بر جو، لے جائے پیغام،
مشکل ہے ہر گام، پھر بھی لوٹ نہ سسی!

(۱۸)

دوڑوں جان نہیں ہے، چلوں، یہ آبلہ پائی،
کرے مذاق نہ لوٹ آنے کا، کوئی سکھی، صحرائی،

دل پہ ہیبت چھائی، پربت نے دل چاک کیا ہے۔

(۱۹)

آنکھوں سے تو اشک رواں تھے، پیروں میں تھے چھالے،
پھر بھی پی کو دعائیں دی تھیں، گھٹے گھٹے تھے نالے،
"تو ہے رہبر پیارے!" یہ ہی بات تھی لب پر،

(۲۰)

کیسی تان کے سوئی ہے، کون اسے سمجھائے،
سارے ساتھی چھوڑ چلے، پھر بھی نیند لبھائے۔

(۲۱)

ہار گئے سمجھاتے اس کو، شہر بھنبھور کے باسی،
جس کا پریتم لے گئے جت وہ، کیسے لوٹ کے آتی۔

(۲۲)

صحرا کو مت جاری "سسی"!، سکھیوں نے سمجھایا،
پھر بھی اپنے یار کی جانب، اس نے قدم بڑھایا۔

(۲۳)

سکھیو! لوٹ کے آنے کی تم، مت دو مجھ کو مت،
دیکھوں گی ساجن کو میں تو، ڈھونڈوں بن پربت۔

(۲۴)

جیتے جی نہ لوٹوں سکھیو!، راہ میں نکلے جان،

مرتے مرتے شاید پالوں، قدموں کے میں نشان۔

وائی

تو جانے حال حبیب! میرا روگ پرانا سائیں!، پریت کا روگ لگا ہے
عشق کا مرض یہ تیرے کارن، مول لیا ہے طبیب،
تو ہی میرے درد کا درماں، میں بیمار غریب،
پل پل روؤں اور کراہوں، یہ ہی میرا نصیب،
پاپ کے بندھن میں جکڑی ہوں، بندھن توڑ رقیب،
تیرے ہجر کا روگ لگا ہے، حاذق تو ہے حبیب،
کہے لطیف کہ بے گن ہوں میں، کیسے آؤں قریب۔

پانچویں داستان

(۱)

شہر بھنبھور سے چل کر جب میں، بھٹکی تھی ہر سو،
پہنچی کیچ کی بستی میں کہ، جہاں تھا وہ مہ رو،
"ہر جا تو ہی تو"، مفتی اب کیا فتویٰ دے گا؟

(۲)

اپنے اندر ڈوب کے دیکھا، میں نے اپنا حال،
نہ تو دشت و جبل تھے نہ ہی، کیچی کا جنجال،

جب تک تھی میں سسی تب تک، دکھوں سے تھی پامال،
ہوگیا ختم ملال، پنہل آپ ہوئی میں۔

③

سکھا گئے تھے دیور جینا، دیا تھا درد ملال،
چھوڑا شہر بھنبھور تو ہوگئی، دکھ میں بھی خوشحال،
درد ہوا جنجال، پنہل آپ ہوئی میں۔

④

پنہل آپ ہوئی پھر کیسی، سسی کی رعنائی،
خلق آدم علیٰ صورتہٖ، آواز یہی بس آئی،
جس کی تھی سودائی، وہ تو یہیں پہ پایا۔

⑤

وہم و گمان نے مارا ہیں تو، خود ہی پنہل تھی ورنہ،
خود کو تج کر خود کو پایا، پنہل کو جب پہچانا،
علم کا اب کیا کرنا، جس سے یار نہ ہو حاصل۔

⑥

لوٹ آئی تو طعنے دیں گے، ڈھونڈوں پربت پربت،
"ہوت بلوچ" کی باندی ہوں میں، ان سے اور کیا نسبت،
الفراق اشد من الموت، میں پاؤں گی یار کی قربت،
دیکھوں یار کی صورت، جیتے جی اے سکھیو!

⑦

اپنے ہوت پنہل بن، جینا ہے دشوار،
آدھی رات کو جاگ کر، چلے گئے اسوار،
رووں زار قطار، دیکھ کے اُجڑا آنگن۔

⑧

ملتا ہے تب یار، جب نہ دکھائے آن،
مارایت شیئا الا ورایت اللہ، یہیں پہ خیمہ تان،
پورے ہوں ارمان، ہوت ملے تب سسی!

⑨

ہوت تیری آغوش میں ہے تو، بھٹکے بن جنگل،
وَفی انفسکم افلا تبصرون، خود میں دیکھ لے سہنل،
ملتا ہے کب پنہل، اپنے آپ سے باہر،

⑩

ہوت تیری آغوش میں ہے، سمجھ لے تو یہ بات،
ونحن اقرب الیہ من حبل الورید، یار ہے تیرے ساتھ
بنی ہے پردہ ذات، تیرے اور پنہل کے بیچ

⑪

اپنے ہوت بلوچ کے کارن، چھان لیا سنسار
اللہ بکل شی، محیط، اس کے یہ آثار،

سب میں وہ ہے یار، اور نہیں بن اس کے۔

(۱۲)

جان بوجھ کے کیسے بیٹھوں، بن کر میں انجان،
من میں عشق کی آگ ہے سکھیو!، جلے ہے پل پل جان
العشق نارُ اللہ الموقدہ، جلتی ہوں ہر آن،
اس کو گئی پہچان، اور نہیں بن اس کے۔

(۱۳)

سکھیو! آری جام ہے، سارا دشت وجود،
اپنے باطن میں ہی دیکھے، دشت و جبل موجود،
عشق سے تھی نابود، تو پایا راہ میں ہوت کو۔

(۱۴)

چل تو اس کی اور کہ جس کے، عشق میں ہے پاگل،
نیند میں بھی اب یار کی خاطر، تڑپے ہے پل پل،
العشق حجاب بین العاشق والمعشوق، پردہ رہے نہ اک پل
وہ ہی ایک ہے پنہل، اس بن اور نہ کوئی،

(۱۵)

انکو میں پہچان نہ پائی، میں تو تھی نادان،
دیور دے گئے درد اے سکھیو! جلتی ہوں ہر آن،
سلگے جن کی جان، وہ بھٹکیں دشت و جبل میں۔

(۱۶)

میں تو تھی انجان، پرکھ نہ پائی یار،
کب میں اس کے ناز اُٹھاتی، وہ تو تھا کوہیار،
جیون کا آزار، پل بھر کی وہ پیار کی باتیں۔

وائی

مشکل حل کر جاتا ہے، پریتم ساتھ نہ چھوڑے گا،
تھک کر بیٹھ گئے جو راہ میں، ان کا ساتھ نبھاتا ہے،
جن کے عریاں انگ ہیں اُنکے، ساجن عیب چھپاتا ہے

چھٹی داستان

(۱)

درد فراق کا جام!، دیا ہے دکھیاروں کو،
پیار کی آگ جلائی من میں، جلے ہے جسم تمام،
لوٹ لیا آرام، زلفِ یار نے لہرا کر۔

(۲)

زلفِ یار نے درد دیا ہے، جس کا کوئی نہ درماں،
وہ لہراتی زلفیں اور وہ، یار کا روئے تاباں۔

(۳)

شہر بھنبھور میں ہم نے دیکھے، کالے کاکل کل،
وہ لہراتی زلفیں اور وہ، میرا من گھائل۔

(۴)

ان زلفوں کی گھائل ہوں میں، روزِ ازل سے یار!
بل کھاتی لہراتی زلفیں، کریں ہیں دل پہ وار۔

(۵)

جینا ہے دشوار کہ میں ہوں، زلفِ یار کی گھائل،
میں نے شہر بھنبھور میں دیکھے، ان زلفوں کے بل۔

(۶)

جو بھی قتیلِ زلف ہیں ان کو، کفن نہیں درکار،
کہیں شہید کو بھی دیتے ہیں، غسل، کفن اے یار!

(۷)

ظلم نہ کر اب دکھیاروں پہ، اے "ہاڑے" کے جام!
تو ہی سب کا سہارا سائیں، سب کا دل آرام،
مار نہ دکھیا برہن کو اب، کر نہ تلخ کلام،
من جا پریت کے ماروں سے تو، ختم ہوں سب آلام،
جپے جو تیرا نام، اس کو چھوڑ نہ تنہا۔

(۸)

اپنے سے کمزور کو کوئی، کیوں دکھلائے زور،
دکھیاروں پہ کر نہ جفائیں، میں برہن کمزور۔
آ جا میری اور، میں آؤں گی اک دن تیرے آنگن۔

(۹)

اے پربت کیوں دکھلاتا ہے، مجھ برہن کو زور،
میرا عشق ہے آریانی سے، میں دکھیا کمزور

(۱۰)

جس کے پیر تھے ریشم جیسے، پربت میں وہ پیادہ،
قابلِ دید تھی آبلہ پائی، زخم ہوئے تھے تازہ،
پھر بھی پربت روندرہی تھی، ہجر میں من تھاماندہ،
جس سے بندھن باندھا، کاش کہ اس سے مل آؤں۔

(۱۱)

ریشم سے وہ پائے نازک، اور وہ آبلہ پائی،
جسم و جاں سب لہو لہو اور، دل میں دردِ جدائی،
جن کی ہوں شیدائی، جانے وہ کس اور گئے۔

وائی

مجھ اندھی کے گھر آئیں گے، میرے ہوت بنبھل اے سکھیو!

ڈھانپ کے دامن سے برہن کو، سنگ اپنے لے جائیں گے،
سکھ سے کب وہ ناتا جوڑیں، دکھ میں ساتھ نبھائیں گے،
مجھ برہن کو گلے لگا کر، پریت سندیس سنائیں گے،
میں تو خاک ہوں پیروں کی وہ، ساتھ مجھے لے جائیں گے۔

ساتویں داستان

(۱)

دیس سے ایسا دور نہیں ہے، تیرے یار کا محمل،
تھک کر راہ میں بیٹھ نہ جانا، ہجر کے مارے اے دل!
جس کی وندر ہے منزل، کاش وہ لوٹ کے آئے۔

(۲)

جو وندر کو جانا چاہیں، ہو جائیں تیار،
تھک کر راہ میں جو رہ جائیں، کب ڈھونڈیں کو ہیار۔

(۳)

یار کا دیس تو دور ہے لیکن، وہاں سے یار ہے دور،
اپنے ہوت پنہل کو پانے، چلی ہے وہ مجبور
جاؤں اب ان کے حضور، جن کے کارن جیتی ہوں۔

(۴)

وصل کی شب اور سیج سہاگ کی، بچھڑ گیا ساجن،

درد کے دھاگے میں وہ دلبر، پرو گیا مرا من،
بنوں میں پھر دلہن، اے موت ٹھہر تو تب تک!

۵

تھکے تھکے ہیں انگ میرے، میرا دل ہے درد سے ہارا،
من میں پیار کی زنجیریں وہ، یار ہے ڈال گیا،
ہم نے جسم اور جیرا، یار کو سونپ دیا ہے۔

۶

عمر بتائیں عشق میں اور، پوچھیں جو پنہل،
کون کمینی حسد کرے گی، اِن کی پریت اٹل،
جینا یار سپھل، جو عشق میں جان گنوائیں۔

۷

سپھل ہے اِن کا جیون جو لبں، یار کے نقشِ قدم،
اسی کی رکھ آدھار اے سسئی!، نیر بہا ہر دم،
ڈھونڈ وہ ہوت ہمدم، بن ڈھونڈے وہ کب ملتا ہے!

۸

بن ڈھونڈے وہ کب ملتا ہے، نیند سے بچھڑے یار،
ہجرِ یار جو سولی جانیں، وہ پائیں کوہیار،
دکھڑے یار ہزار، جو اپنائیں، وہ یار کو پائیں۔

(۹)

بن ڈھونڈے وہ یار نہ پائیں، سوئیں کھوئیں یار،
روتی جائیں راہوں پر جو، وہ پائیں کوہیار۔

(۱۰)

تڑپ تڑپ کر ڈھونڈ رہی ہے، یار کے نقشِ پا،
چلی ہے من میں پریت بسا کے، ڈھونڈے گی ہر جا،
ٹکرا کر وہ دشت و جبل سے، ڈھونڈے راہِ وفا،
بھٹکے گر تو سدا، نہیں برابر خاکِ پا کے۔

(۱۱)

تڑپوں یا پھر بھٹکوں سکھیو، اپنے یار کے کارن،
درد فراق کا دے کر دیور، لے گئے میرا ساجن۔

(۱۲)

تڑپ تو اس کے کارن، ڈھونڈ تو نقشِ یار،
ملے گا آخر کار، دشت میں تیرا ہوت پنہل۔

(۱۳)

درد فراق کی بے تابی سے، روندے دشت و جبل،
ڈھونڈ ہی لے گی ہوت پنہل کو، وہ برھن بیکل،
عجز و نیاز سے پایا آخر، اِس نے کوہیارل،
بھٹکی جب پل پل، تو لوٹ کے آیا یار پنہل۔

(۱۴)

پربت، اُڑتی دھول، تھکن اور، روند رہی کہسار،
کہے لطیف کہ پربت پربت، چلی ہے سُوئے یار،
ویرانوں میں اُجڑا اُجڑا، اِس کا روپ سنگھار،
دُکھ میں پایا یار، سکھ میں کب پریتم ملتا ہے۔

(۱۵)

خود میں ڈھونڈ لے یار کے نقش اور، روند نہ یوں کہسار،
دہر تو تودۂ خاک ہے سسئی!، چھان لے خاکِ یار،
پائے گی وہ یار، یہ بات بٹھالے دل میں۔

(۱۶)

آتشِ غم سے ہستی پگھلی، بھولی آہ و بکا،
کہے لطیف کہ دشت و جبل میں، پائے نقشِ پا۔

(۱۷)

شعلۂ آتشِ عشق بھڑک کے، چھولے جب افلاک،
کہے لطیف حجابِ ہستی، ہوجائے اِس دم چاک،
جلا کے کردے خاک، ہونے کے اسباب تو سارے۔

(۱۸)

کیسے خودداری سے سسئی!، تو پائے گی یار،
جو بھی خودداری دکھلائے، پچھتائے سو بار،

خود کو دے تو وار، کون خودی سے یار کو پائے۔

(۱۹)

ناوکِ عشق سے گھائل تھا، اِس کا دل معصوم،
موت وحیات کی ساری راہیں، اب تو تھیں معدوم،
درد کی بادِ سموم!، چلی وہ یار کو پانے۔

وائی

ساجن مہر تمام، تڑپت ہوں دن رین،
سنگ پیا کے جاؤں گی میں، اِس کا دامن تھام،
دھول سجن کی مکھ پر ڈاروں، اُڑے جو ہر اِک گام،
ہوت بنا بھنبھور میں میرا، کون ہے اور امام،
کیسے تیرا دامن چھوڑوں، من میں عشق مدام،
بندھی ہے تجھ سے سانس کی ڈوری، تو ہی دل آرام،
میں تڑپوں اور چھوڑ چلا وہ، کیا نہ یاں آرام،
مجھ کو اپنی اور بلایا، ساجن مہر تمام،
پنہل بن بھنبھور میں سکھیو!، کون میرا کیا کام،
مانگ اُجڑی ہے کاجل ڈھلکا، چھینا سکھ آرام،
کہے لطیف کہ ہجرِ یار کا، دُکھ ہے صبح و شام۔

آٹھویں داستان

①

بے بس، انجانی، لاوارث، یہ انبانے کہسار،
کہے لطیف کہ یار کی خاطر، روؤں زار و قطار،
حب میں اپنے ہوت کے کارن، روئے میرا پیار،
رو رو کر میں یار رِجھاؤں، وہی تو ہے غم خوار،
بنوں میں باندی یار، سنگ مجھے لے جاؤ اگر تم۔

②

بے بس، انجانی، لاوارث، یہ راہیں انجان،
پردیسی سے پریت لگانا، مرنا ہے ہر آن،
تیرے لطف سے پار کروں یہ، دشت و جبل ویران،
بات سمجھ نادان، زادِ راہ تو سنگ لے اپنے۔

③

بے بس، انجانی، لاوارث، میں ہوں نربل نار،
کیا کیا راہ میں خوف و خطر ہیں، تیری لی ہے سہار،
لوٹ کے آجا یار!، جان کہیں نہ راہ میں نکلے۔

④

بے بس، انجانی، لاوارث، میں کاہل نادان،
تجھ سے پریت کا ناتا ہے اب، مشکل کر آسان،

پریت نے ہی تو دکھلائے ہیں، دشت و جبل ویران،
رکھ لے تو ہی مان، میری پریت کا سائیں!

⑤

بے بس، انجانی، لاوارث، دکھوں بھرا ہے دل،
کیسے چین سے بیٹھے گی وہ، درد فراق کی گھائل،
جلتی دھوپ میں جھلس گئی تو، دیکھا یار کا محمل،
دور ہوئی ہر مشکل، آج بنے گی بن ٹھن دلہن۔

⑥

بے بس، انجانی، لاوارث، دل سے کر تو جتن،
تپتے دشت و جبل میں جل جل، ہو جا تو کندن،
وہموں نے گھیرا مجھ کو جب، تھکا تھکا تھا تن،
ہوگئی جوں کنچن، پریت میں رچ کر لال ہوئی۔

⑦

بے بس، انجانی، لاوارث، پھر بھی لوٹ نہ آئے،
کہے لطیف کہ یار کی اور وہ، پل پل چلتی جائے،
یاد میں نیر بہائے، اپنے پیچھی یار کے کارن۔

⑧

عزرائیل نے سسئی کو جب، خواب گراں سے جگایا،
وہ سمجھی کہ شاید یار کا، قاصد کوئی آیا۔

(۹)

منکر اور نکیر جو مرقد میں پرسش کو آئے،
چونک کے پوچھا کہاں ہے پنہل، اس کو سنگ نہ لائے،
کیا تم دیکھ کے آئے، کیچ کو جاتا یار میرا۔

(۱۰)

روندے اِن کے کارن پربت، بندھی ہے پریت کی ڈور،
راہوں کو گل رنگ کرے جب، تیرا تن کمزور،
کہے لطیف اُلانگ کے پربت، چل تو یار کی اور،
جت دکھلا گئے زور، چل تو ملن ہو پی کا۔

(۱۱)

مرگ وزیست کی بیچ کھڑی ہے، درد سے انگ نڈھال،
شہر بھنبھور سے کہہ نہ پائے، اپنے دل کا حال،
کہے لطیف کہ کیسے بھولے، یار کا قرب، وصال،
مہر سے آن سنبھال، تنہا تجھ کو ڈھونڈ نہ پاؤں۔

(۱۲)

ہوت کو پوچھ نہ ہاڑے میں، رو رو ڈھونڈ لے راہ،
درد ہو تیرے سنگ تو پھر کیا، دشت بے برگ و گیاہ،
جس سے تیری چاہ، پربت میں وہ تجھ کو ملے گا۔

(۱۳)

انگ تھکن سے چور ہیں پھر بھی، کر لے چوٹی سر،
جب جائے تو ہوت کی جانب، رہے نہ دشت کا ڈر،
صحرا سے تو گذر، تھک کر ریت میں دھنس نہ جائے۔

(۱۴)

یہیں تھے شاید ڈیرے ڈالے، یہ جو ہیں پیچ و خم،
کیا کیا جتن کیے پانے کو، یار کے نقشِ قدم،
اے پربت! کیا تو نے دیکھا، ناقوں کا دم خم،
اس کی ہوئی محرم، تو جگ میں رتبہ پایا۔

(۱۵)

کر اب پیہم کوشش، چھوڑ دے شہر بھنبھور،
ہیبت ناک ہیں پربت پھر بھی، چل تو یار کی اور،
یار کا ٹھاؤں ٹھور، ڈھونڈنے سے پائے گی۔

(۱۶)

کر تو جتن اے سسئی!، اس پنہل کے کارن،
تھک کر چھوڑ نہ دینا، پریت کی راہ کٹھن،
ہو گا پھر درشن، رہرو راہ دکھلائیں گے۔

وائی

ہوت سجن وہ پیارا، چلنے کو تیار سکھی ری!
سیج پلنگ سب چھوٹے مجھ سے، زہر ہے جیون سارا،
یہیں کہیں پہ خیمہ زن ہے، میرا یار دلارا،
دکھیاروں کی جھولی بھر دے، جو ہے سب سے نیارا،
یار پنہل کی باندی ہوں میں، روتی ہوں دن سارا،
نقشِ قدم اس یار پنہل کے، ڈھونڈے من دکھیارا،
وہ پردیس سدھارے ساجن، جس کی پریت نے مارا،
لوٹ کے آجا ساجن پیارے، اندھوں کا تو ہی سہارا۔

نویں داستان

(۱)

پوچھ نہ راہ کسی سے سسئی!، مت بسرا کوہیار،
جن کے نین میں پریت بسی ہو، وہ ہی پائیں یار۔

(۲)

انجانے تھے، ڈھونڈ نہ پائے، دشت میں اپنی منزل،
جن کو رہبر مل جائے تو، کریں وہ منزل حاصل۔

(۳)

آج بگولو! یوں نہ مٹاؤ، یار کے نقشِ پا،

صحرا میں یہ نقشِ پا ہی، میرے راہ نما،
ان کو یوں نہ مٹا، یہ ہی نقش ہیں رہبر میرے۔

(۴)

بادِ سموم نے کل جو مِٹائے، یار کے نقشِ پا،
یہ ہی تھا مقدور کے ڈھونڈوں، بھٹکوں میں ہر جا،
چھانوں سب صحرا، اپنے ہوت پنہل کی خاطر۔

(۵)

ابھی ابھی گذرے ہیں ناقے، دیکھ تو اُڑتی دھول،
ہو نہ اب مایوس اے سسئی!، چل تو خودی کو بھول۔

(۶)

صبر سے تو مت بیٹھ اے سسئی، بھٹک نہ اب کوہسار،
خاک نہ چھان اب صحراؤں کی، بیٹھ نہ جا اے نار!
پریت کی راہ میں چلتے چلتے، خوشیاں دے تو بسار،
دل سے ڈھونڈ لے یار، تو منزل ہے دو گام۔

(۷)

تھک کر بیٹھ گئی ہوں سائیں!، اب تو چلا نہ جائے،
کہنی کے بل رینگ رہی ہوں، تجھ سے من اٹکائے۔

(۸)

تھک کر قدم اُٹھایا تو بس، منزل تھی دو گام،

ایک ہی جست میں "پب" سے گذری، ہو گیا سفر تمام۔

(۹)

کالے کوس کا سفر کریں سب، پیار سے رکھ تو گام،
ہو گا سفر تمام، قدم تو تیز بڑھا دے۔

(۱۰)

جانے کون سے دیس سے آیا، جگا گیا وہ بیری،
دے گیا درد کا پروانہ وہ، بری تھی قسمت میری۔

(۱۱)

مشکل میں دن بیت رہے ہیں، اُجڑا ہار سنگھار،
بھٹکتے صحراؤں میں ٹوٹا، میرا دل ہر بار،
کہے لطیف کہ یار کی خاطر، مروں گی آخر کار،
سفر ہے کب دشوار، گر دردِ یار ہو رہبر۔

(۱۲)

سب کو چھوڑ کے تنہا ہی میں، بھٹکوں گی کوہسار،
کروں گی یار سے دِل کی باتیں، وہی میرا غم خوار،
دِل سے دھو کر داغِ فرقت، ڈھونڈوں میں کوہیار،
تیرا درد اے یار!، ہوا ہے راہ میں رہبر۔

(۱۳)

ڈھونڈوں یار پنہل کو، تنہا اب کی بار،

تیز نکیلے پتھر ہیں اور، دشت بھی ہے دشوار،
میں انجان ہوں یار، تیرا درد بنا ہے رہبر۔

(۱۴)

دِل کی آنکھ سے ساجن دیکھا، اب کیسا آرام،
بھٹکے گی وہ دشت و جبل میں، گھائل جسم تمام،
پایا بلند مقام، عشق کی تھی یہ نوازش۔

وائی

پہنچوں گی میں پاس، دیکھن کارن دلبر کو،
اب تو لوٹ کے آجا ساجن، صحرا، خوف، ہراس،
میں باندی ہوں اس ساجن کی، جس کی من میں آس،
پیاسی دھرتی جیسا تن ہے، یار بجھا جا پیاس،
اِس کی جھوٹی پریت سکھی! جو، جائے نہ پی کے پاس۔

دسویں داستان

(۱)

دور نہ جا اب آجا ساجن! ڈھونڈ رہی ہوں راہیں،
کرتی ہوں فریاد میں سائیں، اُٹھا اُٹھا کر بانہیں،
آنسو اور یہ آہیں، اب ماریں گے اک دن۔

(۲)

دور نہ جا اب آجا ساجن!، لب پر ہے فریاد،
تجھ کو ترس جو آئے دیکھے، حالِ دلِ ناشاد،
شاید موت کے بعد، دکھائے تو اپنی صورت۔

(۳)

دور نہ جا اب پاس آجا، اے میرے ساجن،
اس کو آن کے زندہ کر دے، مرتی ہے جو برھن،
جس کا دکھیا من، اس کو دشت میں چھوڑ نہ جا۔

(۴)

کروں میں کیسے سکھیو!، پی بن شکر ادا،
وہ آئے اب آنگن جس پر، میری جان فدا۔

(۵)

دور نہ جا اب ساجن!، غم سے دلا نجات،
آ انگنا کر بات، تو مر کر جی اٹھوں میں۔

(۶)

مجھ برھن کو بھول نہ جانا، ساجن تم لِللہ،
پل پل لب پر آہیں ہیں اور، دل میں درد اتھاہ۔

(۷)

مجھ برھن کو بھول نہ جانا، صبر نہیں پل بھر،

تیری راہیں تکتکی ہوں تو، آنگن پیر تو دھر،

⑧

کبھی نہیں میں بھولوں ساجن، کرنا شکر ادا،
تیری پریت میں ساجن سائیں، سب کچھ ہے بسرا،

⑨

کروں میں کیسے سکھیو!، پی بن شکر ادا،
وہ آئے اب آنگن جس پر، میری جان فدا،

⑩

پل پل صبر و شکر ہے سائیں!، من میں ملن کی آس،
دکھلا دے تو صورت ساجن، کبھی تو آکر پاس۔

⑪

پل پل صبر و شکر ہے لب پر، اب تو آجا یار!
حال تو پوچھ لے اِس برھن کا، آکر تو اک بار۔

⑫

ہوت بِنا اس بیکل دل کو، ذرا نہیں آرام،
جس نے پریت کی ریت سکھائی، ملے وہ دل آرام۔

⑬

دل کو اب آرام نہیں ہے، بچھڑ گیا ہے یار،
پریت کی ریت سکھائی جس نے، مل جائے دلدار۔

(۱۴)

دل کو اب آرام نہیں ہے، کہاں ہے ہوت پنہل،
اِس نے پریت سکھائی جو ہے، من بھاتا سھنل،

وائی

دل ہے پل پل بیکل، تجھ بن میرے ساجن!
تیرے اونٹ چراؤنگی میں، گھوم کے صحرا جنگل،
اپنی جان تو وارونگی میں، کارن ہوت پنہل،
ماس پھینکے کاگا اب تو، پریت میں ہوں پاگل،
اپنے دل کا حال سناؤں، مل جائے وہ سہنل،
اِکدن پوچھنے آئے گا وہ، میرا یار پنہل۔

گیارہویں داستان

(۱)

آج سراپا گوش تو بن جا، کرتے ہیں وہ بات،
خاموشی میں پرکھ سکے گا، اِن کی یار صفات،
رہے تو ان کے ساتھ، تو سوزِ عشق جگائیں۔

(۲)

سوزِ عشق ہو حاصل اب وہ، کہتے ہیں آجا،

اور نہ کچھ وہ کہنا سیکھے!، کہیں گے خود کو بھلا،
رہ خاموش ذرا، سن تو دور ہو دوئی۔

(۳)

سن باتیں تو دور ہو دوئی، خودی نہ ان کو بھائے،
دل سے باتیں سن پائے جو، مہر بلب یاں آئے۔

(۴)

یار سراپا گوش تو بن اور، ہو جا مہر بلب،
خودداری و خوبینی پھر، رہے گی تجھ میں کب،
یہ ہی ان کی ڈھب، کہ ختم کریں خودداری کو۔

(۵)

کبھی سراپا گوش کبھی ہو، لب پہ تیرے گفتار،
کبھی کٹاری بن کر اپنی، خودی پہ کر تو وار۔

(۶)

اِن کی محفل میں خنجر ہیں، اور ہے قتلِ عام،
یار کی دید قصاص ہے سائیں!، موت ہے وصل مقام۔

(۷)

کاٹ لے ان کی شاخیں پھر کب، ملیں گے یہ اشجار،
اور طرح کے پیڑ ملیں گے، وہاں پہ تجھ کو یار!

(۸)

ڈھول اُئی یہ آنکھیں کیسے، ڈھونڈیں نقشِ قدم،
ڈھول آنکھوں سے دھوئے میرے، کون ایسا ہمدم؟

(۹)

آنکھیں آری جام کی ہیں اب، مجھ اندھی کے ساتھ،
ان آنکھوں سے دیکھوں گی میں، ونڈر کے پیڑ اور پات۔

(۱۰)

آنکھیں آری جام کی ہیں اب، مجھ اندھی کے سنگ،
آنکھوں کے یہ ڈھنگ، دکھلائیں یار کی پیشانی۔

(۱۱)

سچے دل سے صدائیں دے اور، سچے دل سے، چل،
سچی آگ میں جل، اور دل سے بہا تو آنسو۔

وائی

میرے درد کے درماں، لوٹ کے آجا ساجن پیارے!
مان لو سکھیو! پریتم نے، درد دیا پنہاں،
بابل کا گھر چھوٹا مجھ سے، اب میں جاؤں کہاں،
سکھ روٹھے اب دکھ ہی دکھ ہے، درد ہی اب درماں،
شہر بھنبھور کے لوگ سکھی ری!، بنائیں کیا کیا بتیاں،

کہے لطیف کوی اے سکھیو! تن من دھواں دھواں۔

متفرقہ ابیات

①

جگا کے پریت کا درد سکھی! اب، کہاں گیا کو ہیار،
من میں ایسا عشق جگایا، جینا ہے دشوار،
پل بھر نہیں قرار، رس رس کر دکھتے ہیں گھاؤ۔

②

انگ تھکن سے چور ہیں میرے، دکھے ہے جسم تمام،
ایسا یار نے درد دیا ہے، پل بھر نہیں آرام،
مانگیں وہ آلام، جن سے دنیا بھاگے،

③

دردِ دل نے صدا لگائی، ہو گیا دل صد چاک،
دامنِ دل میں لیا وہ ساجن، کرے جو دھو کر پاک۔

④

پہن لے بھیس بھکارن کا اور، چھوڑ دے سارے کاج،
کہے لطیف کہ تج دے ساری، سئی جھوٹی لاج،
پائے گی تو سر تاج، بھٹک بھٹک کر دشت و جبل میں۔

۵

صدا سنی جو سسئی نے وہ، نہیں نیند کی لوری،
چلے نہ کوئی بنا بلائے، راہ کٹھن ہے گوری!

۶

دیکھو کہ اغیار، دے گئے درد سسئی کو
ہجر کا یہ آزار، دے گئے وہ بیچاری کو۔

۷

یہ نہیں ایسی نار جو جھجکے، دیکھ کے پربت ویراں،
"کھاہوڑی" کی صورت وہ تو، بھٹکے دشت و بیاباں۔

۸

جلتی دھوپ میں جلتی رہ اور، کر نہ تو آرام،
ان کا دور وطن ہے، پریت کا، ڈال گئے جو دام،
ڈھونڈ لے اب ہر گام، اپنے ہوت پنہل کو۔

۹

شہر بھنبھور میں کون ہے میرا، شہر ہوا انجان،
دیور تھے پہلے سے بدظن، گئے نکال کے جان،
کہے لطیف کہ جام تو آجا، پربت ہیں ویران،
آجا اب اسی آن، مری ہوں میں تو راہوں میں۔

(۱۰)

گھیر گئے بیچاری کو، کیا کیا وہم و گمان،
چھوڑ نہ دینا برھن کو ہے، اعلیٰ تیری شان،
توڑ کے اب تو سارے بندھن، چلتی رہ ہر آن،
یہ راہیں ویران، کریں گی تجھ کو کندن۔

وائی۔۱

سنگ سجن کے برھن، کرے گی من کی بتیاں سکھیو!
تڑپ کے آئیں دوار پہ تیرے، باندھا پریت کا بندھن،
بھٹک بھٹک کر راہوں میں اب، دے گی جان یہ برھن،
دشت نے خودداری بسرائی، رہا نہ زعم اے ساجن!
چھن جائے نہ پریت کی دولت، یہ ہے بچاری نردھن،
نیارے کردے بھاگ اے سائیں، جاؤں میں یار کے آنگن۔

وائی۔۲

مجھے نہ کوئی روکے، میں جاؤں گی پیا کے پاس،
شہر بھنبھور کے بندھن توڑوں، شہر نہ آیا راس،
درشن کارن جتن کرے اور، جائے پیا کے پیاس،
کون ہے شہر بھنبھور میں میرا، درد کی لی میراث،

مت پھسلا کر روکو سکھیو!، من میں ملن کی پیاس،
پیا ملن کو جاؤں گی میں، تھام کے اونٹ کی راس،
مجھے نہ روکو جاؤں گی میں، یار سجن کے پاس،
کہے لطیف کہ ہوت ملا ہے، پوری ہو گئی آس۔

وائی۔ ۳

ہانک کے اپنے اونٹوں کو تم، دور دیس مت جاؤ،
میری منت مان لو ساجن!
تم ہی میری شرم و حیا ہو، میری لاج نبھاؤ،
تم بن میرا کون سہارا، مجھ کو چھوڑ نہ جاؤ،
آ کر شہر بھنبھور میں ساجن، اپنے اونٹ جھکاؤ،
پاپن اور ابھاگن ہوں میں، مجھ کو دلہن بناؤ،
بن ٹھن آج بنی ہوں دلہن، شہنائی بجواؤ،
عریاں انگ ہیں جن سکھیوں کے، ان کو خوب سجاؤ،
آنکھیں درشن پیاسی ہیں اب، درشن یار دکھاؤ،
مسکائے یہ دکھیارن گر، آنگن میرے آؤ،
ہم بھی حال سنائیں دل کا، تم بھی حال سناؤ،
روکو میرے ہوت پنہل کو، دولہا اسے بناؤ،
باراتی ہیں ہوت پنہل کے، خوشبوؤں میں بساؤ،

سہرا باندھ کے آیا ہے وہ، دلہنیا کو لاؤ،
کہے لطیف کہ سارے مل کر، گُن بجنا کے گاؤ۔

وائی۔۴

بتلا کیچ کے قاصد! بیے دیکھوں شہرِ یار،
میں نہ محل دو محلوں والی، انجانے کہسار،
بانبھن بنوں گی تیری ساجن، تج کر ھار سنگھار،
بانبھن گھر کی ناری ہوں میں، پڑھیں جو ورق ہزار،
رات ڈھلی تو چھوڑ گیا اب، ڈھونڈوں وہ دلدار،
آدھی رات کو لاد گئے تُو، ڈھونڈ اب اے نار!
چلی ہے اب تو ان کو پانے، گئے وہ رات سدھار،
یہیں کہیں سے گذرے ہوں گے، بھٹکوں جن کے کار،
چل تو ہوت پنہل کی جانب، اپنا آپ نکھار،
آگ میں جھونک دے چرخہ اپنا، چل تو سوئے یار،
کس کارن ہوں جنگل بن میں، نین میں نیر کی دھار۔

وائی۔۵

کیسا رشتہ ناتا، میرا ہوت بلوچوں سے،
تنہا ہوں میں حب میں، کون یہاں ہے میرا،

تنہائی اور دور سفر ہے، پاس نہیں ہے ناقہ،
مشکل راہیں پربت کی اور، انجانا ہر رستہ،
پب کے بن میں گونج اُٹھا ہے، اب تو ہجر کا نالہ،
تیری خوشبو سے مہکے گا، برھن کا یہ سراپا،
دور نہ ہو نظروں سے یارب!، ہائے یار کسی کا،
وصل اس کا ہر دم ہو میسر، دور نہ جائے پیارا،
کر نہ عقل کی باتیں مجھ سے، آگ میں جھونکوں چرخہ۔

وائی۔٦

کوئی پیامی آئے، شاید یار پنہل کا،
آدھی رات کو اُٹھ کر برھن، پربت ڈھونڈنے جائے،
جیسے ساون بدرا برسے، پل پل نیر بہائے،

وائی۔٧

دینا مجھے دعائیں جب تم، کاتو اُجلے تار اے سکھیو!
سب نے باندھا رختِ سفر اور، چلنے کو تیار،
دیکھ مسافر خانہ ہے جگ، سارے گئے سدھار،
یاد کریں گے سب احمدؐ کو، ہوگا جب اندھکار،
ہوگا تب کیا کہنے کو جب، جائیں گے دوجے پار،

ناقص پر بھی نور کی بارش، ہو گی آخر کار،
ایک خدا اور احمدؐ برحق، کروں میں یہ گفتار۔

وائی۔۸

کبھی نہ لب پر لاؤں گی میں، اپنے پی کی شکایت،
پریت سے کھنچ کر آئے نہ پریتم، کروں گی اب میں منت،
کون پیا سے لاڈ کرے گی، کس کی ہے یہ ہمت،
کوئی نہ خالی دامن جائے، سب پہ تری رحمت،
کیا کیا منگتے دوار پہ آئے، سب نے پائی دولت۔

وائی۔۹

چھپی تھی کوئی بات، میرے یار کے من میں،
جو جان گیا جگ سارا،
تیری پریت کو جان گیا جگ، لے اب یار کی باٹ،
کون کہے کہ مار گئے ہیں، پربت کے آفات،
یار کی راہ میں چلتے چلتے، کبھی نہ کھائی مات،
کیا وہ تھک کر بیٹھ گئی تھی، قاصد! بتلا بات۔

وائی۔ ۱۰

سمجھی منزل پائی دیکھے، وندر کے جب اشجار،
جن کو اک دو گام تو سمجھی، دور ہیں وہ کہسار،
میل نہ تھا گر من میں پھر کیوں، آئے وہ کوہیار،
یہ ہی سوچ کے آئے تھے کہ، دیں بر ھَن کو مار،
دشت کی راہ گذر کو وہ ہی، جانتے تھے اسوار،
وندر بن میں بھید چھپا ہے، بتلائیں کب یار،
آن کے ڈالوں ناقوں کو میں، موتی جڑی مہار،
کہے لطیف کہ اونٹ جھکائے، اونچے جاں کہسار۔

سُر معذوری

سُر معذوری

پہلی داستان

(۱)

وہ ہی راہ میں تھک کر بیٹھیں، جن کی پریت ہو خام،
پتھر کو بھی ریشم جانیں، جن کو درد مدام،
سکھیاں پریت نہ کرنا جانیں، لیں کیوں پریت کا نام،
زخمی جسم تمام، نوچینگے سگ کوچہ یار کے۔

(۲)

کوچہ یار کے سگ نوچیں گر، سسئی! تیرا ماس،
سمجھ کہ تو نے عزت پائی، پریت آئی ہے راس،

(۳)

پالے ہیں جو ہوت پنہل نے، گر وہ سگ غرائیں،
جان کہ مر کر یار ملے گا، ہوں گی دور بلائیں۔

(۴)

کوچۂ یار کا سگ لپکا تو، چونک اُٹھی وہ نار،
جسم سمیٹ کے جب وہ لپکا، آنکھیں تھیں انگار،
سگ یہ وفا شعار، مٹا گیا سب خوف۔

(۵)

ہم ہیں کہاں شکاری اے سگ!، اور کہاں ہم چور،
ہم کو کیوں دہلاتا ہے تو، مچا مچا کے شور،

(۶)

دیکھ تو کوچۂ یار کے سگ ہیں، کیسے وفا شعار،
پہلے بھونکیں پھر پہچانیں، اپنے اور اغیار۔

(۷)

غیر کے ہاتھوں قتل نہ کروا، خود ہی خنجر تھام،
اپنے دستِ نازک سے ہی، کردے کام تمام۔

(۸)

نفس تو سگ کی صورت پل کر، مانگے ہے مردار،
ہم نے قابو میں رکھا تو، ہوگیا وفا شعار۔

(۹)

جگ تو ہے مردار کی صورت، طالبِ دنیا سگ،
سالک خونِ جگر مانگیں اور، سگ مانگے یہ جگ۔

(۱۰)

سونگھ کے نقشِ پا پہچانیں، وہ مالک کا یار،
حکم اسی کا مانیں جو ہے، ان کا پالن ھار،
بھولے سے بھی یار!، اِن پر وہ نہ بھونکیں۔

(۱۱)

حکمِ مالک سے ہی لپکیں، سگانِ کوچۂ یار،
دیکھ تو کیسے اعلیٰ سگ ہیں، کیسے وفا شعار،
ان کو مت دھتکار، اِن کو مالک آکساتا ہے۔

(۱۲)

بے شک حملہ آور ہوں اس، وشت کے وحشی حیواں،
میرا کیا یہ کرلیں گے میرا، ہوت پنہل ہے نگہباں،
سب کو ہے معلوم کہ مجھ پر، یار کا سایہ داماں،
کرتے سب یہ حیراں، گر قربِ یار نہ حاصل ہوتا۔

(۱۳)

تیری نسبت سے ہی میری، ہوگئی مشکل آساں،
تیرا دامن تھام کے سائیں!، پار کیئے ہیں بیاباں،
تو ہے کیچ کا مالک تیرا، سب پر سایہ داماں،
میں کم ذات، پریشاں، میری نسبت ہے تجھ آقا سے۔

(۱۴)

تیرے نام کی نسبت سے میرا، جگ میں ہوا ہے نام،
یوں تو "بانھن" ذات تھی میری، لیکن تھی گمنام،
ہوا ہے سندھ میں نام، تیرے نام سے ہی اے سائیں!

وائی

پی کی کر مِدحت، مدح کی ریت لطیف نہ جانے،
دکھ بھی اس کی دین ہی جانو، یہ بھی اِس کی صفت،
حزن ہوت پنہل کا سکھیو! راحت ہی راحت،
ہجرِ یار سے من پاتا ہے، اَن جانی فرحت،
پڑھ پڑھ جھوموں، جھوم جھوم لوں، میں درسِ اُلفت۔

دوسری داستان

(۱)

دکھیاروں کا غصہ کیا اور، بھوکے کیا مسکائیں،
جن کے انگ ہوں عریاں وہ کیا، اپنا آپ سجائیں۔

(۲)

وہ عریانی اچھی جس سے، بھولیں ہار سنگھار،
عریاں ہو کر آؤ سب کہ، رہے نہ نیند خمار۔

(۳)

عریاں ہو کر آؤ سب اور، چھوڑ دو ملبوسات،
وہ ہی یار کو پائے گی جو، کچھ نہ لے گی ساتھ۔

(۴)

عریاں ہو کر آؤ سب کہ، بھولو حرص و ہوا،
نین میں ہو نیند تو پھر کب، ملتا ہے وہ پیا۔

(۵)

جس نے کچھ نہ ساتھ لیا بس، اس نے پایا یار،
بن ٹھن کر جو بیٹھ گئی وہ، پائے کب دلدار۔

(۶)

اس کو کیسے وصل ہو حاصل، کرے جو ہار سنگھار،
اس کا حشر ہو "لیلا" جیسا، جس کو ہار سے پیار۔

(۷)

ہونے کے اسباب سے سکھیو، دور ہے سہنا یار،
کچھ بھی اپنے سنگ نہ لیں جو، وہ پائیں دلدار۔

(۸)

اپنے نفس پہ خنجر "لا" سے، کر تو وار، یہ وار،
کوئی رہے نہ خواہش باقی، اپنا آپ بسار،
سارا بوجھ اُتار، تو ہلکی ہو کر منزل پائے۔

(۹)

بوجھ بنا "ہاڑے" سے گذریں، ہو جا تو تیار،
جن کے سنگ ہو خودداری وہ، کبھی نہ پائیں یار۔

(۱۰)

بوجھ بنا ھاڑے سے گذریں، بھول جا تو سج دھج،
کچھ بھی سنگ نہ لے اے سجنی!، خودداری کو تج۔

(۱۱)

بوجھ بنا ھاڑے سے گذریں، دوجی ہو گئیں چور،
جو نہ سنگ لیں خودداری وہ، پہنچیں پی کے حضور۔

(۱۲)

بوجھ بنا ھاڑے سے گذریں، بوجھ تو تھا جنجال،
کہے لطیف کہ پریت بنا وہاں، جانا یار محال۔

(۱۳)

کہیں نہیں آرام اسے جو، بھاری بھر کم نار،
پریت بنا کب دھن دولت سے، پہنچے گی اس پار۔

وائی

سجنی! چل ہر حال، یار ملے گا تو ہے،
کل تھی مہندی خوب رچائی، دلہن بنی تھی لال،

مہندی رچے پیروں میں چھالے، آج لہو میں لال،
دشت و جبل میں کر فریادیں، چاہے گر تو وصال،
قافلہ آیا کیچ سے لایا، لاد کے اونٹ پہ مال،
آڑے، تیکھے، ترچھے پربت، چڑھنا جن پہ محال،
پوچھ جبل میں قاصد سے تو، ساجن کے احوال،
کہے لطیف کہ اک دن ہوگا، اپنے پی کا وصال۔

تیسری داستان

①

"ھاڑے" اور چلی جب میں تو، کوسوں تھے کہسار،
کیا کیا راہ میں دکھڑے جھیلے، سنگ نہ تھا کوہیار،
پربت روند کے میں نے ڈھونڈی، ہر اک راہ گذار،
یہ بھی اپنی قسمت ہے کہ، تیری رہ لی یار،
تیری ہے آدھار، مجھ سے یہاں رہا نہ جائے۔

②

کانپ اُٹھی وہ راہوں میں جب، یاد کیے اعمال،
ہانک کے لے گئے اونٹوں کو میں، پیادہ انگ نڈھال،
کہے لطیف کہ بن ناقے کے، جانا وہاں محال،
آگے دشت وبال، مجھ سے یہاں رہا نہ جائے۔

(۳)

ھاڑے اور چلی ہوں اب تو، راہ میں دوں گی جان،
کہے لطیف کہ انگ تھکے اور، ہوگئی میں ہلکان،
کرے گا مہر سبحان، مجھ سے یہاں رہا نہ جائے۔

(۴)

ھاڑے اور چلی ہوں سائیں!، رہ میں بھٹک نہ جاؤں،
چل چل کران سنگ ریزوں پر، چھلنی میرے پاؤں،
یار کا درشن پاؤں، مجھ سے یہاں رہا نہ جائے۔

(۵)

چلے گئے وہ محرم کس سے، کہوں میں حالِ دل،
کہے لطیف کہ لاج کی ماری، دشت میں ہے گھائل،
کس جا ہے منزل، مجھ سے یہاں رہا نہ جائے۔

(۶)

کاش سمیٹیں اپنا سایہ، پربت اور اشجار،
نیناں! روکوں آنسو تو میں، دیکھو نقشِ یار۔

(۷)

دکھیارن کو راہ بجھاؤ، پربت کے اشجار!
کس سُو یار کا ناقہ گذرا، کونسی راہ گذار،
روندوں یہ کہسار، تو شاید نکلے راہ ملن کی۔

(۸)

دکھیاروں کو راہ بجھاؤ، راہوں کے اشجار!
یوں مت مجھ کو بھٹکاؤ تم، راہیں ہیں دشوار،
مجھ دکھیا کو دکھلاؤ تم، سیدھی راہ گذار،
ملوا دو وہ یار، جُھلس نہ جاؤ آہوں سے۔

(۹)

دکھیاروں کو راہ بجھاؤ، راہوں کے اشجار!،
آئے گا الزام کہ بن میں، بھٹکا دی اک نار،
اُترے بیراگن کے تن میں، دشت کے سنگ و خار،
پیڑ یہ کانٹے دار، کرتی ہوں فریاد میں اب تو۔

(۱۰)

لاکھ چبھیں راہوں میں کانٹے، اور نکیلے خار،
ننگے پیر ہی جاؤں گی اب، میں تو سوئے یار،
اِس ساجن کے کار، میں سہہ لوں گی راہ کے دکھڑے۔

(۱۱)

جن کو پیر ہوں پیارے وہ ہی، پہنیں گی پاپوش،
سنگ و خار کا کب سوچیں وہ، جنہیں نہ اپنا ہوش۔

وائی

یار کا من میں تیر چبھا ہے، چبھن یہ من کو بھائے،
تھامی اونٹ مہاریں جس دم، ڈھلے تھے شام کے سائے،
سج کر سیج پلنگ پر سوئی، صبح کو دکھڑے پائے،
رہ میں سنی آواز پنہل کی، وہ ہی راہ دکھائے،
یار کے کارن بھٹکوں تو دل، عجب سرور سا پائے،
"گنجے" پاس پہنچ کر میں نے، دعا کو ہاتھ اُٹھائے،
سیج کو چھوڑ کے دشت میں بھٹکوں، پریت یہ دن دکھلائے،
اونٹوں کی آواز سنوں میں، بیٹھی کان لگائے،
شاید راہ میں تھام لے آکر، کرم وہ یوں فرمائے،
جس کے کارن بن بن بھٹکی، ملن کو شاید آئے،
میا! ساجن انگنا آئے، من میرا مسکائے۔

چوتھی داستان

(۱)

مر کر جی، تو پائے گی تو، یار کا حسن و جمال،
ہوگا تبھی وصال، یہ بات لگا لے دل سے۔

(۲)

موت سے پہلے مر جائے تو، حسن پہ آئے نکھار،
جب تک جان میں جان ہے تب تک، چل تو سُوئے یار۔

(۴)

موت سے آئے نکھار اے سسئی!، ہستی تو ہے حجاب،

ہمت کر تو کھلے گا آخر، موت سے وصل کا باب۔

(۵)

مر کر حاصل کر سندرتا، جینے سے کیا حاصل،

مر کر ہی پائے گی سسئی!، یار کے وصل کی منزل۔

(۶)

موت سے پہلے ہی مر جا اب، جینے سے کیا حاصل،

راہ میں جاں سے گذر گئے جو، ان میں ہو جا شامل۔

(۷)

مرے جو موت سے پہلے، وہ ہیں سدا حیات،

جیتے جی ہی امر ہوئے، مر کر ہوئی نہ مات۔

(۸)

زندہ تھے جو حیات سے پہلے، سدا رہیں گے حیات،

مرے جو اپنی موت سے پہلے، ان کو ہی ہے حیات۔

(۹)

دل میں ہوس ہو جینے کی تو، مشکل راہ کے سنگ،

موت! مجھے اب راہ دکھا تو، چلوں میں تیرے سنگ۔

(۱۰)

جیون نار ہے ہرجائی سی، جس کے بہت ہیں یار،
موت! چلوں میں سنگ تیرے تو، لے جا اب اس پار۔

(۱۱)

جنم لیا تو ناتا توڑا، عدم سے تو نے نار!
داغ لگایا اُلفت کو اور، بچھڑ گیا کو ہیار۔

(۱۲)

یوں تو عشقِ یار میں سُلگے، پر مرنا نہ جانے،
"موتوا" کے رمز اشارے، سسئی کب پہچانے۔

وائی

اونٹوں کی آواز، اک بار سنوں اے ساجن!
میرے پاپ اگر وہ بخشیں، ملے موہے اعزاز،
مہندی پھوٹی، اونٹ چراؤں، سن لے عرض نیاز۔

پانچویں داستان

(۱)

رینگ تو گھٹنوں ہاتھوں کے بل، پیار بھرا ہو دل،
اپنے آری جام پنہل سے، تیرا عشق ہو کامل،
جیون بھر اے غافل!، "جام" سا اور نہ جان۔

(۲)

رینگ تو گھٹنوں ہاتھوں سے اور، چل تو سر کے بل،
ہر حالت میں رہے اے سسئی! تیری پریت اٹل،
یار کی پریت ہی بنے سہارا، ملن کو من بیکل،
دیکھے لاکھ پنہل، پر جام سا اور نہ جان۔

(۳)

رینگ تو گھٹنوں ہاتھوں کے بل، چل تو پنج کے سر،
اُس بن اور نہ کوئی وسیلہ، اس بن اور نہ یاور،
اس سا اور نہ دلبر، جام سا اور نہ جان۔

(۴)

رینگ تو گھٹنوں ہاتھوں کے بل، سنبھل کے رکھ تو قدم
تیز ترک تم قدم بڑھاؤ، چلو نہ یوں تھم تھم،
لاکھ بھی ہوں ہمدم، جام سا اور نہ جان۔

(۵)

رینگ تو گھٹنوں ہاتھوں کے بل، جب تک جان میں جان،
تجھ سے ہوت ملے گا "حب" میں، رہبر ہے جو مہمان،
جام سا اور نہ جان، آخر دم تک سسئی!

(۶)

وہ تو سُوئے یار رواں ہے، کوئی بھی ہو موسم،

پہنچی جب "ونکار" میں سسئی، رہا نہ تب دم خم،
پوچھا ہر اک پنچھی سے کہ، کہاں ہے وہ بالم،
شجر شجر نے راہ دکھائی، جہاں تھا وہ پریتم،
من جائے ہمدم، اور شاید لوٹ کے آئے۔

(۷)

چاہے تیز تو چال چلے اور، چاہے چلے تھم تھم،
وہ ہی ہو کر رہے گا آخر، لوح پہ ہے جو رقم۔

(۸)

وہ ہی ہو کر رہے گا آخر، جو تیرا مقدور،
جو بھی پریتم چاہیں گے وہ، پورا ہو گا ضرور۔

(۹)

جتنے قسمت میں لکھے ہیں، بتائیں گے اتنے پل،
آج کا دن یاں بیت گیا اب، کہاں پہ ہو گی کل۔

(۱۰)

جھلس کے راکھ ہوئی تھی رہ میں، اس کے ہی کارن،
چھوڑ کے سارے حیلے سائیں!، چلی وہ دکھیارن،
کیسی وہ برھن، بھٹکی دشت و جبل میں۔

(۱۱)

جان کے لاکھ اُٹھائے دُکھڑے، بھٹکی وہ رنجور،
جھلس کے راکھ ہوئی تھی رہ میں، انگ تھکن سے چور،

یہ ہی تھا مقدور، کہ بھٹکے دشت و جبل میں۔

(۱۲)

سفر دور نہیں تھا لیکن، سنتا کون پکار،
کرتی میں فریاد تو پگلی، کہتا سب سنسار۔

(۱۳)

پگلی پگلی کہیں اگر، سارے ہی اغیار،
یہ الزام بھی سر آنکھوں پر، سنے وہ میری پکار۔

(۱۴)

کہیں اگر کہ پگلی ہوں میں، مجھ کو کیا پروا،
جان دوں اس کے قدموں پر، میرا جو ہے پیا۔

وائی

تھک کر بیٹھ نہ جا، ڈھونڈنے سے یار ملے گا،
جگ کی باتوں پر اے سسئی!، تو نہ کان لگا،
بات وہ ہی انمول ہے سجنی!، کر گئے ہیں جو پیا،
ریشم سے تھے پائے نازک، تپتا تھا صحرا،
مجھ دکھیارن پر اے سائیں!، کرم تو اب فرما،
"جت" زور آور طعنہ دے کر، مجھ کو مار گیا،
مر جاؤں تو اپنے ہاتھوں، دفنانا اے پیا!

چھٹی داستان

(۱)

لاکھ مجھے دیدار سے روکیں، دیکھوں روئے یار،
جب تک دیکھ نہ پاؤں سجن کو، تب تک کہاں قرار،
بھول گئی میں وعدۂ فردا، اب مانگو دیدار،
کل تک کہاں قرار، ہجر و وصل ہے تیرے ہاتھ میں۔

(۲)

بھول گئی میں وعدۂ فردا، اب مانگو دیدار،
یوں مت ترسا برھن کو اب، درس دکھا جا یار،
یا تو جان سے مار، یا پھر وصل ہو سائیں!

(۳)

وصلِ یار ہو حاصل یا پھر، ہو جاؤں نابود،
آج جو میرے آنگن آئے، کروں میں یار سجود،
مٹ جائے یہ وجود، یا پھر درس دکھا جا۔

(۴)

وصلِ یار ہو حاصل یا پھر، آجائے اب موت،
میرا پنہل ہوت، اک بار دکھا دے سائیں!

⑤

آدھی کچی آدھی پکی، ہوں میں پریت میں تیری،
ایسی آگ جلا کہ جل کر، بنوں میں راکھ کی ڈھیری۔

⑥

بھول جا ھار سنگھار اے سسئی!، تج دے سیج سہاگ،
مل جائیں گے نقشِ پا بھی، چھان لے دشت کی خاک۔

⑦

دل میں سجا کے دکھڑے، جا تو ان کے آنگن،
تجھ کو دیں گے درشن، جو یار کی راہ دکھائیں۔

⑧

قدم قدم پر اشک بہائے، ہائے وہ دکھیارن،
جلی یوں کب برھن، کہ ہوجاتی وہ امر۔

⑨

ھار سنگھار سے آگے ہے، منزلِ وصلِ یار،
باندی بن کر ہوت پنہل کی، روندے یہ کہسار،
پل بھر کا دیدار، غیر کے قرب مدام سے بہتر۔

⑩

ہوت پنہل کا درشن ہی ہے، تیرا ھار سنگھار،
غیر کے قربِ مدام سے افضل، پل بھر کا دیدار۔

(۱۱)

کب رُکتا ہے وقت اے سسئی!، تیز بڑھا تو قدم،
جی تو ہوت پنہل کے کارن، راہ کے سہہ تو ستم،
منزل سب کی عدم، کر تو یار پہ جان فدا۔

(۱۲)

وسعتِ دشت میں گونج اُٹھی ہے، کس کی یہ فریاد،
چاک ہوا ہے دشت کا سینہ، رویا دل ناشاد،
ذی روح سب روتے ہیں ہر سُو، یار پنہل کے بعد،
ہجر میں جو برباد، یہ ان کی آہ و بکا ہے۔

(۱۳)

دشت میں گونجی دکھیاروں کی، آہ و بکا ہر سُو،
دیکھ کہ اس کی موت پہ روئے، دشت کے سب آہو،
بہتے ہیں آنسو، جو بھی دشت سے گذریں۔

(۱۴)

دشت میں گونجی دکھیاروں کی، کیسی آہ و بکا،
تیرِ نظر اب مار کے مجھ کو، چھوڑ گیا وہ پیا،
جس کو قتل کیا، اِس کی ہے آغوش میں پریتم۔

(۱۵)

دیکھ کے اس دکھیا کو روئے، پربت اور اشجار،
مرنے پر مائل ہے جو بھی، دیکھے دکھیا نار۔

(۱۶)

ایسے رو کر دیتی تھی وہ، قاصد کو پیغام،
سن کر اس کی باتیں قاصد، روتے تھے ہر گام۔

(۱۷)

آری سے جوں پیڑ کو کاٹیں، درد کی تھی یوں کاٹ،
یار کا درد سہارا تھا اور، مشکل تھی ہر باٹ،
اس کے دکھ آفات، دیکھ کے روتے تھے سب رہرو۔

(۱۸)

نالۂ نَے کی لَے میں وہ بھی، کرتی تھی فریاد،
نَے کی صورت اپنے شجر کو، کرتی تھی وہ یاد۔

(۱۹)

ہر موسم ہے قحط کا موسم، چاہے میگھ ملہار،
تو آئے تو انگنا آئے، ملن کا موسم یار!

(۲۰)

جان نہ قحط کا موسم تیرا، ساجن میگھ ملہار،
لائے سنگ بہار، سسئی! سدا وہ ساجن،

وائی

لالن آ دفنا، لاش میری پربت میں،
مہکا مہکا ساجن پیارا، میلا تن میرا،
جہاں جہاں سے گذرا ساجن، مہک گئی وہ جا،
کامل سائیں! تو ہی آکر، میرا روگ مٹا،
آریانی اے یار پنہل تو، پل بھر یہاں بتا،
کہے لطیف کہ پربت میں تو، سر کا کر سودا۔

ساتویں داستان

(۱)

اب تک یار سے مل نہیں پائی، بیت گئے کئی دن،
عبث وہ بیتیں راتیں اور جو، دن بیتے گن گن۔

(۲)

اب تک یار سے مل نہیں پائی، ہجر کے ہیں ایام،
یار کو دیکھوں پھر ڈھل جائے، یہ جیون کی شام۔

(۳)

اب تک یار سے مل نہیں پائی، اے سورج مت ڈھل،
ساجن سے سب کہنا تو یہ، کہے جو من بیکل،
میرے ہوت پنہل! میں مری ہوں دشت کے ویرانوں میں

(۴)

اب تک یار سے مل نہیں پائی، نکل گئی اب جان،
جان بلب ہوں پھر بھی تیرے، ملن کا ہے ارمان،
نکلیں تب یہ پران، جب دیکھوں ہوت پنہل کو۔

(۵)

اب تک یار سے مل نہیں پائی، بیتی عمر تمام،
بیٹھے بیٹھے وقت گنوایا، ہجر کے ہیں آلام،
ہوگئی اب تو شام، یار کی اور جمی ہیں آنکھیں۔

(۶)

اب تک یار سے مل نہیں پائی، بیت گیا جوبن،
کیا کیا راہ میں مشکل آئی، کیا کیا راہ کٹھن،
دیکھ عمریا بیت چلی اور، لمبی راہ، تھکن،
بیتا یوں جیون، اب لب پر آہ بکا ہے۔

(۷)

اب تک یار سے مل نہیں پائی، آج کا دن بھی بیتا،
ہجرِ یار ہے سولی سکھیو!، عشق نے مار دیا،
تیرا نام پیا، لے کر مری ہوں رہ میں۔

(۸)

اب تک یار سے مل نہیں پائی، آیا عزرائیل،
موت بڑی ہی زور آور ہے، اب کیا قال و قیل،
وصل کی موت دلیل، میری آس ہوئی ہے پوری۔

(۹)

اب تک یار سے مل نہیں پائی، آخر آئی موت،
راہیں تکتے برسوں بیتے، پر نہ آیا "ہوت"،
ہوگئی آخر فوت، سسئی یار کے ہجر میں۔

(۱۰)

اب تک یار سے مل نہیں پائی، ہجر ہے یومِ قیام،
جان نہیں ہے جسم میں سکھیو! نینن نیند حرام،
ڈال کے درد کا دام، چلا گیا ہے ہوت پنہل۔

(۱۱)

ڈھونڈھتے بن کی ٹہنی ٹہنی، منڈلائے کرگس،
چڑھی تھی ہجر کی سولی پر اور، چلتا تھا نہ بس،
دشت میں تھی بے بس، اب کھائیں گے کرگس ماس۔

(۱۲)

ڈھونڈے بن کی ٹہنی ٹہنی، اُڑتی دھول غبار،
ہجر کا یہ آزار، کیسے دور ہو ساجن!

(۱۳)

ڈھونڈیں بن کی ٹہنی ٹہنی، اونچے یہ اشجار،
کتنے مجھ پہ احساں ہیں، اشجار کے برگ و بار۔

(۱۴)

جوں طاؤس پھلانگیں ڈاری، وہ ڈھونڈے ہر ڈار،
ریشم سے وہ پائے نازک، ڈاری ڈاری خار۔

(۱۵)

ڈھونڈے بن کی ڈاری ڈاری، دیکھ تو اُس کا زور،
کون تھا شہر بھنبھور میں اس کا، چلی وہ یار کی اور،
ڈھونڈے من کا مور، جس کی گونج تھی صحراؤں میں۔

(۱۶)

ڈھونڈے بن کی ڈاری ڈاری، ڈھونڈے نزد و دور،
آپ کا درد حضور!، گونج رہا ہے صحراؤں میں۔

(۱۷)

دور سے آئی گونج، بہت ہی دور ہے یار!
مشکل سے کوئی نار، آتی ہے یوں پربت میں۔

(۱۸)

صدا یوں گونجی صحرا میں جوں، کوئل کی آواز،
صدا کا سوز گداز، گونج رہا ہے عشق۔

(۱۹)

صدا یوں گونجی صحرا میں جوں، طوطے کی چہکار،
عشق کی ہے یہ پکار، یہ ہے نعرہ نیہہ کا۔

(۲۰)

صدا یوں گونجی صحرا میں کہ، جیسے روئے نار،
عشق کی ہے یہ پکار، جس سے صحرا گونج رہا ہے۔

(۲۱)

صدا یوں گونجی صحرا میں جوں، کرلاتی ہے کونج،
یہ ہے عشق کی گونج، اُمڈا عشق کا دریا۔

(۲۲)

صدا یوں گونجی صحرا میں جوں، سارنگی کی تان،
عشق کی ہے یہ شان، جگ سمجھا کوئی روئی نار۔

وائی

میں یار پنہل پہ واری، پیچھی کب ہیں میت کسی کے،
سن یار پنہل رے میرے، میں تیرے عشق کی ماری،
بھٹکے جو بن بن میں، کیوں اس کی یاد بساری،
ڈھونڈھوں پربت پربت، میں بھٹکوں ماری ماری۔

سُردیسی

سُر دیسی

پہلی داستان

(۱)

مت جا مر جاؤں گی ساجن!، اونٹ کی موڑ مہار،
اس برہن کے آنگن میں تو، قدم تو دھر اکبار،
ہجر کا ہر دن یار، یومِ قیامت جانوں۔

(۲)

یہ ناقے، یہ دیور پربت، دیئے ہیں سب نے دکھ،
تیرے ملن کی آس میں، میں نے، ہر دکھ جانا سکھ۔

(۳)

یہ ناقے، یہ دیور، پربت، سب نے ڈھائے ستم،
ڈھونڈھوں ہوت کے نقشِ پا اور، رکھوں میں تیز قدم،
راہ کے رنج و الم، قسمت کا ہی کھیل ہے سارا۔

④

دور ہے آریانی اے ناقے!، ابھی سے مت تو کراہ،
جُھکا کے ہر اک ٹہنی کو تو، چرتا ہے سب راہ،
سب کچھ تجھے مباح، تجھ کو کیا الزام دے کوئی۔

⑤

اَن جانے اَن دیکھے ناقے، آئے جو تیرے آنگن،
تھام کے باگیں ناقوں کی تو، روکتی ان کو برہن!
اپنی زلف کی زنجیروں سے، باندھتی ایسے بندھن،
لے جاتے نہ ساجن، کبھی بھی تیرے دیور سسئی!

⑥

اَن جانے اَن دیکھے ناقے، لائے تھے جو اسوار،
باندھتی بندھن ناقوں کو اور، رہتی تو ہشیار،
چھوڑ نہ جاتا یار، اور دور فراق نہ آتا۔

⑦

اَن جانے، اَن دیکھے ناقے، تم نے دیکھے جب،
باندھتی بندھن ناقوں کو اور، روکتی ان کو تب،
سہتی ہے دکھ اب، خودداری دکھلا کر۔

⑧

اَن جانے، اَن دیکھے ناقے، آئے جو تیرے آنگن،

اپنی زلف کی زنجیروں سے، باندھتی ایسے بندھن،
دشت کی راہ کٹھن، پھر کیوں دیکھنا پڑتی۔

(۹)

اونٹ کے بدلے بیلوں پہ گر، آتے وہ اسوار،
رہ جاتے کچھ نقشِ پا اور، مل جاتے آثار،
سن کر آہٹ بیلوں کی میں، ہو جاتی بیدار،
لے بھی جاتے ہوت تو میں بھی، پہنچتی آخر کار،
پہنچ نہ پائی، تیز تھی ایسی، ناقوں کی رفتار،
ناقے اور اسوار، دکھا دے مولا پربت میں۔

(۱۰)

جب ڈالیں پالان تو ناقے، دکھلاتے ہیں جوش،
جانے کیا تھا ناقوں کو کہ، اس دن تھے خاموش،
ہائے رے صد افسوس، وہ بھی شامل تھے سازش میں۔

(۱۱)

برا تھا چاہا غیروں نے گر، بری نہ ہوتی قسمت،
اونٹوں اور اسواروں کی اب، کیا میں کروں شکایت،
یہ تھا امر مشیت، اس میں بھلا کیا مجھ کو چارہ۔

(۱۲)

پریتم اپنے دیس کا ہو گیا، پردیسی سے پیار،

دو دن رہ کر اپنے دیس کو، وہ تو جائے سدھار،
بن اپنے کو ہیار، اب کیا شہر بھنبھور میں رہنا۔

(۱۳)

روزِ ازل سے غیر تھے دیور، غیر ہی مجھ کو جانا،
میل تھا اُن کے من میں لیکن، میں نے بچھائے نیناں،
آنگن تھا سب ویراں، صبح جو اُٹھ کے دیکھا۔

(۱۴)

میں ہوں ان ناقوں کی ماری، ان کو لے جا دور،
اور کہیں لے جاکر ان پر، ڈالو پلان حضور!
کر گئے یہ مہجور، اور لے گئے ہوت پنہل کو۔

(۱۵)

جیئیں سدا یہ جت، جو جی کر ڈھائیں ستم،
تجھ بن میرا کون سہارا، اور سے کیا نسبت،
تجھ سے مری اُلفت، کبھی بھی ٹوٹ نہ پائے۔

(۱۶)

اب پوچھے ان ناقوں کا جو، آئے تھے تیرے دوار،
کیسی ان کی سج دھج تھی اور، ریشم کی تھی مہار،
جڑی ہوئیں نکیلیں تھیں اور، جگمگ کرتے ھار،
عشق لگا کر نار!، کیسے پھر تو چین سے سوئی۔

(۱۷)

آئے ہیں یا پھر آئیں گے، اس کا رہے خیال،
تیرے ہوت کو لے جائیں گے، ہو گا ہجر وبال،
جائیں گے ہر حال، اور لے جائیں گے ہوت پنہل کو۔

(۱۸)

جت تواب بھی بسے ہیں دل میں، گو پردیس سدھارے،
کیسی سندر چال تھی ان کی، کان میں جگمگ بالے،
پربت اور یہ کشالے، ناقے گئے خاموشی سے۔

(۱۹)

پریت کی اگنی جلائی جت نے، میں تو تھی انجان،
خود تو جا آرام سے بیٹھے، درد مجھے ہر آن۔

(۲۰)

ہوتا گر معلوم مجھے تب، پریت کا یہ انجام،
کیوں پھر ان سے پریت لگا کر، دیکھتی دکھ آلام۔

(۲۱)

آئے جو تھے اس بار، وہ پہلے کب آئے تھے،
میں نے روکا رُکے نہ دیور، چلنے کو تیار،
بل کھاتی گم ہوتی راہیں، ڈگر ڈگر دشوار،
تو ہی آکر اس برہن کو، راہ دکھا کوہیار!

میں ہوں نربل نار، پہنچ اے یار تو "پب" میں۔

(۲۲)

سکھیو! کبھی نہیں سمجھا تھا ان، جتوں نے مجھ کو اپنا،
بچپن سے ہی بانہہ میں ڈالا، میں نے ہوت کا کنگنا،
دے کر مجھ کو طعنہ، وہ لے گئے میرے ہوت بلوچ کو۔

(۲۳)

چلے ہیں میرے ہوت کو لے کر، ناقے اور اسوار،
ٹھوکر کہیں نہ کھائیں رہ میں، راہیں ہیں دشوار،
گئے وہ پب کے پار، لے کر میرے ہوت بلوچ کو۔

(۲۴)

اُڑے نہ راہ میں دھول، پڑے نہ ہوت پنہل پر،
میرے یار سجن کا ناقہ، دھوپ میں ہو نہ ملول،
عشق کا کب یہ اصول، کہ ہوت مجھے تم چھوڑ چلے۔

(۲۵)

دھوپ لگے نہ ناقوں کو اور، چلے نہ دشت میں لُو،
کمہلائے نہ راہ میں میرا، ہوت پنہل مہرو،
میرا یار ہے تو، ورنہ جت بہت ہیں جگ میں۔

(۲۶)

سوانگ رچا کر دیور آئے، کر گئے مجھے نراس،

پتا پتا مہک رہا ہے، یار کی ہے بو باس،
جیواں کھائیں ماس، تو پنجر پہنچے پاس پنہل کے۔

(۲۷)

ایک تو بیری ناقے، دوجے، دیور اور اسوار،
دشت کی لُو بھی بیرن جس نے، مٹائے سب آثار،
سورج بھی ہے بیری جو بھی، ڈوبا آخر کار،
دشت و جبل بھی بیری جن کی، راہیں ہیں دشوار،
چندا بھی ہے بیری جو نہ، اُبھرا اب کی بار،
بھٹک رہی تھی نار، جب آن چھپے پیڑوں میں پنچھی۔

وائی

ناقے اور دیور، ان کا کیچ نگر، پریت نہ کوئی لگائے،
جب سوئی تو لاد چلے وہ، اپنے اونٹ سجائے،
خالی سیج کو دیکھ دیکھ کر، نینن نیر بہائے،
آج وہ لے گئے میرا ساجن، کل تھے دیور آئے،
لب پر تھی مسکان مگر تھے، من میں میل چھپائے،
سکھیو شاہ لطیف کہے میرا، ساجن انگنا آئے۔

چوتھی داستان

(۱)

لے گئے میرے پریتم کو وہ، ظالم دیور جام،
دیا تھا آن کے ہوت پنہل کو، آری کا پیغام،
سب نے ایسی کی تھی سازش، ڈالا تھا اک دام،
دھوکے سے وہ لے گئے سکھیو!، ہوت میرا "وریام"،
ظلم کیے ہر گام، جت تو محشر برپا کر گئے۔

(۲)

لے گئے میرے ہوت پنہل کو، دکھا گئے وہ زور،
ویراں ہے بھنبھور، برپا کر گئے محشر سکھیو!

(۳)

لے گئے میرے ہوت پنہل کو، ہائے رے ظالم دیور،
برپا ہے اک محشر، گویا یومِ قیامت ہے۔

(۴)

لے گئے میرے ہوت پنہل کو، میرے ظالم دیور،
چرخہ کات نہ پاؤں سکھیو، بن اپنے اس دلبر،
برپا کر گئے محشر، چھوڑ گئے مجھ دھوبن کو۔

(۵)

لے گئے میرے ہوت پنہل کو، جت تھے ایسے جابر،

چھن جائے جب پریتم تو پھر، کیسے ہو کوئی صابر۔

(٦)

جن کی ریش گھنی اور کالی، لے گئے میرا یار،
روندونگی یہ ویراں پربت، یہ اونچے کہسار،
راہیں ہیں دشوار، پر میں تو جتن کروں گی۔

(٧)

کب سمجھی کہ لے جائیں گے، ہوت کو آدھی رات،
ڈھایا قہر اس برھن پر، جت زور آور ذات۔

(٨)

شام ہوئی تو بھولے سے بھی، آیا نہ یہ خیال،
صبح ہوئی تو ویرانی تھی، حال سے تھی بے حال۔

(٩)

شام کو کوئی فکر نہ کی اور، صبح کو تھی ویرانی،
آدھی رات کو دیکھے کوئی، میری اشک فشانی،
جت وہ دشمن جانی، مجھ کو مار گئے ہیں میّا!

(١٠)

شام کو کوئی فکر نہ تھی اور، صبح کو تھے آلام،
میرے نینن نیند بھری تھی، چلے گئے وہ جام
دے کر درد مدام، چلے وہ آدھی رات کو۔

(۱۱)

اُٹھ کر آدھی رات کو سارے، چلے وہ کیچ کی اور،
باندھا درد کا بندھن تھا اور، باندھی پریت کی ڈور۔

(۱۲)

لِلّٰہ! میرے انگنا آجا، ساجن پل دو پل،
ہر جا ہر صورت میں تیری، باندی ہوں سہنل،
میرے اوگن عیب چھپائے، کاش کہ وہ نرمل،
میرے ہوت پنہل، لے جا اس دھوبن کو سنگ۔

(۱۳)

دھوبی کے گھر پلی ہوں لیکن، ذات میری باتھبن،
مار گیا اس برھن کو، تیرا حسن سجن،
جب تک ہے جیون، تب تک ملن کی آس ہے سائیں!

(۱۴)

ہم ہیں ذات کے دھوبی اور ہیں، پنہل کے خدمتگار،
ہوت سراپا مہک ہے لیکن، ہم ہیں بدبودار،
کرے نہ ظاہر یار!، کوئی کسی کے عیب کبھی۔

(۱۵)

دھوبی کے گھر پل کر سکھیو، میں نے عمر گنوائی،
اس کارن سب درد سہا اور، پایا درد جدائی،

ہوت سے پریت لگائی، قسمت کا یہ کھیل تھا سارا۔

(۱۶)

کہے جو باندی کو بھی بیبی، میں تو ہوں وہ نار،
بنا تھا دھوبی ہوت پنہل بھی، مجھ برھن کے کار۔

(۱۷)

دھوتا تھا وہ گھاٹ پہ کپڑے، پریت میں پنہل جام،
آری جام نے بھیجا تھا تب، ہوت کو یہ پیغام،
یہ نہیں تیرا کام، کہ گھاٹ پہ کپڑے دھوئے۔

(۱۸)

کیچ بھنبھور میں کون ہے اس کا، کوئی نہ رشتہ ناتا،
ہوت کو کیا پروا برھن کی، اس کا تڑپے جیرا،
کب ہے کوئی پاتا، حلم بنا اس ہوت پنہل کو۔

(۱۹)

کوئی نہیں ہے جگ میں میرا، کوئی نہیں غم خوار،
وہ بھی تیرے سنگ ہیں جن کو، دیتے ہیں دھتکار،
میں بھی تو ان جیسی ہوں تو، سن میری سرکار،
کہے لطیف کہ پائی منزل، اس نے آخر کار،
پہنچی وہ نادار، تیرے کرم سے سائیں!

وائی

لے جا مت یہ ناقے مجھ سے، ہوئی ہے کون سی بھول،
لِللّٰہ موڑ مہار اے سائیں!، کر لے عرض قبول،
رہ جائے جو رات یہاں تو، خوشیوں کا ہو نزول،
جس سے پریت کا ناتا جوڑا، اس کو کر نہ ملول،
اللہ کارن آن کے سائیں!، دکھا دے چہرہ پھول،
جھکا کے ٹہنی اونٹ چرا لے، ھرے ہیں پیڑ ببول،
کہے لطیف کہ انگنا آجا، کر لے عرض قبول۔

پانچویں داستان

(۱)

جیسے آہو بوئے مشک سے، دشت میں سرگرداں،
مرغِ ھما جوں فضا میں بھٹکے، نظروں سے ہو نہاں،
یوں پربت ویراں، بھٹک رہی ہے برہن۔

(۲)

آہوئے دشت جو دیکھے سمجھی، یار کے ناقے آئے،
دیکھ تو پریت نے کیسے کیسے، اس کو بھید بتائے،
درد ہی راہ دکھائے، چلی تھی انجانی راہوں پر۔

(۳)

"حب"، میں یار کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے، دیکھے دشت کے آہو،
چھوڑ گیا ہے پریتم پھر بھی، اسی کو ڈھونڈے ہر سو،
بھول نہ جانا اب تو، اے دل! ہوت بلوچ کو۔

(۴)

ملیں گے راہ میں وحشی حیواں، دشت بڑا ہی ویراں،
تیری آہ و بکا سے سسئی!، گونجے گا یہ بیاباں،
جن سے لاگے نیناں، وہ مولا! اب تو ملا دے۔

(۵)

زادِ راہ جو ساتھ نہ لیں ہے، ہوت انہی کا حامی،
آئے گا اس دشت و جبل میں، جھومتا میرا جانی،
ملے گا وہ آریانی، کہوں گی دل کے دکھڑے۔

(۶)

دیکھے نقش جو ناقوں کے تو، مسکائی وہ برھن،
آساں ہو گئی ویرانوں کی، ہر اک راہ کٹھن،
جن کے من میں پریت ہو وہ تو، سمجھیں صحرا گلشن،
من میں ہو جو لگن، تو حب میں ہوت ملے گا،

(۷)

گھبرائیں شہزور جہاں واں، پہنچی نربل نار،

دشت و جبل دشوار، عشق تو آساں جانے۔

⑧

خاک ہوں وہ کہسار، جو عشق کے آڑے آئیں،
پربت لاکھ ہزار، عشق میں میں روندونگی۔

⑨

راہِ یار میں آڑے آئے، یہ اونچ کہسار،
"برفت" اور "بروہی" لے گئے، میرا وہ کوہیار،
روتی ہوں اے یار!، کہ دیکھوں تیری صورت۔

⑩

راہِ عشق میں کیسے کیسے، دشت ہیں اور کہسار،
ہاتھ اُٹھا کر روتی ہوں کہ، مل جائے وہ یار،
لے گئے وہ کوہیار، جبھی تو بھٹک رہی ہوں۔

⑪

"کارو" "کابھو" جبل کو جانوں، جیسے کالے بادل،
اے دل! "پب" کو چھوڑ کے پیچھے، کیچ کی اور تو چل،
بیٹھ نہ یاں اک پل، تجھے تو چلنا ہے ہر حال۔

⑫

جھک کر بادل پربت سے تو، کرے ہے بوس و کنار،
یہ سنگلاخ زمیں، بل کھاتی، ہر اک راہ گزار،

ویراں دشت اور سخت سفر ہے، میں ہوں نربل نار،
راہیں ہیں دشوار، راہ دکھاوے سہنل سائیں!

وائی

تڑپے مورا من، میں پاس پیا کے جاؤں گی،
لب پر باتیں کیچ سفر کی، رہیں گے کب اس آنگن،
من میں ملن کی آس ہے مولا!، دکھاوے یار کا درشن،
دشت وجبل کے رنج والم سب، یار ہیں تیرے کارن،
وصل کا تو نے عہد کیا تھا، پورا کر اب ساجن،
پریت کی ایسی اگن جلائی، سلگے ہے تن من،
کام کریم کرے گا پورے، گھبرائے کیوں برھن،
کہے لطیف کہ آس بندھی ہے، کرے گا یاد وہ ساجن۔

چھٹی داستان

(۱)

جس جا آڑے ترچھے پتھر، مشکل ہے ہر گام،
پیار سے دی ہیں صدائیں ساجن، لے کر تیرا نام،
سنی صدائیں ساجن نے اب، سسئی دل کو تھام!
آہیں تیرا کام، سننا کام ہے ہوت بلوچ کا۔

(۲)

جس جا آڑے ترچھے پتھر، قدم اُٹھانا مشکل،
چلا ہے کیچ کی اور سکھی ری!، تیرے یار کا محمل،
جس جا تیز نکیلے پتھر، پاؤں گئے میرے چھل،
پورے کر گئے اے دل!، دیور اپنی بات۔

(۳)

جس جا آڑے ترچھے پتھر، مشکل ہے ہر راہ،
بل کھاتی یہ وندر کی راہیں، کریں یار! تباہ،
تو ہی اب اللہ!، پہنچا ھاڑے کے اس پار۔

(۴)

آڑے ترچھے پتھر ہیں اور، راہوں کے یہ بل،
جس کے من میں پریت ہو وہ ہی، بھٹکے دشت وجبل،
پہنچے پار یہ نربل، کہے لطیف کہ تیرے کرم سے۔

(۵)

جس جا آڑے ترچھے پتھر، راہیں ہیبت ناک،
لے گئے ناقے ہوت بلوچ کو، دے گئے درد فراق،
ہوت پوتر پاک!، آجا اب تو اللہ کارن۔

(۶)

جس جا آڑے ترچھے پتھر، بَل کھاتی یہ راہیں،

دل میں آتشِ عشق ہے سکھیو! لب پر ٹھنڈی آہیں،
ناقوں کو وہ سجائیں، اور خوب کریں تیاری۔

(۷)

پربت کی ہر اونچی چوٹی، جیسے فیل مست،
تیشہ پاس نہیں جو کاٹوں، کوہ بلند و پست،
دل میں جو پیوست، وہ تیر نہ نکلے دل سے۔

(۸)

مشکل پربت، دور سفر اور، دشت و جبل ویران،
کیا کیا سیانے بھٹک گئے اور، حیراں ہوئے جوان،
کہے لطیف کہ پیار بسا کر، پار کیا میدان،
مہر کرے اس آن، تو پھر کیا ڈر ان راہوں کا۔

(۹)

جنگل، پربت، دور سفر اور، ہائے یہ ریت کے ٹیلے،
آڑے ترچھے پربت ہیں اب، کروں یہاں کیا حیلے،
جس نے دکھڑے جھیلے، پہنچا اس کو کیچ میں سائیں!

(۱۰)

مشکل پربت، دور سفر اور، کیا کیا ہیں کہسار،
ناقے جب اور انگیں پربت، کریں وہ چیخ و پکار،
وہ کیوں روئیں جنہوں نے دیکھے، نقشِ پائے یار،

جندڑی سے ہی یار!، جُوے ہیں سارے رشتے ناتے۔

(۱۱)

مشکل پربت، دور سفر اور، مشکل ہر اونچائی،
کہے لطیف کہ رہ میں کیسے، جیواں ہیں صحرائی،
راہ میں جو گھبرائی، اس کی تو آدھار ہے سائیں!

(۱۲)

مشکل پربت راہیں سخت، کراہ کے گذریں ناقے،
ان کی وندر میں راہ تکے وہ، جن سے پیت کے ناتے،
جو رستے میں رہ گئے ان کو، راہ دکھا کوہیارے!
تو آدھار ہے پیارے!۔ جن کا کوئی نہ جگ میں۔

(۱۳)

مشکل پریت، سخت سفر ہے، اور جُھلستا صحرا،
اُلٹی سمت نہ تیتر بولے، جہاں سے گذرے پیارا،
گھر کر برسی بدرا، جب جام نے جنم لیا تھا۔

(۱۴)

مشکل پربت، دور سفر اور، راہ میں باد و باراں،
"ھاڑا" ہیبت ناک ہے آگے، وشت جبل ہے ویراں،
تو ہی حال کا پرساں، جہاں پہ اندھیارا ہے سائیں!

(۱۵)

دل میں پیار سجا کر سوئی، آنکھ جھپک نہ پائی،

جن کے پیار میں نیند اُڑی وہ، آئے تو نندیا آئی،

سو کر میں پچھتائی، پریت کریں تو پھر کیا سونا۔

(۱۶)

تاریکی میں جھلمل موتی، میرا وہ کوہیارا،

روزِ محشر یار بنا واں، ہو گا کون سہارا،

کرے گا یاد وہ پیارا، دے گا مجھے صدائیں۔

وائی۔۱

میں جاؤں گی کوئے یار، دیکھوں گی دلدار،

میں کیسے بن اس یار جیوں گی،

اتنے دکھڑے سہہ کر یاں اب، رہنا ہے دشوار،

سارے شہر بھنبھور میں میرا، کوئی نہیں غم خوار،

میرے جام پنھل کے ساتھی، چلے گئے اس پار،

کہیں تو رات بتا کر سکھیو، ڈھونڈوں میں کوہیار۔

وائی۔ ۲

بھٹکوں دشت و جبل، میں اپنے ہوت کے کارن،

اپنے ساجن کو میں ڈھونڈوں، ڈھونڈوں بن جنگل،
اب تو شہر بھنبھور میں سکھیو!، رہوں نہ میں اک پل،
مجھ میں اوگن عیب تھے ایسے، چھوڑ گیا پنہل،
سکھیو! شاہ لطیف کہے کہ، چل تو کیچ کو چل،

ساتویں داستان

(۱)

یار پنہل نے ڈالا سکھیو! ایسا پریت کا پیچ،
شہر بھنبھور کے رشتے ناتے، ہوگئے سارے ہیچ،
یوں نہ کہو کہ کیچ نگر کی، راہیں ہیں پر پیچ،
جس کا دیس ہے کیچ، اس سے جاں اٹکی ہے۔

(۲)

سجا کے تب کیوں ناقوں کو وہ، لائے تھے اسوار،
بالا پوش پہ جڑے تھے "ٹنور"، چھم چھم کی جھنکار،
خوب نچا کر ناقوں کو وہ، لے گئے پربت پار،
تجھ بن اس بانبھن کا جگ میں، اور نہیں ہے سھار،
موڑ کے یار مہار، تو شاید لوٹ کے آئے۔

(۳)

دیکھ تو دکھیارن پر کیا کیا، اس نے ڈھائے ستم،

ناوکِ عشق چبھا ہے دل میں، تڑپوں میں ہر دم،
حال کے ہیں محرم، اب تو جیوان صحراؤں کے۔

④

ایسا کوئی سبب بنا کہ، بے بس ہو گئی برھن،
کیسے دشت کے پار میں پہنچوں، بن تیرے اے ساجن!
تھام کے تیرا دامن، میں گذروں ہیبت ناک جبل سے۔

⑤

ایسا کوئی سبب بنا کہ، بے بس تھی بے چاری،
کیسے سیدھی راہ ملے گی، تجھ بن میرے آری!
میں دکھڑوں کی ماری!، مجھ کو راہ دکھا دے۔

⑥

کبھی تو اپنی مہر سے سائیں!، بھیج کوئی پیغام،
تیرے ہجر نے اس برھن کا، کیا ہے کام تمام،
بے جاں میرے انگ ہوئے اور، نینن نیند حرام،
راہ کے ہیں آلام، تو چین سے وندر میں بیٹھا ہے۔

⑦

خوشبوؤں سے مہک اُٹھا تھا، سارا شہر بھنبھور،
کھڑے سر بازار تھے کیچی، ان میں تھا چیت چور
لایا تھا اس اور، ناقے لاد کے خوشبوؤں سے۔

(۸)

آئی لپٹیں خوشبوؤں کی، مہکی دھرتی ساری،
مہکا شہر کا کوچہ کوچہ، خوشبوئیں تھیں نیاری،
مہکی ہر اک ناری، اور مسکائیں سب باندیاں۔

(۹)

آئی جب مہکار، ہر جا ہوت پنہل کی،
کر کے ھار سنگھار، بنی دلہن ہر باندی۔

(۱۰)

آئی جب مہکار، سکھیو!، ہوت پنہل کی،
میرے یار پنہل کی خوشبو، دینے لگے اشجار،
آیا کیچ سے یار، میری آس ہوئی ہے پوری۔

(۱۱)

شہر بھنبھور میں ڈیرے ڈالے، چلے گئے وہ ہمدم،
ویراں ان کے آسن ہیں اور، ٹپک رہی ہے شبنم،
دے کر درد و الم، ناوکِ عشق چبھویا۔

وائی۔۱

پھوٹ رہا ہے پیار، رگ رگ سے اُس ساجن کا،
نین نیند بھری تھی، لاد گئے اسوار،
تجھ کو دل کا حال سناؤں، تیری یاد ہے یار،

تجھ بن کیسا جینا ساجن، جیون ہے آزار،
تیری یاد میں تڑپے جیڑا، آجا تو اکبار،
وہ ہی راہ لوں جہاں سے گذری، اونٹوں کی وہ قطار،
کیا کیا تیر چبھے ہیں من میں، تیری پریت کے یار!
کاگا ماس بھی چننے آئے، دیکھ کے حالتِ زار،
میں تنہا اور لاوارث ہوں، دے تو دلاسہ یار۔

وائی۔ ۲

مار رہا ہے موہے، تیرا دردِ فراق،
اُس کا درد ہی مار رہا ہے، جس کا من مشتاق،
انگ انگ ہے چور تھکن سے، دشت ہیں ہیبت ناک۔

وائی۔ ۳

جو پربت کے پار گئے ہیں، میں اُن کی پریت کی ماری،
یار کو لے گئے ساتھ جو میں ان، ناتوں کی بلہاری،
پربت میں فریاد کروں اب، میں دکھیا بے چاری،
دھوبن بن کر پلی ہوں لیکن، میں ہوں بھانبھن ناری۔

وائی۔ ۴

میں ہوں تیری باندی، چھوڑ نہ مجھ کو جانی،
ساجن کا اس جگ میں، اور نہ کوئی ثانی،
کروں میں اس کی سیوا، بات سجن نے مانی،
تیری باندی بن کر، بھر بھر لاؤں پانی،
اس کو چھوڑ نہ تنہا، جو باندی ہے جانی!
شاہ لطیف کہے کہ، آئے گا وہ آریانی۔

سُر کوہیاری

سُر کوہیاری

پہلی داستان

(۱)

کب جاگی تو یار کے کارن، سو کر رات گذاری،
جلدی چل تو یار کی جانب، سُستی چھوڑ اے ناری!
جب تیرے مہمان تھے دیور، کرتی شب بیداری،
نیند تھی تجھ کو پیاری، جبھی تو بھٹک رہی ہے۔

(۲)

پل بھر بھی تو جاگ نہ پائی، سوئی ساری رات،
پوچھا تب اسواروں کا جب، رات ڈھلی پر بھات،
ڈھونڈ تو اب ہر باٹ، تو شاید ان کی مہر ہو حاصل۔

(۳)

پل کو بھی تو جاگ نہ پائی، ایسی سوئی غافل!
تب جاگی جب ہوت پنہل کا، دور سدھارا محمل،
ڈھونڈ تو منزل منزل، تو مہر سے شاید ہوت ملے۔

(۴)

تجھ سے اچھے ناقے تھے جو، سوئے نہیں پل بھر،
تو سوئی وہ لپک کے اُٹھے، شب بھر تھے مضطر،
ڈھونڈ وہ راہ گذر، جہاں سے ناقے گذرے ہیں۔

(۵)

اب تو چھوڑ دے سستی تونے، سوکر رات بِتائی،
ناقے منزل اور چلے اب، کر جادہ پیمائی،
نیند تھی تجھ کو بھائی، بھٹک تو اب بن جنگل میں۔

(۶)

شام سے ہی وہ تان کے سوئیں، ذرا نہ لیں جو کروٹ،
آدھی رات کو سن نہ پائیں، ناقوں کی وہ آہٹ،
پائیں نہ یار کی چاہت، جن کو نیند ہے پیاری۔

(۷)

بری تھی میری قسمت کہ میں، سوئی سجا کے خواب،
کس کی خاطر شہر بھنبھور میں، رہے یہ دل بیتاب،

دے کر ہجر عذاب، چلے گئے اسوار۔

(۸)

جو بھی پیر پسار کے سوئیں، سسئی! ساری رات،
اُن سے بچھڑے ساجن سائیں، چھوٹے یار کا ساتھ۔

(۹)

شام سے پیر پسار کے سوئی، خود پر کیا ستم،
آہٹ ہی سن پاتی شاید، ہوتی نیند جو کم کم،
اصل میں آری جام کی، سسئی! تو تھی نامحرم،
ہوت تھا جب ہمدم، پھر کیسے تو سو پائی تھی۔

(۱۰)

پیر پسار کے سو جائیں جو، ان کی پریت ہے خام،
کیوں نہ تڑپی ہوت کی خاطر، کی نہ نیند حرام،
جو بھی سو کر رات بتائیں، اِن کو دکھ آلام،
لیں کیوں یار کا نام، جو شام سے ہی سو جائیں۔

(۱۱)

شام ڈھلی تو تان کے سوئی، خوب کیا آرام،
چاروں اور ہی جاسوسوں نے، بچھا رکھے تھے دام،
خود کو دے الزام، کہ غفلت سے وہ یار گنوایا۔

(۱۲)

شام ڈھلی تو تان کے سوئی، خوب کیا آرام،
جاگ کے رات بِتاتی سسئی!، کرتی نیند حرام،
اب نہ دے الزام، سسئی!، ان اسواروں کو۔

(۱۳)

تو بھی ان کی مانند سوئی، جن کی پریت ہو خام،
اسی لیے وہ یار گنوایا، دکھ ہے اب ہر گام،
کیا تھا کیوں آرام، جب بنی تھی اِس کی باندی۔

وائی

بھاگ پہ کس کا زور، چھوڑ چلی بھنبھور، دوش نہ دو ساجن کو،
میں کیا جانوں ھار سنگھار، چھوڑ گیا چت چور،
جیسی بھی ہوں ساجن کی ہوں، جاؤں سجن کی اور،
جس بھی پیڑ کی چھاؤں میں بیٹھے، میرے من کا مور،
اس کی ٹہنی ٹہنی چوموں، جہاں تھا وہ چت چور،
یوں ہی قسمت میں لکھا تھا، چھوٹے شہر بھنبھور،
تیرے کرم سے مل جائے وہ، میرے من کا مور۔

دوسری داستان

(۱)

ظلم نہ ڈھا اے ظالم پربت!، میں برھن بیچاری،
تن کو تو یوں کاٹ رہا ہے، کاٹتی ہے جوں آری،
قسمت کی ہوں ماری، ورنہ کیوں میں دشت میں بھٹکوں۔

(۲)

تیرے ظلم سناؤں گی جب، ملے گا وہ ہمدم،
رات کو دیو کی مانند ہے تو، دن میں پیچ و خم،
مِٹائے نقشِ قدم، تونے میرے ہوت پنہل کے۔

(۳)

کچھ تو بتا اے پربت!کیا وہ، یہاں سے گذرا یار؟
تونے جاتی دیکھی تھی کیا، اُونٹوں کی وہ قطار؟
دیکھا تھا کوہیار، جو مجھ سے بچھڑ گیا ہے۔

(۴)

کچھ تو بتا اے پربت!کیا وہ یہاں سے گذرا یار؟
تیرے پاس سے گذری تھی کیا، اونٹوں کی وہ قطار؟
ایسی کروں میں پکار، کہ سن کر لوٹ کے آئے ہوت۔

(۵)

ہوگا تیرا شکوہ جب وہ، ملیں گے میرے پیارے،

چھلنی پیروں کے تلوے ہیں، اور پڑے ہیں چھالے،
تجھ کو ان پر رحم نہ آیا، ہجر کے ہیں جو مارے،
سن فریاد "کوہیارے"! پربت مجھ کو مار رہا ہے۔

(۶)

پربت! ظلم نہ ڈھا کہ میں نے، بڑے سہے ہیں دکھ،
دکھ ہی دکھ اس دل نے پائے، یاد نہیں کوئی سکھ۔

(۷)

اُن کی ڈھیر بندھاتے ہیں کہ، جن کا من دکھیارا،
ان سے پیار سے بولا جائے، جن سے بچھڑے پیارا،
جن کا کوئی نہ چارہ، تو اُن کے پیر نہ چھلنی کر۔

(۸)

تجھ کو دل کی بات بتا کر، کیسی کی نادانی،
دل کے درد کو اور بڑھایا، کہہ کر درد کہانی۔

(۹)

اے پربت! آ دونوں روئیں، کریں اب آہ و بکا،
ایک ہی یار ملا تھا جگ میں، وہ بھی بچھڑ گیا،
کس سے کروں گلہ، قسمت کا یہ کھیل ہے سارا۔

(۱۰)

پربت! تجھ کو حال سنانے، آتے ہیں دکھیارے،

تو ہی ان کی دھیر بندھا دے، جو ہیں ہجر کے مارے۔

(۱۱)

پریت کے ماروں کی اے پربت!، سدا ہیں آنکھیں نم،
روندیں دشت بیاباں اور یہ، جبل ہے زیرِ قدم،
مارے ہجر کا غم، ہجر میں ہی اب جاں نکلے گی۔

(۱۲)

تجھ جیسے پربت پر میں تو، خود کو دوں گی وار،
بیٹھ کے تیرے سائے میں ہی، ستایا تھا یار۔

(۱۳)

پربت اور برھن نے مل کر، جب کی تھی فریاد،
سب ذی روح آزردہ تھے اور، دل سب کے ناشاد۔

(۱۴)

ارض کی میخیں پربت ہیں اور، اُن کی میخ ہے یار،
اور کہاں ہے جگ میں سکھیو، اُس جیسا کوہیار۔

(۱۵)

پربت اور وہ برھن مل کر، روئے تھے اکبار،
کہیں نہ دل کی بات کسی سے، ایسا اُن کا پیار۔

(۱۶)

آج بھی باہم مل کر روئے، پربت اور ہجر کی ماری،

من میں ایسی ہوک اُٹھے کہ، چلتی ہو جوں آری۔

(۱۷)

کیسے تنہا ڈھونڈے کوئی، کوہ و دشت و بیاباں،
کیسے میرے سنگ چلیں گی، میری یہ سب سکھیاں،
باندی حال پریشاں، کر گئی پار جبل کو۔

(۱۸)

دکھیاروں کا کیا کرلے گا، اے پربت تو تپ کر،
میرے انگ ہیں فولادی گر، سخت ہیں تیرے پتھر،
میرا ہجر مقدر، دوش نہیں ہے اور کسی کا۔

(۱۹)

جیسے کالے بادل ایسے، لگتے ہیں کہسار،
ان کے سائے میں ڈھونڈے ہیں، نقشِ پائے یار۔

(۲۰)

ڈھونڈھتے ڈھونڈتے تھک کر بیٹھی، سسئی پل دو پل،
ایسی کھوئی خیالوں میں کہ، پہنچی پاس پنہل۔

(۲۱)

ایسی کھوئی خیالوں میں کہ، رہی نہ کوئی کل،
ناقوں نے مارا ہے مجھ کو، لے گئے ہوت پنہل۔

(۲۲)

سارے سکھ کے ساتھی ہیں اور، کوئی نہ دکھ کا یار،
جو ہو دکھ کی ماری وہ ہی، ڈھونڈے گی کوہیار،
تیرا دکھ دلدار!، بنا ہے راہ کا رہبر۔

وائی

جن کی ہوں داسی، وہ تو چھوڑ نہ جائیں،
ساجن کو میں مناؤں، پیر دھروں چنری،
آس لیے بیٹھی ہوں، راہ تکوں تیری،
شہر بھنبھور میں تجھ بن، پل پل ہے بھاری،
کرم کرے کریم تو، پاؤں تجھے آری!

تیسری داستان

(۱)

ان کو روک نہ میا! جن کے، دل میں ہجرِ یار،
بھول گئی ہیں شہر بھنبھور کی، گلیاں برگ و بار،
جن کے دل میں عشق کی آگ ہو بھٹکیں وہ کوہسار،
ہوت میرے کوہیار، چھوڑ نہ مجھ کو دشت و جبل میں۔

(۲)

مجھ کو چھوڑ نہ دشت و جبل میں، ہوت میرے کوہیار،
اللہ کارن لوٹ کے آجا، اونٹ کی موڑ مہار،
بن کر خدمت گار، میں کروں گی تیری سیوا۔

(۳)

مجھ کو چھوڑ نہ دشت و جبل میں، میں برھن کمزور،
چلوں گی تیرے سنگ اے ساجن، چھوڑ کے شہر بھنبھور۔

(۴)

مجھ کو چھوڑ نہ جا اے سائیں!، میں تیری مشتاق،
میں تو خاک ہوئی ہوں سائیں! چھان کے دشت کی خاک

(۵)

مجھ کو چھوڑ نہ ہوت کہ میں نے، تج دی ہے خودداری،
بھول گئی جو خودداری کو، اس کو تھام اے آری!

(۶)

سوتے سوتے چونک اُٹھوں جب، آئے یاد کوہیار،
تیرے عشق کی ناوک سائیں!، گئی جگر کے پار،
جینا ہے دشوار، ایسی عشق کی کھائی چوٹ۔

(۷)

سوتے سوتے چونک اُٹھی جب، آئی پنہل کی یاد،
ناوکِ عشق سے تڑپ رہا ہے، میرا دل ناشاد،

لب پر ہے فریاد، تڑپوں تیر نہ نکلے۔

(۸)

جیسی بھی ہوں تیری ہی میں، باندی ہوں کوہیار!
کیسے تجھ کو ناز دکھائے، یہ برھن دلدار!
تیرا عشق ہے روزِ ازل سے، تیری ہی لی سہار،
کب ہے برابر خاکِ پا کے، یہ دکھیارن نار،
کیسے دوں میں بِسار!، اپنے کیچی جام کو سکھیو!

(۹)

جیسی بھی ہوں تیری ہی میں، باندی ہوں کوہیار!
تیرے نام کے ناتے سے ہی، پہچانے سنسار،
چلی ہوں سوئے یار، وہ چھوڑ گیا ہے موہے۔

(۱۰)

میں تو روزِ ازل سے تیری، باندی ہوں اے یار!
تیرے نام کے بال گتائے، تو میری سرکار،
تو ہی اے دلدار! آن کے پوچھے گا اب پب میں۔

(۱۱)

میں تو روزِ ازل سے تیری، باندی ہوں اے یار!
کیسے تجھ کو بھول سکوں میں، تو میرا دلدار،
آؤں میں تیرے دوار، تو آن کے عزت پاؤں۔

وائی

کریں گے مہر پیا، سنگ مجھے لے جائیں گے،
دشت میں مجھ دکھیارن کو، دیں گے راہ دکھا،
لاتقنطو من رحمت اللہ، پی نے فرمایا،
ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا، کرینگے معاف خطا،
کہے لطیف کہ ایسا ہی ہے، میرا راہ نما۔

چوتھی داستان

(۱)

نہ تو ذکرِ یار ہے کوئی، نہ کچھ خیر خبر،
روند کے سارے کوہ و صحرا، پب سے گئے وہ گذر،
ہجر کا درد دے کر، چھوڑ گئے مجھ برھن کو۔

(۲)

نہ تو خیر و خبر ہے کوئی، نہ کچھ ذکرِ یار،
جانے کب وہ روند گئے ہیں، پربت اور کہسار،
ترے ہجر میں یار!، اب تو نکلے گی یہ جان۔

(۳)

کیسے سہوں جدائی میں اور، آگے چلا نہ جائے،
گر وہ یار ہو پاس تو پھر کیوں، دشت میں کوئی آئے،

صورت یار دکھائے، تو آنکھیں دردِ دل بتلائیں۔

(۴)

دشت میں چل نہ پاؤں میں اور، سہی نہ جائے جدائی،
مولا! ان کی راہ دکھا میں، جن کی ہوئی شیدائی،
اے رھرو! اے پربت! کوئی، کر دے راہ نمائی،
پایا دردِ جدائی، پل بھر کو بس آنکھ لگی تھی۔

(۵)

دشت میں کیسے ڈھونڈوں تجھ کو، دے نہ دردِ جدائی،
رہ جا شہر بھنبھور میں سائیں!، ختم ہو یہ تنہائی،
ہو تیری سودائی!، مار نہ تو اس برھن کو۔

(۶)

جن کے ہجر کی ماری ہوں کیا، دیکھے وہ اسوار،
انگ انگ تو چُور ہے میرا، کہاں ہے وہ کوہیار،
سہنا تھا دشوار، دردِ دل تب لب پر لائی۔

(۷)

جس نے مجھ کو مارا اُس کی، رکھتی ہوں پہچان،
ایسے تیر نظر کے مارے، تن من لہولہان،
تیرے بس میں جان، تجھ بن کون ہے درماں۔

(۸)

جس نے مجھ کو مارا سکھیو!، اُس کو گئی میں جان،
جسم تھکن سے چور ہوا ہے، تن میں کب ہے جان،
درد کا اب درمان، ہوا ہے میرا ساجن۔

(۹)

پرتو یار پنہل کا، چھاؤں کبھی ہے دھوپ،
تیرا قاتل روپ، کاٹ رہا تن من،

(۱۰)

پرتو یار پنہل کا، جلے بجھے ہر گاہ،
نور سا دل میں پھیل گیا اور، دیکھی روشن راہ،
چڑھے گا رنگ اتھاہ، پہلے زنگ اُتاریں گے۔

(۱۱)

پرتو یار پنہل کا، جیسے جھلمل بادل،
روتی ہوں میں پل پل، اس کی راہ میں بیٹھی ہوں۔

(۱۲)

پرتو یار پنہل کا، میرے دل کی راحت،
مرمر کر اب دن بیتیں اور، درد ہی میری صحت،
آری جام کی چاہت، روگ بھی راحت جانوں۔

وائی

ہوت پنہل کو پاؤں، اکبار تو جیون میں سکھیو!

اونچے پربت، یار بنا اب، تھکے ہیں میرے پاؤں،

پہنچا پاس پنہل کے سائیں!، یار کے دوار پہ جاؤں،

ہر دم کروں میں سیوا ساجن، باندی میں کہلاؤں،

مہر سے آن کے دفنائیں گے، راہ میں گر مر جاؤں۔

پانچویں داستان

(۱)

ہوت پنہل بن دکھ ہی دکھ ہیں، دکھ کے ہیں اسباب،

موت ہی اب تو آجائے ماں!، ہجر میں دل بیتاب،

ہجر کا درد عذاب، کیا جانیں یہ سکھیاں۔

(۲)

ہوت پنہل بن دکھ ہی دکھ ہے، دن ہو چاہے رات،

مجھ برھن کو اس پریتم نے، درد کی دی سوغات،

دیکھ کہ تجھ بن کیسی کیسی، آن پڑیں آفات،

غم سے کہاں نجات، دل کو پریت کا روگ لگے تو۔

(۳)

جس کو پریت کا روگ لگے وہ، کیا پائے آرام،

درد سے دل دو نیم ہے سکھیو!، ہجر کے ہیں آلام،
جب سے گیا ہے جام، تب سے ہجر میں تڑپے جیئرا۔

(۴)

تب سے تڑپے جیئرا جب سے، چھوڑ گیا ہے جام،
کوہیارے کِس اور گئے ہیں، جن کا جگ میں نام،
سسئی کے گلفام، کیچ میں جا آرام سے بیٹھے۔

(۵)(۶)

ظاہر کر دوں گر میں ذرا بھی، اپنی آتشِ پنہاں،
پھٹ جائیں یہ دشت دجبل اور، ذی روح ہوں حیراں،
جھلسیں دشت و بیاباں، اور ڈھانپ لے چہرہ سورج۔

(۷)

حب کی اور جو چل نہ پائیں، ملادے اِن کو یار،
مولا! اِن کو کیچ میں پہنچا، جن کے تن بیمار،
ہوت کو تو نہ بِسار، چھوڑ نہ دے تو راہ پنہل کی۔

(۸)

پل پل تیری یاد بھی ہے اور، یاد ہیں اپنے قصور،
مجھ برھن کو چھوڑ نہ دینا، میرے جام حضور!
بھٹکیں جو مہجور، ان کو سیدھی راہ دکھانا۔

⑨

سکھیاں آن کے کہتی ہیں کہ، من سے اسے بسار،
میرا درد کیا سمجھیں گی وہ، اُن کو سکھ سے پیار،
درد مجھے درکار، خوشیاں اِن کو مبارک ہوں۔

⑩

دل کا درد مٹانے کو تو، آجاتی ہیں سکھیاں،
دل میں زخمِ ہجر نہیں ہے، جھوٹ ہے انکا رونا،
یاد کریں کب سیاں، دل سے لب وہ بین کریں۔

⑪

جن کے دل میں درد نہیں وہ، کرتی ہیں کیوں ماتم،
وہ کیا جانیں درد ہجر کا، جھوٹا اِن کا سارا غم،
روٹھے جن سے پریتم، دل سے بین وہ کرتی ہیں۔

وائی

سنگ نہ وہ لے جائیں، پھر بھی اُن کی باندی ہوں میں،
مجھ جیسی کمزور کو کیونکر، ساجن زور دکھائیں،
اپنے دیس میں جاکر ساجن، مجھ کو نہ بسرائیں،
شاید پریت کا امرت دھارا، مجھ کو بھی وہ پلائیں،
کبھی تو ساجن باندی کہہ کر، مجھ کو پاس بُلائیں،

محمل تو نہ روکیں ساجن، قدم یہ چل نہ پائیں،
سکھیو! شاہ لطیف کہے وہ، مجھ سے پریت نبھائیں۔

چھٹی داستان

(۱)

میں کیا جانوں یار کو کیسے، روتے ہیں سب لوگ،
آنسو آہیں، ویراں پربت، دل میں ہجر کا روگ،

(۲)

کیسے اپنے یار کو روؤں، بجھی بجھی ہے آگ،
کیا کیا سنگ و خار ہیں رہ میں، دشت ہے ہیبت ناک،
جو ہیں سینہ چاک، ان کی آہ سے گونجے پربت۔

(۳)

کیسے اپنے یار کو روؤں، عشق کا کیا اظہار،
تن تندور کی صورت دہکے، من میں جوں انگار،
تو ہی بتا کوہیار، کہ کیسے کروں میں ماتم۔

(۴)

کیسے اپنے یار کو روؤں، انجانی ہیں راہیں،
یار کی خاطر ڈال کے گردن، بھرتی ہوں میں آہیں۔

۵

کیسے اپنے یار کو روؤں، انجانی ہے راہ،
پل پل یار کا ماتم ہے اور، پل پل لب پر آہ،
دل میں درد اتھاہ، انجانی راہوں میں بھٹکوں۔

۶

کیسے اپنے یار کو روؤں، کھوٹا میرا پیار،
اور طرح سے روتے ہیں یہ، دشت و جبل کہسار۔

۷

ویرانوں کو گلشن جانیں، یار کے جو سودائی،
جا تو ان کے پاس سکھی! جو، حق کے ہیں شیدائی،
کب دیکھیں یکتائی، پھیر ہو جن کی آنکھوں میں۔

۸

چھوڑ دے اب تو دوئی کو تو، یکتائی کو پائے،
یار بنا گر اور کو دیکھے، یہ نہ یار کو بھائے۔

۹

سیدھی راہ نہ مل پائی تو، دور ہے تجھ سے منزل،
منزل تجھ کو مل جائے وہ، راہ دکھائے گر دل۔

۱۰

لوٹ کے تم مت آنا سکھیو!، دیکھ کے پب کے پربت،

یار کی راہ میں دشت بچھا ہے، اب قالین کی صورت۔

(۱۱)

ھائے یہ بادِ صرصر اور یہ، گرم دہکتا پربت،
جھلس گئے ہیں نیناں کیسی، گرمی کی ہے شدت۔

وائی۔۱

من جائے وہ پیارا، کروں میں آہ و زاری،
میرے یار بجن نے سکھیو!، اونٹوں کو ہنکارا،
ساجن نے یوں ظلم ہے ڈھایا، چھایا ہے اندھیارا،
منت زاری سے من جائے، شاید ساجن پیارا،
برھمن بن کر ہولی کھیلوں، رنگ لوں بھیس میں سارا،
کہے لطیف کہ راہ تکے ہے، میرا من بیچارا۔

وائی۔۲

ساجن مہر کرے، جس کی خاطر بن میں بھٹکوں،
میں تو اس ساجن کی باندی، پگلی دنیا کہے،
سنگ اپنے لے جائے ساجن، ساتھ نہ وہ چھوڑے،
اشکوں سے اب بھیگ چلے ہیں، خون رنگے کپڑے،
آریانی کے عشق میں گھائل، پل پل وہ تڑپے،
عشق کا قہری تیر وہ ساجن، مار گیا موہے،
کہے لطیف کہ نالائق پر، کرم وہ فرما دے۔

سُر حسینی

سُرِ حُسینی

پہلی داستان

(۱)

ٹھر نہ، سورج ڈوب چلا ہے، چھوڑ دے اب تو سُستی،
شفق کھلے آکاش میں جب تو، دیکھے "کیچ" کی بستی۔

(۲)

ٹھہر نہ، سورج ڈوب چلا ہے، کر لے اب ہمت،
جھک آئیں گی سورج شاخیں، اب کیسی غفلت،
ایسی کر عجلت، کہ پہنچے شام سے پہلے۔

(۳)

ٹھہر نہ، سورج ڈوب چلا ہے، تیز بڑھا دے گام،
"ھاڑے" اور چلیں جو اُن کا، چلنا ہی ہے کام۔

④

دور سے دیکھے کالے پربت، سورج ڈوبا شام،
درد ہی زادِ راہ سفر ہے، اُس کا دیکھ خرام،
تیز بڑھاتی گام، چلی ہے وہ "ونکار" کو،

⑤

اے سورج مت ڈوب کے پھیلا، ہر سُو تو اندھیارا،
دیکھوں اس کے نقشِ قدم جو، گذرا یاں سے پیارا۔

⑥

کروں میں کیا اب اے سکھیو! میرا، دور گیا کوہیار،
سورج ڈوب چلے گا اور میں، بھٹکوں گی کہسار۔

⑦

بیٹھے بیٹھے سورج ڈوبا، اُس پربت کے پار،
کیسے اس سنگلاخ زمیں پر، ڈھونڈوں نقشِ یار،
دکھ سے ہوں دوچار، اب تو ویران پربت میں۔

⑧

میرے سنگ چلو نہ سکھیو!، آگے دشت، سراب
دور سفر اور اُڑتی دھول، جہاں نہ قطرۂ آب،
موت کے ہیں اسباب، دعائے بدنہ "ہوت" کو دو۔

(۹)

سورج ڈوبا شام ہوئی یہ، رنگِ شفق، اشجار،
ڈوب کے سورج نے اے میا!، دیا برھن کو مار۔

(۱۰)

پیڑوں سے اب دھوپ ڈھلی اور، کھلے شفق کے رنگ،
وہ کو ہیارا بسا ہے من میں، جس کی من میں امنگ۔

(۱۱)

پتھر پر کب نقشِ قدم ہیں، کیا نہ یہاں پڑاؤ،
آخری بار وہ آئے تھے اور، خوب نبھایا چاؤ۔

(۱۲)

سکھیو! دشت میں مر جاؤں گی، اپنے جت کے کارن،
بھٹکایا اس پربت میں اور، ویراں کر گئے آنگن۔

(۱۳)

جن پر جاں قربان کروں میں، آئے ہیں وہ صحرائی،
دور سے ہی پہچان گئی وہ، چال جو من کو بھائی،
جن کی میں سودائی، وہ آئے ہیں میرے سہارے۔

(۱۴)

سنی ملن کی بات، یا یونہی بھٹک رہی ہے،
تیرے جیسی بھٹک گئیں جو، چلی تھیں یار کی باٹ،

جتوں کی یہ ہیں صفات، کہ ترس انہیں نہ آئے۔

وائی

دیکھتے میرا حال، وہ پربت میں مجھ برھن کا،
ہائے یہ اونچے پربت جن پر، چڑھنا میرا محال،
دیا جہیز میں برہن کو یہ، دشت، جبل، جنجال،
کہتی تھی ہر پیڑ سے سن مجھ، برہن کے احوال،
اس کو گر میں ساتھ لے آئی، جو ہے لعلن لال،
پوجونگی ہر ایک شجر کو، چومونگی ہر ڈال،
شجرِ ذات کو کاٹ دیا اور، جڑ سے دیا نکال،
ایسے زخم کھلے ہیں جیسے، پھول انار کے لال،
پب کے پتھر موتی جانوں، جن کی نہیں مثال،
اس پہ میں قربان جیئے وہ، میرا لعلن لال،
ہوتا گر معلوم مجھے ان، جتوں کے دل کا حال،
یار کے سنگ میں سیج پہ سوتی، گلے میں بانہیں ڈال،
کہے لطیف کہ آس ہے پوری، آیا حسن کمال۔

دوسری داستان

(۱)

ایک تو دھرتی آگ ہے دوجی، من میں پریت اگن،
دونوں اگن میں جل جل کر وہ، ڈھونڈ رہی ہے برہن۔

(۲)

اوپر آگ ہے سورج کی اور، پریت میں من یہ جلے،
پریت جلن کیا جانے میا!، کرتی ہے تو گلے،
گلے لگا تو موہے، تو بتاؤں کیا ہے درد ہجر کا۔

(۳)

نینن سے یوں نیر بہیں کہ، جیسے ساون برکھا،
لیکن دل میں بھڑک رہا ہے، سکھیو! عشق کا شعلہ۔

(۴)

روح سے یار کے نقش مٹیں اور، یار کو گر بسراؤں،
تھل کے پیپہے کی صورت، مجھے کو لگے مر جاؤں۔

(۵)

دشتِ فراق کی راہوں میں، مجھے کو لگے مر جاؤں،
وہ تو کیچ گیا ہے جس کو، دل کا حال سناؤں۔

(۶)

ٹپک رہے ہیں نین سے آنسو، جیسے خون کے قطرے،

مار کے اِس برھن کو اب تم، کیچ کی اور چلے۔

(۷)

چرخہ لے آ میا! تو میں، توڑوں چرخے ڈور،
جس کے کارن چرخہ کاتا، گیا وہ کیچ کی اور۔

(۸)

اب نہ کتوا پونی میا!، میں ہوں اب بے کار،
پونی ڈال دے پانی میں اور، چرخے کو دے وار،
کیچ گیا کوہیار، جس کے کارن چرخہ کاتا۔

(۹)

اب نہ کتوا پونی میا!، میں ہوں اب بے کار،
میرے تن میں جان نہیں تو، ڈھونڈ لے اور کا تار۔

(۱۰)

آگ میں جھونکو چرخہ پونی، آسن اور یہ سکھیاں،
لے گیا جان نکال کے میری، ھائے وہ ساجن سیاں۔

(۱۱)

سب کے کہنے پر جب کاتا، تار نہ مجھ سے نکلا،
ایسے نین سے آنسو ٹپکے، بھیگ چلا ہے تکلا۔

(۱۲)

بھاڑ میں جائے ہوت پنہل اور، میا اس کی پریت

مجھ کو آگئی موت جب دیکھا، میں نے اپنا میت،

(۱۳)

بھاڑ میں جھونکوں ان کی بولی، ہوت اور وہ سارے جت،
مجھ کو تڑپا کر وہ خود تو، چھپے ہیں جا پربت۔

(۱۴)

جوں جوں دھوپ ہو تیز وہ توں توں، تیز بڑھائے گام،
ہوت سے اس کی پریت پرانی، ہوت ہی اس کا جام۔

(۱۵)

توں توں تیز کرے وہ گام، جوں جوں بھیگے رات،
کرے نہ دوجی بات، ہوت پنہل کی بات ہے لب پر۔

(۱۶)

نہ تو یومِ حساب ہی آیا، نہ ہی دھوپ چڑھی،
ہر اک چرخہ کاتنے والی، پربت اور چلی۔

(۱۷)

جب تک جیئے تو جل، جلنے بن کیا حاصل،
ہر حالت میں چل، وقت کہاں آرام کا ہے۔

(۱۸)

ہر حالت میں چل، دھوپ ہو چاہے چھاؤں،
دھوپ گئی گر ڈھل، تو کیسے نقشِ یار ملیں گے۔

وائی

میرا ھار سنگھار، میرا حسن جمال ہے ساجن،
ساجن میرے گلے کا گہنہ، جھلمل کرتا ھار،
جھوم اُٹھے ہے تن من میرا، جب جب ہو دیدار،
جن کی عریاں انگ ہیں اُن کو، ڈھانپے تیرا پیار،
تیری ایک نظر سے ساجن، پیاسا تن سرشار،
ہوت پنہل کے حسن سے سارا، جگمگ یہ کہسار،
مہک اُٹھے ویرانے سارے، مہکی ہے "ونکار"،
میرے جیسے لاکھ کروڑوں، ساجن پر ہیں نثار،
تیری اعلیٰ شان میں تیری، باندی ہوں سرکار،
واری جاؤں گلی گلی پر، جہاں سے گذرے یار،
سکھیو! شاہ لطیف کہے کہ، ملا ہے وہ "منٹھار"۔

تیسری داستان

(۱)

بیٹھے بیٹھے یاد جو آئی، کوئی ادائے یار،
اُکھڑ گیا دل شہر بھنبھور سے، رہنا یاں دشوار۔

(۲)

شہر بھنبھور نے ناز اُٹھائے، دیئے تھے کیا کیا سکھ،

اِس سکھ کارن دلبر بچھڑا، اب ہیں دشت کے دکھ۔

(۳)

چھوڑو شہر بھنبور کو سکھیو!، رہو نہ یاں اک پل،
شہر نے کیا کیا درد دیا اور، سب کو کر دیا گھائل۔

(۴)

اُٹھتا ہے اس شہر بھنبھور سے، دوزخ کا سا دھواں،
ڈھونڈ کے راہ کا رہبر ہو جا، دشت کی اور رواں۔

(۵)

درد میں اب دن بیت رہے ہیں، اُجڑا شہر بھنبھور،
ان کے ہجر میں تڑپ رہی ہوں، گئے جو کیچ کی اور،
میرے وہ چت چور، کیسے بھولوں لاد گئے جو۔

(۶)

شہر بھنبھور سے بہتر ہے اب، دشت کا یہ ویرانہ،
جس نے مجھ کو سکھلایا ہے، یوں تکلیف اُٹھانا۔

(۷)

دشت کی ویراں وسعت سے تو، شہر بھنبھور تھا اچھا،
جہاں پہ سکھیو دیکھا میں نے، اپنے یار کا چہرہ۔

(۸)

شہر بھنبھور کے لاڈنے مجھ سے، چھین لیا کو ہیار،

اِس کے کارن یار گنوایا، بھٹکوں اب کہسار۔

(۹)

شہر تھا یہ نادان، جو چلا نہ ہوت کے پیچھے،
شہر نے کب پہچانا تھا، ہوت میرا گنوان،
جو بھی گئے پہچان، پایا انھوں نے ہوت پنہل کو۔

(۱۰)

جس نے دل سے یار کو دیکھا، مانا اِس کو رہبر،
تب بھی اس کی راہ نہ چھوڑی، چھپ گیا جب دلبر۔

(۱۱)

برا تھا شہر بھنبھور، دھویا آن کے "آریانی" نے،
ختم کیے سب خوف خطر اور، چھٹی گھٹا گھنگھور،
سکھیوں نے کپڑے رنگوائے، کیا پنہل کو "پور"
ہر دکھیا کمزور، گھونگھٹ کاڑھ کے بیٹھی ہے۔

وائی

پربت میں دیکھیں، تازہ نقشِ پائے یار،
تیز ہوا اور ریت بگولے، پھر بھی نقش نہ مٹیں،
کستوری وہ دھول جہاں پہ، پریتم پیر دھریں،
اونٹ تو روند چلے پربت کو، ویراں یہ راہیں،

کہے لطیف کہ مجھ برھن پر، وہ تو کرم کریں،

چوتھی داستان

(۱)

میری ذات کا علم ہوا تو، آئی ان کو لاج،
سکھیو، صبح سویرے مجھ کو، چھوڑ گئے وہ آج۔

(۲)

ہوتی گر میں بلوچ کی باندی، چھوڑ نہ جاتا یار،
دکھ میں میرا ساتھی ہوتا، آن کے وہ کوہیار۔

(۳)

سکھیو! ان کوہیاروں، سے، ہوتا گر کوئی ناتا،
سنگ لے جاتے مجھ کو بھی اور، آن کے ہوت جگاتا۔

(۴)

ان سے ناتہ ہوتا کرتی، دکھ کا میں اظہار،
مجھ کو خود سے لاج آتی تھی، میں تھی دھوبن نار،
میری ذات کے کار، چھوڑ گئے اے میا!

(۵)

صبح کو کی تیاری، روکا رکے نہ دیور،
چلے صبح کو آری، کیچ بسا تھا نینن میں۔

(۶)

رہ جاتا وہ آری، گر بال بچھاتی راہوں میں،
کرلی یوں تیاری، شاید کوئی عیب تھا مجھ میں۔

(۷)

تو تو ان کی سنگ نہ جاگی، اب کاہے کو روئے۔
یہ کب ریت ہے پریت کی سسئی!، پریت کرے اور سوئے۔

(۸)

کہاں گئے وہ ساتھی میرے، من کی تھے آدھار،
کس کے دوار پہ جاؤں میں اب، کسی کی رہی سہار۔

(۹)

گئے جویاں سے لاد، کس نے میرے ساتھی دیکھے،
پل پل اُن کی یاد، آنکھیں خون کے آنسو روئیں۔

(۱۰)

دیتی ہوں آوازیں لیکن، دیتے نہیں جواب،
کبھی تو دوار پہ ناتے تھے جو، ہوگئے اب نایاب،
کیا کیا دیے عذاب، برے اِس شہر بھنبھور نے۔

(۱۱)

چلوں تو کیچ سے دور ہے ساجن، بیٹھوں تو ہے ساتھ،
اپنے اس کیچی کے کارن، بھنگی میں ہیہات۔

وائی۔۱

بھٹک رہی کہسار، وندر کے اشجار، ڈھونڈے پربت پربت،
میرے درد کے ساتھی ہیں یہ، دشت جبل کہسار،
تیرے اونٹ چراؤں سائیں!، جہاں پہ سبزہ زار،
موتی جڑ کر خوب سجاؤں، اونٹوں کی مین مہار،
پل نہ ٹھہری پنگھٹ پر وہ، چلی ہے سوئے یار،
سکھیو! شاہ لطیف کہے کہ، انگنا آئے یار۔

وائی۔۲

میرے ہوت سجن، میں دشت میں دونگی جان،
چھوڑ کے شہر بھنبھورائے سائیں!، آئی میں تیرے آنگن،
برہ میں پل بھی بیت نہ پائے، تجھ بن اے ساجن،
مجھ کو چھوڑ نہ جائے سائیں، میں دکھیا برہن،
پی کر تیری پریت کا پیالا، ہوگئی مست مگن،
تب تک موت نہ آئے جب تک، پاؤں تیرا درشن،
پل پل بھڑک رہی ہے من میں، تیری پریت اگن،
سنا تھا جب کہ لاد چلیں گے، تڑپی تب برہن،
آنکھ اُٹھا کہ دیکھ تو سائیں، کھل اُٹھے تن من،
سکھیو! شاہ لطیف کہے کہ، مہر کرے وہ ساجن۔

پانچویں داستان

①

گئے "بیلے" سے گذر کے ناقے، "مانبانی" کے پار،
لے گئے ہیں وہ کیچ کے باسی، میرا سوہنا یار،
اُن کی تھی آدھار، جب تھے شہر بھنبھور میں۔

②

شہر بھنبھور میں آئے جب تو، اُن کی تھی آدھار،
لے گئے سنگ ہیں میرے ہوت کو، ہائے رے وہ کوہیار۔

③

لے جا سارے گہنے پاتے، توڑ دوں ہر کنگن،
جن کے سنگ ہیں پریتم وہ ہی، سیج سجیں بن ٹھن،
تو کیا جانے کیا ہے میا!، ہجر اور پریت اگن،
بھٹکا گئے بن بن، مجھ کو ہوت پنہل کے بھائی۔

④

لے جا یہ کمخواب کا بستر، سیج نہیں درکار،
جو کچھ دیا جہیز میں میا!، سب کچھ دوں گی وار،
ڈھونڈوں گی ونکار، میں اس یار کے نقشِ پا۔

⑤

سیج بنی سنگلاخ زمیں اور، پتھر کا بستر،
رات کو ساتھی حیواں تھے اور، ہیبت کا منظر،
تجھ کارن، دلبر، دشت کو سیج میں جانوں۔

⑥

ہوت پنہل نے سسئی کو دی، پریت کی اک سوغات،
جگ میں ہی تو ڈھونڈ لے سسئی!، اپنے یار کی بات۔

⑦

جن کو کیچ تھا لوٹ کے جانا، ان سے پایا پیار،
ایک نظر میں پریت ہوئی جب، دیکھا وہ کوہیار،
لُوٹ گئے دل یار، روک نہ مجھ کو اے میا!

⑧

پردیسی سے سسئی! تونے، کیسے کر لی پریت،
ناداں! تونے کوہیارل کو، کیوں گردانا میت،
سمجھی ہوگی جیت، عشق نہیں ہے کھیل اے سسئی۔

⑨

شہر بھنبھور کے باسی میرا، چھپا سکے نہ اوگن،
ان کو آن کے بتلایا کہ، ذات کی ہوں میں دھوبن،
جبھی ہوئے وہ بد ظن، اور مجھ کو سوتا چھوڑ گئے۔

(۱۰)

لحنِ حسینی کی ہر سُر نے، چیر دیا ہے من،
رات کو زخم وہ سہلائے اور، دن کو ڈھونڈے بن،
خوف ہے یہ ساجن!، کہ سدا کا ہجر نہ آئے۔

(۱۱)

کب ہے وصل میں حاصل سکھیو!، جو ہے فراق میں حاصل،
وصل ہوا تھا جبھی تو لے گئے، مجھ سے دور وہ محمل۔

(۱۲)

آجا اب تو فراق! کہ اب تو، وصل سے آئی دوری،
سل گئے ہجر میں وصل کے گھاؤ، آس ہوئی ہے پوری۔

وائی۔۱

میرا حال پریشان، کوئی آن نہ مان، تجھ بن یار بلوچا!
تن میں پیاس ہے ملن کی، کیا کیا ہیں ارمان،
ہنستا بستا شہر جوں صحرا، گلی گلی ویران،
بھٹک رہی ہوں صحرا صحرا، تنہا اور حیران،
بین کروں دن رین ملن کو، درشن کا دے دان،
آری جام کے عشق کا سکھیو!، دل میں کاری بان،
کیا کیا دل کو دے گئے ساجن، دکھڑوں کا سامان،

کب پہنچوں گی کیچ کو جانے، دشت میں ہوں ہلکان،
شاہ لطیف کوی کا ساجن!، تو ہی ہے اگوان[1]۔

چھٹی داستان

(۱)

جاگی من میں اُمنگ، آئے وہ ہوت بھنبھور میں،
دیکھ کے ہوت کے سنگی ساتھی، جھوم اُٹھے میرے انگ،
من میں عجب ترنگ، میرے دور ہوئے سب دکھڑے۔

(۲)

دردِ دل نے آن دکھائی، یاد کی راہ گذر،
درد ہوا رہبر، تو پی سنگ ملن ہوا۔

(۳)

دردِ دل انمول سکھی ری!، درد سا اور نہ دھن،
بھر لیں اب دامن، درد کے ہم بنجارے بن کر۔

(۴)

سکھ خوشیاں سب وار کے سکھیو!، کروں میں سر کا سودا،
سر دے کر گر درد ملے تو، سودا جانوں سستا۔

(۵)

سکھ خوشیاں سب دے کر میں نے، لیا جو درد کا مال،

---

[1] رہبر

درد نے نقشِ یار دکھائے، درد کا یہ ہی مآل۔

(۶)

درد میں گھلتی جاتی ہوں، اے درد! بڑھا نہ کسک،
درد میں ایسے جان گھلی ہے، جوں پانی میں نمک۔

(۷)

اے غم! چھوڑ نہ دینا جیسے، چھوڑ گیا ہے یار،
تو ہی حالِ دل جانے ہے، اور تو ہیں اغیار۔

(۸)

دل میں درد ہی درد ہے سکھیو!، درد ہوا نہ کم،
جیسے چڑھتا ہے دریا یوں، دل میں یار کا غم۔

(۹)

دل میں درد ہی درد ہے سکھیو!، گھٹی نہ درد کی شدت،
کل سے آج زیادہ ہی ہے، درد اور یار کی چاہت۔

(۱۰)

دل میں کیا کیا غم ہیں یار!، غم کا نہیں حساب،
دل میں درد اُبھر کر آئے، پل پل کا ہے عذاب،
ختم کرے جو حجاب، ایسا درد ملا ہے۔

(۱۱)

چپکے سے اس دل میں جمایا، غم نے آن قدم،

کیونکر حالِ دِل بتلاؤں، دکھ رہا ہے غم۔

(۱۲)

دل کے درد! بدل نہ دینا، تو اپنی یہ خو،
پل بھر کو بھی چھوڑ نہ دینا، میرے دل کو تو،
مل جائے مہ رُو، تب جانا اس دل سے۔

(۱۳)

اک اُبھرے تو دوجا چمکے، طرح طرح کے غم،
عشقِ یار نے ہوش گنوائے، رہا نہ اب دم خم،
تیرِ نظر باہم، مار گیا مجھ برھن کو۔

(۱۴)

لگا ہے بان بلوچ کا، ناقوں کے ہیں ستم،
پھنس نہ جائیں ناتے رہ میں، پڑے نہ شب کو شبنم،
درد ترا پریتم!، ٹھنڈک ہے آنکھوں کی۔

(۱۵)

روک نہ اب اے میا! مجھ کو، لگا بلوچ کا بان،
کیچ تلک کی دھرتی رنگ دوں، تن ہو لہولہان،
کرے گا اب ہلکان، یہ بیری ویراں پربت۔

(۱۶)

دل میں درد، جُھلستا دشت، آگ ہوئی ہے دھرتی،

جلتے دشت میں جینے کی، امید نہیں اب باقی۔

(۱۷)

شاید جگ سے لاد گئی ہے، ہر اک درد کی ماری،
کس کو دل کا درد سناؤں، پوچھوں کہاں ہے آری؟

(۱۸)

مل بیٹھیں جب درد کے مارے، کریں وہ تب ماتم،
جگ دکھلاوا، جھوٹے آنسو، جنہیں نہ یار کا غم۔

(۱۹)

کہاں ہے کوئی درد کی ماری، کرے جو آن کے ماتم،
کون ہے جس کو حال سناؤں، مارے غم اے ہمدم!

(۲۰)

بانٹ سکو تو بانٹ لو سکھیو!، اپنے رنج و الم،
اور نہ جانیں، وہ ہی جانیں، جن کو یار کا غم۔

(۲۱)

مُٹھی بھر غم ملے ہیں سب کو، میرے غم بسیار،
سر پر دھر کر درد کی گٹھڑی، صدائیں دوں ہر دوار،
درد کا کاروبار، جو کرتے تھے وہ لاد گئے۔

(۲۲)

کس کر باندھ کمر اے سسئی!، کیچ بہت ہے دور،

راہ میں اے رنجور!، مر نہ جائے بھٹک کر۔

(۲۳)

کس کر باندھ کمر اے سسئی! ہو جا اب تیار،
کب بھٹکی ہے دشت و جبل میں، بن تیرے کوئی نار۔

(۲۴)

دکھ ہی حسن ہے سکھ کا سکھیو!، دکھ بن کیسا سکھ،
دکھ ساجن کو آنگن لایا، اعلیٰ ہے یہ دکھ۔

وائی

جس سے پریت ہے میری، اس کو ہیاری کی کوئی،
من میں بات چُھپی ہے۔
روند کے اونچے پربت میں تو، دیکھوں ساجن وہ ہی،
چلوں میں "ھاڑے" یار کے کارن، جس سا اور نہ کوئی،
اے رہرو! تو ساتھ لیئے چل، پربت ہیں نرموھی،
یہ کب پربت اور چلی تھی، رات کو تان کے سوئی،
اس کے قدموں میں دفنانا، جس سے پریت ہے موھی،
کہے لطیف ملادے ساجن، جس کے کارن روئی،

ساتویں داستان

(۱)

اپنے ہوت پنہل کو سکھیو، جو ڈھونڈیں وہ پائیں،
وہ ہی پہنچیں یار کے آنگن، اسے جو ڈھونڈنے جائیں۔

(۲)

گر ہے من میں پریت تو ڈھونڈ، ورنہ کر نہ طلب،
یار کو ڈھونڈنے جاتے ہیں وہ، یار سے دور ہیں کب۔

(۳)

یار کو ڈھونڈوں اور نہ پاؤں، ملے نہ وہ کوہیار،
کہیں ملن سے ختم نہ ہو یہ، تڑپ، طلب اور پیار۔

(۴)

ڈھونڈھوں اور نہ پاؤں ان کو، لاد گئے جو کل،
چلے گئے جو دور دیس کو، ملے نہ وہ پنہل۔

(۵)

تجھ کو ڈھونڈھوں اور نہ پاؤں، سدا رہے تو دور،
پل بھی بیت نہ پائے تجھ بن، سدا ہو من رنجور۔

(۶)

تجھ کو ڈھونڈوں تجھے نہ پاؤں، تن کا ہو نہ ملن،
انگ انگ میں پیاس ہو تیری، سدا یہ تڑپے برھن۔

(۷)

تجھ کو ڈھونڈھوں اور نہ پاؤں، مان لے عرض تو میری،
تیری پریت میں جاں نکلے اور، تڑپے درد کی ماری،

(۸) (۹)

چھوڑ دیا پربت پہ چڑھنا، ہار دی میں نے ہمت،
من میں یار کی چاہت، ڈال گیا ہے درد کا دام۔

(۱۰)

چھوڑ دیا پربت پہ چڑھنا، چلوں نہ اب اک گام،
تیرے ملن کی آس میں میں نے، سہے ہیں سب آلام،
تو ہی آن کے تھام، اب تو تھک کر بیٹھ گئی ہوں۔

(۱۱)

تھک کر بیٹھ گئی ہوں ساجن!، اب تو آن کے تھام،
تیری پریت میں رینگ رہی ہوں، تھکن ہے اب ہر گام۔

(۱۲)

کرے گی جو بھی پیار، میری طرح اس ہوت پنہل سے،
روندے گی کوہسار، اور پیا ملن کو ترسے گی وہ۔

(۱۳)

کرے گی جو بھی پیار، میری طرح اس ہوت بلوچ سے،
بھیگی نین سے دھار، پل پل ہجر کی سولی ہوگی۔

(۱۴)

کرے گی دل کی باتیں، جو بھی ہوت پنہل سے،
سدا ہی اُس کی آنکھیں، روئیں گی خون کے آنسو۔

وائی

کیسے لاڈ کروں اے یار!، جت زور آور ذات،
جل جل بھئی میں راکھ کی ڈھیری، اگنی تیرا پیار،
کیچ دھنی کے کارن میں تو، بن میں کروں پکار،
شام ڈھلی تو دھندلائے سب، نقشِ پائے یار،
تیری پریت کا پیاسا تن من، مانگے تیرا پیار،
ھانک کے لے گئے اونٹ سکھی اور، گئے برھن کو مار،
بھیگے نیناں بھٹک رہے ہیں، ڈھونڈیں تیرا دوار،
میرے نین میں نیند بھری تھی، دور گیا دلدار،
بھٹک رہی تھی پربت میں اک، پیار کی ماری نار،
ساجن میرا جگمگ ہیرا، روشن سب سنسار۔

آٹھویں داستان

(۱)

مرتی ہوں اے ماں کہ وہ تو، اُجڑا کر گئے آنگن،

مارے گی مجھ برھن کو اب، تیری ہوت! لگن،
چھوڑ گیا وہ ساجن، اب کیا جینا اس جگ میں۔

(۲)

گئے اورانگ کے آنگن وہ تو، ہائے رے صد افسوس،
تو ہی دشت میں ساتھ دے اُس کا، جسے نہ اپنا ہوش،

(۳)

گئے اورانگ کے آنگن اب تو، ان کو ڈھونڈنے چل،
پل نہ بیٹھ بھنبھور میں سسئی!، چلا گیا وہ پنہل،
چل تو دشت کو چل، تو ملن ہو اپنے پریتم کا۔

(۴)

گئے اورانگ کے آنگن اب یہ، کرے گی دکھیا کیا،
آگ میں جھونکوں شہر کہ جس کو، ساجن چھوڑ گیا۔

(۵)

چھوڑ کے اس دکھیا کو وہ تو، گئے اورانگ کے آنگن،
ہوت بلوچ تھے اونٹوں پر اور، پیادہ پا دکھیارن،
ہاتھ اٹھا کر روتی ہے اور، رینگتی ہے یہ برھن،
ماتم ہے اے ساجن!، کوئی تو جا کر کہہ دے اِس کو۔

(۶)

چھوڑ گئے ہیں دانستہ وہ، ہوت میرے کوہیار،

تن کھورے کی مانند دہکے، من میں ہے انگار،
مثلِ جوئے بار، بہائے دشت میں آنسو۔

(۷)

چھوڑ گئے ہیں دانستہ وہ، دیور دشمن جانی،
سکھیو! کیسے چھوڑ سکوں میں، اپنا وہ آریانی،
بات نہ میری مانی، خدمت میری کام نہ آئی۔

(۸)

ہوتا گر معلوم کہ مجھ سے، بچھڑے گا پنہل،
دھو دیتی قسمت کا لکھا، میں تو روزِ ازل،
سکھیو! دشت، جبل، پھر یوں نہ بھٹکنے پڑتے۔

(۹)

اُٹھ تو اے برھن، چلے ہیں ہوت بلوچ،
اُن سا اور سجن، تجھ کو کون ملے گا جگ میں۔

(۱۰)

لپک کے ان کو لے آتی جب، چلے تھے تیرے خان،
جھیلتی کیوں تو دکھڑے اور کیوں، ہوتا غم ہر آن۔

(۱۱)

جہاں پہ ٹولوں کی صورت میں، الگ ہوئے تھے ناتے،
کیوں نہ اپنی جان فدا کی، تو نے وہاں پہ جا کے۔

(۱۲)

رما کی دھونی راہوں میں اب، ڈھونڈ تو اپنا میت،
گئے وہ پربت پار اے سسئی!، توڑ نہ ان سے پریت۔

(۱۳)

ٹوٹ کے الگ نہ ہو کہ سارے، جائیں گے پربت پار،
تنہا کیسے ڈھونڈے گی تو، اونٹوں کی وہ قطار۔

(۱۴)

عجب تھی ان کی بولی اور، عجب تھے ان کے ڈھنگ،
سن کر ان کی بولی سکھیو!، میں تو رہ گئی دنگ۔

(۱۵)

جان سکی نہ بولی ان کی، بولی تھی کہ پہیلی،
کبھی بھی ان سے ٹوٹے نہ رشتہ، میرا پھر اے سہیلی!

(۱۶)

آئے وہ "ونکار" سے آکر، بولے ایسی بولی،
نیند اڑی آنکھوں کی اور، ان سنگ میں ہولی۔

(۱۷)

میت ہوا جب ہوت پنہل پھر، کیسے جگ کے بندھن،
دین دھرم سے دور ہوئیں جو، دیکھ آئیں وہ ساجن۔

(۱۸)

بھول کے دُکھ دکھیارو! تم سب، چل کر خوشی منانا،
جو ہے رہبر راہ کا اُس کو، ہم نے ہے پہچانا،
اِس کو تم اپنانا، اور ملوں گی میں بھی اس سے۔

وائی

مجھ کو چھوڑ نہ جانا، تیرا دامن تھام لیا ہے،
میں لاوارث اور ابھاگن، تم تو پریت نبھانا،
دردِ فراق کا دے کر ساجن، مجھ کو چھوڑ نہ جانا،
اے اسوارو! دھیان سے میرے، ہوت کو واں لے جانا،
مجھ بے گن میں عیب ہزاروں، اپنے گن دکھلانا،
کبھی تو میرے آنگن میں تم، جوگی بن کر آنا،
سکھیو! شاہ لطیف کہے کہ، آنا لوٹ کے آنا۔

نویں داستان

(۱)

خنجر کب ہے مارے مجھ کو، مارے دردِ نہاں،
کیسے کوئی جیئے اے سکھیو!، درد ہے بے درماں۔

(۲)

کب خنجر نے مارا مجھ کو، مار گیا ہے درد،
کہاں گئے ہیں پیارے میرے، جت وہ دشت نورد۔

(۳)

سکھیو! ایسے چیر دیا ہے، جتوں نے میرا دل،
سینا چاہوں زخم جگر پر، سینا ہے مشکل۔

(۴)

آئیں شہر بھنبھور میں سکھیو!، ایسے بلوچی خان،
جن کے سنگ رہیں تو جاگے، اندر کا انسان۔

(۵)

بھول کے خوشیاں، رو تو اے دل!، کر تو اُسی کی بات،
چھوڑ گیا وہ یار پنہل بس، دو دن کا تھا ساتھ۔

(۶)

پل پل آہ و بکا سے سکھیو! گونجے ہے آنگن،
دل بسمل اور ہجرِ جاناں، تڑپن اور جلن،
دشت کو ہوت، سجن! پگھلاؤں گی پیار اگن سے۔

(۷)

رونے سے کیا حاصل سسئی!، آئے گا نہ سجن،
کیسے کیسے ستم کیئے ہیں، گھائل ہے تن من،

اب اللہ کارن، کبھی نہ دینا دھوکہ سائیں۔

⑧

روؤں تو جگ ہنستا ہے اور، ہنسو تو روئے دل،
دیکھ کے مسکا ئینگی اکھیاں، صورت وہ جھلمل۔

⑨

کب یہ آنکھیں روئی تھیں جب، پریتم گئے تھے لاد،
یار کو جاتا دیکھتی رہ گئیں، کر نہ سکیں فریاد۔

⑩

دکھیارے اور پریت کے مارے، میرے بسمل نین،
بن ساجن یہ نین ابھاگے، روتے ہیں دن رین۔

⑪

برس برس کر تھک گئے سکھیو! میرے دکھیا نین،
اب بھی پب کی اور جمے ہیں، پل بھر نہیں ہے چین،
کرتی ہوں میں بین، کہ روک سکی نہ سجن کو۔

⑫

جمی تھی جسم پر راکھ، اور ٹوٹ کے برسی برکھا،
پھر بھی سینہ چاک، پوچھ رہی تھی کیچ کی راہیں۔

⑬

جل کر راکھ ہوئی ہے برھن، اُسے نہ اور جلاؤ،

ذرا تو آگ بُجھاؤ، ذرا تو مارو چھینٹا۔

(۱۴)

چھاؤں میں بیٹھی پیڑوں کی اور، بہائے خون کے آنسو،
کب دیکھوں گی تیری صورت، کب آئے گا تو۔

(۱۵)

جہاں پہ میرے، ہوت بلوچ نے، رکھے تھے اپنے پاؤں،
دیکھتی ہوں وہ راہیں اور وہ، پیڑ اور ان کی چھاؤں۔

(۱۶)

مر جاؤں تو اچھا ہے کہ، ہوگئی ہوں بدنام،
تیری باندی بن کر سائیں!، چلوں میں ہر ہر گام۔

(۱۷)

جان سے بس اکبار ہی مارو، دکھڑے ہوں سب ختم،
ہجر میں کیونکر جیتی ہوں میں، رستا ہے ہر زخم۔

(۱۸)

جیتی ہوں نہ مرتی ہوں، تیرے ہجر میں یار،
تیری یاد میں جاں نکلے اور، ختم ہو یہ آزار۔

(۱۹)

مرجاتی تو کل اگر تو، ہوتا وصلِ یار،
موت بِنا کب کیا کسی نے، پریتم کا دیدار۔

(۲۰)

اب تو کوچہ یار میں جا کر، جان دوں اپنی وار،
یہ ہی ملے قصاص کہ ہووے، یار کا واں دیدار۔

(۲۱)

بھٹک بھٹک کر مر جاؤں میں، پب میں تیرے کارن،
سکھیوں میں ہو نام کہ دیکھو، مری ہے پیار میں برھن۔

(۲۲)

جس کے نین میں نیند ہو اس کا، کب ہے کچی میت،
پہلے چڑھ تو سولی پر اور، پھر تو کرلے پریت۔

وائی

چھوڑ بھنبھور میں جاؤں گی، کب دور ہے دیس بجن کا،
بڑی کٹھن ہیں راہیں پھر بھی، اپنی منزل پاؤں گی،
اپنے یار پنہل کو میں تو، دشت میں ڈھونڈ کے لاؤں گی،
کیا کیا گن ہیں تیرے ویسے، گن میں کہاں سے لاؤں گی،
پیا ملیں تو پی سنگ سکھیو!، پل کو روٹھ بھی جاؤں گی،
جو بھی راہ کے دکھ جھیلے وہ، رو کر میں بتلاؤں گی،
کہے لطیف وہ آئے گا جب، جھوم جھوم کے گاؤں گی۔

دسویں داستان

①

لب پر آہ شیون اور وہ، پیار سے قدم اٹھائے،
کیسے گھونگھٹ کاڑیگی جو، راہ سے لوٹ کے آئے۔

②

تیز بڑھا ہر گام اے سسئی!، پیچھے کو نہ پلٹ،
جس کے من میں پریت ہو وہ تو، کاڑیگی گھونگھٹ۔

③

چھوڑ نہ آہ و بکا اے سسئی!، دیتی رہ تو صدا،
شاید کوئی صورت نکلے، کرلے یاد پیا۔

④

یوں دے اس کو صدائیں سسئی!، گونجے دشت اور بن،
تجھ سے دور ہے پھر بھی سن لے، صدا وہ تیرا ساجن۔

⑤

پیار کٹاری مارنے آیا، بن کر میری موت،
میری جاں قربان ہو اس پر، سدا جیئے یہ ہوت۔

⑥

پوچھ رہی ہے قاصد کا اور، بیٹھی وقت گنوائے،
کیسے ہوگا وصل کہ جب تک، قدم نہ تیز بڑھائے۔

(۷)

بیٹھ کے وقت گنوائے سسئی!، کیسی ہے یہ چاہ،
توڑ دے ایسے رشتے جو کہ، روکیں تیری راہ۔

(۸)

کیسے وقت گنوائے بیٹھی، کیسی تیری پریت،
ہوت بنا سب غیر ہیں سسئی!، ہوت ہی تیرا میت۔

(۹)

کیا جانیں یہ سکھیاں کیسے، روتے بیتی رات،
ایک نظر میں گھائل کر گئے، جت تھی جن کی ذات،
درد، الم، آفات، سنگ تھے راہ میں سسئی کے۔

(۱۰)

کوئی پڑوس میں رویا تو پھر، زخم ہوئے سب تازہ،
تیرے پسینے سے دھوؤں گی، پریت کا زخم نیارہ،
تجھ پر اے کوہیارا، میری جان فدا ہے۔

(۱۱)

من کو نہیں قرار کہ اب تو، کرتے ہیں تیاری،
لاد کے سارا ساماں اپنے، دیس چلے ہیں آری۔

(۱۲)

کیا کیا اس نے جتن کیے تھے، کوہیارے کے کارن،

پوچھے ہر اک قاصد سے کہ، کہاں ہے میرا ساجن،
بھٹکتے دکھیارن، "لموں"، "لس بیلے" سے گذری۔

(۱۳)

اِس دکھیاری برھن پر تو، کرنا مہر اے یار،
زادِ راہ بھی پاس نہیں ہے، تیری ہے آدھار،
آن کے اے کوہیار، دے تو دلاسہ دکھیارن کو۔

(۱۴)

مہر کی ڈال نظر، تو اس دکھیا برھن پر،
میں تو تیری باندی ہوں، جاؤں گی اور کدھر،
تو چھاؤں چھپر، دے تو دلاسہ دکھیا کو۔

(۱۵)

جُھلا کے جھولا ماں نے مجھ کو، دی تھی درد کی لوری،
ملے تھے سکھ اس کارن کہ میں، درد سے بھر لوں جھولی۔

(۱۶)

دکھڑوں نے ہی پالا اب ہیں، درد و الم، آزار،
سکھ تھے کب میری قسمت میں اور، کب تھا صبر و قرار،
جندڑی ہے یوں یار، جیسے درد کی بیل ہو کوئی۔

(۱۷)

جنم لیا تو درد ملا اور، جوبن میں آزار،

قسمت میں تھا دکھڑے سہنا، تیری پریت کے یار!

(۱۸)

قدم قدم پر رنج و الم ہے، تیرے ہجر کا یار!
چلو تو سکھیو! ڈھونڈنے نکلیں، وندر میں وہ کوہیار،
چھوڑ کے وہ دلدار، کیسے اور کو اپناؤں میں۔

(۱۹)

پہنچی جب وہ "ہاڑے" میں تو، بیت چلی تھی رات،
ہو گئی جب پربھات، تو پوچھا یار کا ہر قاصد سے۔

(۲۰) (۲۱)

کوئی تڑپ ہے اور نہ طلب ہے، نہ ہی وصل کی بات،
عشق نے چھوڑ دیا ہے جگ کو، کہاں وہ احساسات،
عشق تھا ان کے ساتھ، جو عاشق لاد گئے ہیں۔

(۲۲)

جن کے من میں عشق ہے وہ ہی، پائیں درد کی دولت،
اپنے من بن اور کہاں سے، ملے ہے دردِ اُلفت۔

(۲۳)

بندھا ہے عشق کا بندھن سائیں، ڈھونڈنے سے مل جاؤ،
اب وہ بھید بتاؤ، موت کے بعد جو بتلاؤ گے۔

(۲۴)

مت ہو تو مغموم، وہ دور نہیں ہے تجھ سے،
ہر حد ہے معدوم، تیرے میرے بیچ کی سسّئی!

(۲۵)

درشن پایا ساجن کا اب، کہہ نہ بھید کی باتیں،
اِس ساجن کے کارن میں نے، کاٹیں رو رو راتیں۔

(۲۶)

رنگ لیا تھا رات، چولا یار کے کارن،
بھیگ گیا پربھات، سکھیو! سارا اشکوں سے۔

(۲۷)

ساری سکھیاں خوشیوں سے، بھرتی تھیں جب دامن،
مجھ کو اس دم ساجن!، ملے تھے پب کے پتھر۔

(۲۸)

بیٹھے بیٹھے دل میں درد کی، سکھیو! ٹیس اُٹھے،
جیرا ایسے جلے، سانس بھی جیسے آگ ہو سکھیو!

(۲۹)

کب وہ جتن کیے کہ جن سے، ملتا وہ کوہیار،
تیز قدم کب اٹھے تھے تیرے، سُست تیری رفتار۔

وائی۔۱

اونٹ بھی روتے تھے سارے، دیکھ کے دکھ سسئی کے،
اونٹ جتوں نے خوب سجائے، جگمگ اونٹ کجاوے،
پیٹھ پہ چابک برس رہے تھے، کیسے لوٹ کے آتے۔
باگ ہے مالک کے ہاتھوں میں، بے بس اونٹ بیچارے،
رات ڈھلی گونجیں آوازیں، گونجے پربت سارے،
جو جو یار نے لاڈ اٹھائے، بھول جا اب وہ سارے،
سکھیو! شاہ لطیف کہے کہ، ملیں گے ساجن پیارے۔

وائی۔ ۲

وہاں بڑھائے تیز قدم، جہاں پہ دیکھے نقشِ پا،
نقشِ پا پہچانے تب تھا، نین میں پیار بسا،
ساجن اپنے دیس سدھارے، ڈھونڈے وہ اس جا،
جس نے دشت میں بھٹکایا وہ، ساجن ہے کس جا،
جہاں پہ پھل اور پھول ہیں وہ ہی، دیس ہے ساجن کا،
بھٹک بھٹک کر مرجاؤں گی، ساجن اب آ جا،
چھوڑ گئے اس دکھیا کو اور، ذرا بھی نہ سوچا،
کہے لطیف کہ دشت و جبل میں، مل جائے گا پیا۔

گیارہویں داستان

(۱)

سکھیو! پریت کی ریت یہ ہی کہ، دکھڑے ہوں ہر دم،
دشت کے رنج و الم، دے گئے مجھ کو دیور۔

(۲)

کہے جو ان سے آری ویسا، کرتے نہیں وہ جت،
کیسے کیچ میں پہنچ سکوں گی، جب ہو یہ حالت۔

(۳)

بات نہ مانی ہوت کی وہ کچھ، اور تھے من میں ٹھانے،
لپک کے نکلی شہر بھنبھور سے، دشت کی خاک اڑانے،
آئی تھی جان گنوانے، اور سوئی وہ خاک کی سیج پر۔

(۴)

اے پربت کی راہ! بتا کہ، کہاں رُکا وہ محمل،
جس محمل کو ڈھونڈتے اب تو، خون ہوا ہے دل۔

(۵)

اے پربت ہاں یہ تو بتا کیا، چھوا تھا اس کا دامن،
میری طرح کیا پنہل کے بھی، روتے تھے دو نینن۔

(۶)

چھپا تھا دل میں تیر، اس کیچی کے پیار کا،

درد کی تھی تصویر، لگا تھا تیر نشانے پر۔

(۷)

کہا یہ ہر اک رہرو نے کہ، شہرِ یار ہے دور،
دل میں یادِ یار بسا کر، کرلے دشت عبور۔

(۸)

اے رہرو! کیا دیکھا تو نے، ان کا کوئی نشان،
کیا اس محمل میں تھا میرا، ہوت بلوچی خان۔

(۹)

ایسے یادِ یار تھی من میں، جوں ساون کے بادل،
ایسا عشق لگایا تھا کہ، تڑپ رہی تھی پل پل۔

(۱۰)

سکھیو! دیکھ لو کیچ، جو دیس ہے یار پنہل کا،
ڈالا پریت کا پیچ، اب تو اُن کی یاد ہے پل پل۔

(۱۱)

مری تو اس نے لاش اُٹھائی، جس کی تھی چاہت،
کیسے یار کی دید کو ترسی، برھن کی اُلفت،
لاش ملی اس آریانی کو، ڈھونڈ کے ہر پربت،
دفن ہوئی میت، اس کی یار کے قدموں میں۔

(۱۲)

کچھ کو ان کی پریت نے مارا، جو تھے شاہ سوار،
مجھ کو تو ناقوں نے مارا، مار گئے اسوار،
عشق کرے جو نار، دیکھے گی وہ دکھڑے۔

(۱۳)

جس کے نازک پیر ہیں سکھیو!، وہ میرا پریتم،
آن کے ہم بھی دشت میں دیکھیں، اس کے نقشِ قدم،
کر گئے یار ستم، مجھ پر میرے دیور۔

وائی۔۱

میرا جی اے جاناں! تجھ بن یہاں نہ لاگے،
کیسے میں بھولوں، پریت بھرے وہ نیناں،
کیسے جی کو روکوں، دور ہیں جان کے پرساں،
جوڑوں ہاتھ میں اپنے، مل جائے وہ سیاں،
شاہ لطیف کہے ہے، جاؤں میں یار کے ہاں۔

وائی۔۲

جاگی ملن کی پیاس، عشق میں ہو گئی بے بس،
بل کھاتی راہوں میں گر، گل بھی جائے ماس،

پھر بھی ہو گی من میں، پیا ملن کی آس،
ساجن چھوڑ گئے ہیں، نیند نہ آئی راس،
سکھیو بیری جگ میں، کسی کا کیا وشواس،
شہر بھنبھور ہے انجانا، شہر نہ آیا راس،
وہ نہ بھولے جس کی، نینن کو ہے پیاس،
سکھیو! شاہ لطیف کہے، جاؤں سجن کے پاس۔

وائی۔ ۳

میرے ہوت کو دیور، کب سمجھی تھی لے جائیں گے،
وہ آئے تھے آنگن میں، من میں میل چھپا کر،
مار دیا اس برھن کو، چلے وہ دور سفر،
پہنچا اس جا مولا! جہاں میرا دلبر،
صبح وہ لاد گئے اب، ڈھونڈے راہ گذر،
روکتی میں اونٹوں کو، باندھ رسے کس کر،
ہجر یار میں سکھیو، من میں ہے محشر۔

بارھویں داستان

(۱)

میری طرح گر ہوت کا سکھیاں، کرلیتیں دیدار،

ڈھونڈتیں وہ کہسار، میری طرح وہ رو رو کر،

(۲)

ہوت نہ دیکھا سکھیوں نے، ان کا اب کیا دوش،
رہتا کب پھر ہوش، میری طرح وہ نیر بہاتیں۔

(۳)

شاید اور طرح سے دیکھا، سکھیوں نے ساجن،
کرلیتیں درشن، میری طرح تو ہوش گنواتیں۔

(۴)

شاید اور طرح سے دیکھی، انھوں نے یار کی صورت،
صبح و شام کا ہوش نہ ہوتا، جاگتی ایسی چاہت۔

(۵)

دیکھتیں میرے اس ساجن کی، سکھیاں گر مسکان،
درد اُمڈتا تن من سے اور، تڑپتیں وہ ہر آن۔

(۶)

کرلیتیں اس ہوت پنہل سے، سکھیاں گر اک بات،
آنکھ میں آنسو لب پر آہیں، ہوتیں یہ آفات۔

(۷)

میرے ہوت سے کرلیتی تو، میا! اگر اک بات،
جیون بھر تو بھول نہ پاتی، اس کی ذات صفات۔

(۸)

سدا رہے یہ روگ سکھی ری!، کبھی نہ صحت پاؤں،
پربت صحرا بھٹک بھٹک کر، نینن نیر بہاؤں۔

(۹)

اے پربت جو سہے ہیں دکھڑے، عیاں نہ ہوں بن پریتم،
پل کا بھی آرام نہیں ہے، دکھ ہی دکھ ہے ہر دم،
تجھ سی کہاں میں ہمدم، تجھ سے ہے بس پریت کا ناتہ۔

(۱۰)

سب کے جگ میں رشتے ناتے، میرا درد سے ناتا،
میرے من میں ساجن کی اک، بات ہے اب پوشیدہ،
غم نے دیا یہ رُتبہ، ورنہ کیسا ہوت سے رشتہ۔

(۱۱)

پل پل کر پربت میں ماتم، بھول نہ آہ و بکا،
خون تیرا دل روئے سسئی! چھپ چھپ نیر بہا،
اپنی دھیر بندھا، صبر سے ملتا ہے وہ ساجن۔

(۱۲)

• ہائے چلے ہیں دور سفر کو، روٹھ کے میرے یار،
کیا برھن سے روٹھ چلے ہیں، کیچ کو ہیں تیار؟
اک پل بھی کو بیار، میں تو میا! بھول نہ پائی۔

(۱۳)

بھولیں آہ و بکا، جو تھیں ہجر کی ماری،
پائے کون پیا، نیر بہاتے نین سے۔

(۱۴)

تڑپاتا ہے ہجر اے میا!، ہجر میں ہوں بے تاب،
جل کر ہوئے کباب، دل و جگر اس پیار اگن میں۔

(۱۵)

ہائے چلا ہے پریتم میرا، ذرا چلوں تو ساتھ،
کل نہ کہے کہ کی نہ وفا تھی، اوچھی اس کی ذات۔

(۱۶)

ہم جیسوں سے جرم ہوں سرزد، کریں ہم سدا قصور،
ڈھانپ دو عیب حضور! آن کے کردو ستر اے سائیں۔

(۱۷)

کب ہے کوئی رشتہ ناتہ، کب ہوں تیرے برابر،
تیری اونچی ذات ہے سائیں!، میری ذات ہے کمتر۔

(۱۸)

کیچ میں کوئی جان نہ پائے، کیا ہے میری ذات،
شرم سے جھک نہ جائے گردن، سن کر ذات کی بات۔

(۱۹)

پورے ہوگئے کام تو آری، چل دیئے اپنی راہ،
جتوں نے بس ظلم کیے اب، کرم تو کر اللہ۔

(۲۰)

کسی نے باندھا بندھن، سکھیو! میرا ہوت بلوچ سے،
جکڑا ہے اب تن من، بے بس میں بے چاری۔

(۲۱)

کیا جانے کہ ہوا ہے کیا اب، جاتی ہوں میں کہاں،
کاٹوں سارے انگ میں اب تو، کاٹوں انگلیاں،
اوروں کو خوشیاں، مجھ کو ہجرِ یار ملا ہے۔

(۲۲)

دور سفر سے آئی ہوں میں، کھڑی ہوں قدم جمائے،
روزِ ازل سے پریت لگائی، اب تو موت ہی آئے۔

(۲۳)

ایسی ویراں راہ میں میرا، دردِ یار تھا رہبر،
درد نے صورتِ یار دکھائی، درد ہی چارہ گر۔

(۲۴)

اونچی نیچی دشت کی راہیں، پوچھے راہ میں رہبر
ان کو راہ میں رہزن گھیریں، تنہا کریں جو سفر،

بڑا ہے خوف خطر، رہبر بن نہ راہ کٹے گی۔

(۲۵)

ویراں راہ میں رہزن ہیں اور، پربت کا ہے سفر،
دور سفر کو جانے والے!، سنگ تو لے رہبر۔

(۲۶)

بہت بلوچ ہیں جگ میں لیکن، سب کا وہ سردار،
لاوارث کا وارث بن کر، آئے گا انگنا یار،
جن کی نہیں سہار، ان کے سر پر ہاتھ دھرے گا۔

(۲۷)

بہت بلوچ ہیں جگ میں میرا، آریانی ہے سہارا،
دل میں خوب سجایا میں نے، چن کر ہوت وہ پیارا،
جس کا ہوت دُلارا، وہ کیسے لوٹ کے آئے۔

(۲۸)

سب ہی اس کو پگلی جانیں، جو ہو یار پہ قرباں،
ہوت بنا اب کون ہے ایسا، ڈھانپے انگ جو عریاں،
جس نے دیکھا جاناں، وہ ہی جانے ہجر کا عالم۔

(۲۹)

دور سے ناقے آتے دیکھے، شاید آیا ساجن،
بن اس کے گر اور کو دیکھیں، اندھے ہوں یہ نین۔

(۳۰)

لوٹ کے آنا طعنہ سمجھیں، دیکھیں جو ساجن،
سر واریں وہ پائے یار پہ، اِن کا یہی چلن۔

(۳۱)

راہ کے دکھ ہیں اعلیٰ جن پر، سکھ بھنبھور کے قرباں،
تیرے سکھ کس کام کے میا! اور تیری سب خوشیاں،
مانگے اپنا جاناں، میرا دل اے میا!

(۳۲)

جت زور آور ذات سے اس کا، ایسا عشق ہوا،
ٹھکرائے گر جت کہے وہ، جت نے مان دیا۔

(۳۳)

اچھا ہے کہ ہوت پنہل سے، ہوا ہے میرا پیار،
جس کے کارن کیچ میں پہنچی، دیکھا شہرِ یار۔

(۳۴)

دشت سے میرا ناتا ہے اب، کون چلے گی سنگ،
دیس بلیر کی مہندی سے میں، رنگوں گی اپنے انگ،
یہ ہی پریت کے ڈھنگ، کہ ڈھونڈیں جام پنہل کی چھاؤں۔

(۳۵)

یہ ہی پریت کی ریت کہ اب تو، ان کو ڈھونڈنے جا،

تو سوئی تو لاد گئے وہ، گئے ہیں کیچ پیا۔

(۳۶)

سنگ نہیں لے جاتے سکھیو!، مجھے وہ اپنے دیس،
ان سے بڑھ کر کروں گی خدمت، گھگھرے جن کا بھیس۔

(۳۷)

ہوت بلوچ تھا کپڑے دھوتا، ایسی تھی تب شان،
اب تو ساتھ نہیں لے جاتے، دکھلاتے ہیں آن۔

(۳۸)

کوہیارل کے کارن اب میں، ڈھونڈوں کون سی باٹ،
میں سمجھی کہ دشت میں وہ بھی، ہوگا میرے ساتھ۔

(۳۹)

کوہیارل بھٹکائے، دشت و جبل کی مشکل راہیں،
ایسا دیس دکھائے، جو پہلے کبھی نہ دیکھا سکھیو!

(۴۰)

میلا بھیس اور اُترا چہرہ، عشق کے یہ آثار،
دل میں ایسے گھاؤ سجائیں، جانے نہ سنسار،
شروع سے ہی اے یار!، ہم نے درد سے ناتا جوڑا۔

(۴۱)

سر سے ڈھلکی چنری میری، پھٹا پھٹا ہے بھیس،

کون ہے میرا شہر بھنبھور میں، یہ نہیں میرا دیس۔

(۴۲)

دکھ سہنے کے کارن میں نے، ہوت سے پریت لگائی،
اپنے ہنستے گاتے من میں؛ پریت کی آگ جلائی،
دیں گے دردِ جدائی، کب میں نے یہ جانا تھا۔

(۴۳)

لے چل شہر سے باہر مجھ کو، کیچ کی راہ بتا،
شاید پھر نہ ملن ہو میا!، مجھ کو کر تو وداع۔

(۴۴)

نکل کے شہر بھنبھور سے میں نے، دیں جب اسے صدائیں،
روند گئے تھے صحرا پربت، ویراں تھیں سب راہیں۔

(۴۵)

بھٹک بھٹک کر پربت میں، میرے پیر میں پڑ گئے چھالے،
من میں یار کی بات چھپی ہے، پریت کے لب پر نالے۔

(۴۶)

لے نہ عشق کا نام اے سسئی!، مشکل عشق کی راہیں،
برہ کا گر بیوپار ہوس دل میں درد، لبوں پر آہیں۔

(۴۷)

جس نے دیکھا اس نے یار کو، سمجھا اپنا گہنا،

جو پہچان نہ پائیں وہ کیا، قدر کریں گی بہنا!

(۴۸)

دل نہ چھوڑ کہ سکھ سے تیرا، بھر جائے گا دامن،
اکدن شوق سے تیرے انگنا، آئے گا تیرا ساجن۔

(۴۹)

لحنِ حسینی میں سیبی نے، کی تھی آہ و بکا،
اس کے بعد ہی جگ نے جانا، قضیہ کرب و بلا۔

وائی

کیا کیا جتن کیے، دور وہ لاد گئے،
ہوت نہ لوٹے میرے،
روزِ ازل سے پریت کا بندھن، پریتم باندھ گئے،
قاصد بھیجے کیچ کو میں نے، پریتم تیرے لیے،
تیری پریت میں پنہل سائیں، دکھ ہیں نئے نئے،
جاتے صدائیں دی ساجن نے، ہم وہ سن نہ پائے،
سکھیو، شاہ لطیف کہے، وہ آریانی آئے۔

لیلا چنیسر

چنیسر جام دیبل کا حاکم تھا۔ لیلا اس کی رانی تھی، اسی زمانے میں رائے کھنگار نامی ایک راجا کچھ پر راج کرتا تھا۔ اس کو کونرو نام کی ایک خوبصورت بیٹی تھی۔ کونرو حسین اور عقلمند تھی۔ رائے نے بچپن میں ہی کونرو کی منگنی اپنے بھتیجے اعتمادی سے کردی تھی، اعتمادی کی ایک بہن تھی جمنا جو اس کی بہت پیاری سہیلی تھی۔ کونرو اپنی سہیلیوں میں سب سے زیادہ حسین و چنچل تھی، وہ ہر وقت سہیلیوں سے ہنسی مذاق کرتی، ادھر ادھر کودتی پھلانگتی پھرتی کبھی اس کھڑکی سے جھانکتی، کبھی اس دروازے سے باہر دیکھتی۔ سہیلیاں اس سے کچھ نہ کہتیں، لیکن جمنا اسے ٹوکتی رہتی۔ ایک دن اس کی کسی حرکت پر اس سے کہا کہ تیرے جیسی لڑکی کو میرا بھائی کیسے قابو میں رکھ سکتا ہے تیری چنیسر جیسے حاکم سے شادی ہونی چاہیے! جمنا کی بات کونرو کے دل میں اتر گئی، اس نے کہا اچھا ایسی بات ہے تو آج سے چنیسر ہی میرا شوہر ہے۔ پھر کونرو بھاگی بھاگی ماں کے پاس گئی اور ساری بات ماں کو کہہ سنائی، ماں کو بھی جمنا کی بات پر بہت غصہ آیا۔ اس نے بھی کہا کہ آج سے چنیسر ہی تیرا شوہر ہے۔

کونرو کی ماں نے رائے کھنگار سے کہا کہ کونرو چنیسر سے شادی کرے گی۔ رائے بہت پریشان ہوا لیکن بیٹی اور بیوی کی ضد کو دیکھ کر وہ بھی اس رشتے کے لیے راضی ہو گیا، کونرو اور اس کی ماں ہیرے جواہر لے کر سوداگر کے روپ میں روانہ ہوئیں۔ دیبل میں ان کی کسی سے

جان پہچان نہ تھی۔ وہ ایک سرائے میں رہیں اور کسی طرح چنیسر سے ملنے کا موقعہ ڈھونڈنے لگیں۔ آخر انہوں نے چنیسر کے وزیر جکھرو سے راہ و رسم پیدا کی اور اسے اپنے دل کا حال بتایا جکھرو نے کہا چنیسر لیلا سے اس قدر محبت کرتا ہے کہ وہ کسی اور عورت کی طرف دیکھتا تک نہیں، لیکن اس نے وعدہ کیا کہ وہ کسی طرح کونرو کے دل کا حال چنیسر تک پہنچائے گا۔

دوسرے دن جکھرو محل میں گیا اور موقعہ پاکر کونرو کی محبت کا حال چنیسر کو بتایا لیکن چنیسر پر کونرو کی محبت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس نے کہا کونرو سے کہو کہ میں اپنی لیلا سے اتنی محبت کرتا ہوں کہ کسی اور عورت کا خیال تک دل میں نہیں لا سکتا۔ جکھرو نے واپس آکر کونرو کو چنیسر کا جواب سنایا۔ لیکن کونرو مایوس نہ ہوئی۔ وہ اپنی قسمت آزماتی رہی، آخر ایک دن محل کی مالن کی مدد سے وہ لیلا سے ملی اور اس سے درخواست کی کہ وہ اسے اور اس کی ماں کو اپنی کنیزوں میں شامل کرلے۔ لیلا کونرو اور اس کی ماں کی شکل وصورت سے بہت متاثر ہوئی اور دونوں کو نوکر رکھ لیا۔ کونرو چنیسر کے پلنگ کی اور اس کی ماں لیلا کے پلنگ کی دیکھ بھال کرنے پر مامور ہوئیں۔

چنیسر محل میں آتا تو کونرو سراپا التجا بن کر اس کی طرف دیکھتی لیکن چنیسر آنکھ اٹھا کر اس کی طرف نہ دیکھتا۔ ایک رات وہ چنیسر کا بستر لگا رہی تھی کہ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ لیلا نے دیکھ لیا تو وجہ پوچھی۔ پہلے تو کونرو ٹالتی رہی کہ شمع کے دھوئیں کی وجہ سے آنکھوں سے آنسو نکل آئے لیکن جب لیلا نے اصرار کیا تو اس نے بتایا کہ وہ بھی راجا کی لڑکی ہے لیکن حالات نے اسے اس مقام پر لا کھڑا کیا ہے کہ آج وہ کنیز ہے۔ آپ کے محل میں تو مشعلوں سے اجالا ہوتا ہے لیکن میرے محل میں کوئی شمع نہ جلتی تھی اور لعل و گہر سے سارا محل جگ مگ کرتا تھا آج بھی ان دنوں کی یاد آتی ہے تو آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑتے ہیں۔

کونرو شکل وصورت سے شہزادی لگتی تھی لیکن پھر بھی لیلا کو کونرو کی بات کا یقین نہ آیا۔ کونرو نے لیلا کو یقین دلانے کے لیے اسے ایک ہار دکھایا جس کی جگمگاہٹ کو دیکھ کر لیلا دنگ رہ گئی، لیلا کو وہ ہار بہت پسند آیا، اس نے کونرو سے وہ ہار مانگا، کونرو نے وہ ہار لیلا کو دے دیا۔ لیلا نے کہا بتاؤ تم اس ہار کے بدلے میں مجھ سے کیا لینا چاہتی ہو۔ کونرو نے کہا کہ جو کچھ میں لینا چاہتی

ہوں وہ آپ دے نہ سکیں گی۔ لیکن لیلا نے وعدہ کیا کہ کونرو جو کچھ بھی مانگے گی وہ اسے دے دے گی۔ اس پر کونرو نے کہا مجھے اور کچھ نہیں چاہیے۔ چنیسر سے ملنا چاہتی ہوں لیلا کو ہار کی چمک دمک نے ایسا اندھا کر دیا تھا کہ وہ کونرو کی بات ماننے کے لیے تیار ہو گئی اور کہا کہ اچھا آج رات تم چنیسر سے بات کر سکتی ہو۔

کونرو بہت خوش ہوئی۔ ہار سنگھار کیا اور چنیسر کا انتظار کرنے لگی، اتفاق سے اس رات چنیسر دیر تک دوستوں کے ساتھ رہا اور رات کو دیر سے محل میں آیا۔ کونرو نے آگے بڑھ کر اسے تھاما، چنیسر کونرو کو بھی لیلا سمجھا اور ساری رات کونرو سے پیار کرتا رہا، صبح کو جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے بستر پر لیلا کی بجائے کونرو کو دیکھا۔ وہ بہت حیران ہوا اور کونرو سے پوچھا تم کون ہو اور یہاں کیسے ہو میری لیلا کہاں ہے۔ کونرو نے کہا کہ آپ کی لیلا نے ہار کے بدلے آپ کو ایک رات کے لیے مجھے دے دیا ہے۔ چنیسر کو کونرو کی بات کا یقین نہ آیا وہ سیدھا لیلا کے پاس پہنچا اور اس سے پوچھا تو لیلا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ اس کے قدموں پر گر گئی اور اس سے معافی مانگنے لگی۔ لیکن چنیسر کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ وہ لیلا کو ٹھکرا کر چلا گیا اور کونرو کو اپنی رانی بنا لیا۔

لیلا بہت روئی اور پچھتائی لیکن چنیسر کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا، اب لیلا کا وہاں رہنا ناممکن تھا، وہ اپنی آنکھوں سے چنیسر اور کونرو کو ایک ہوتا دیکھ نہیں سکتی تھی۔ چنیسر کے وزیر جکھرو کی نسبت لیلا کے خاندان کی ایک لڑکی سے ہوئی تھی لیکن لیلا اور چنیسر کے تعلقات خراب ہو گئے تھے اور لیلا اپنے میکے آ گئی تھی اس وجہ سے لڑکی والوں نے لڑکی کا رشتہ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ جکھرو کو پتہ چلا تو اس نے لڑکی والوں کو بہت سمجھایا لیکن انہوں نے اس کی ایک نہ سنی تب جکھرو نے لیلا کی منتیں کیں کہ وہ لڑکی والوں کو سمجھائے۔ لیلا نے کہا کہ تمہاری شادی اسی لڑکی سے ہو سکتی ہے لیکن تم وعدہ کرو کہ اپنی شادی پر چنیسر کو بھی اپنے ساتھ لاؤ گے، جکھرو نے وعدہ کیا اور شادی کی تیاریاں ہونے لگیں، شادی کے دن جکھرو چنیسر کو اپنے ساتھ لایا جیسے ہی بارات پہنچی تو شہر کی جوان اور خوبصورت لڑکیاں ناچ ناچ کر برات کا خیر مقدم کرنے لگیں۔ ان لڑکیوں میں ایک ایسی لڑکی بھی تھی جو گھونگھٹ ڈال کر چنیسر کے سامنے ناچ اور گا رہی تھی۔ اس کے ناچ اور گانے نے چنیسر کا دل موہ لیا۔ اس نے لڑکی سے کہا کہ گھونگھٹ ہٹا کر ہمیں اپنا

چہرہ دکھاؤ۔ لڑکی نے گھونگھٹ اٹھایا تو چنیسر حیران رہ گیا۔ اس کے سامنے لیلا کھڑی تھی، دونوں ایک دوسرے کو دیکھتے رہے۔ دونوں کی محبت پھر سے جاگ اٹھی اور دونوں کی نظریں ایک دوسرے کے چہرے پر جم گئیں۔ بڑی دیر تک آنکھ جھپکائے بغیر وہ ایک دوسرے کو دیکھتے رہے، پھر باراتیوں نے قریب آکر دیکھا تو پتہ چلا کہ ان کی آنکھیں تو ایک دوسرے پر جمی ہوئی تھیں لیکن ان کی روحیں جسموں سے نکل کر ایک ہو چکی تھیں۔

سُر ليلا چنيسر

سرُ لیلا چنیسر

پہلی داستان

(۱)

سدا کا داغ لگا ہے سائیں، سدا کا ہے اب غم،
سائیں کی سوگند ہے تجھ کو، روٹھ نہ اے ہمدم!
چوموں تیرے قدم، اور موتی جھونکوں آگ میں۔

(۲)

آگ میں ڈالوں موتی سائیں، بھاڑ میں جھونکوں ہار،
لوٹ کے آئے یار!، تو مان ملے مجھ میلی کو۔

(۳)

آگ میں ڈال یہ موتی، بھاڑ میں جھونک دے ھار،
کہے لطیف کہ بن پریتم کے، دل کو کہاں قرار،

وہ غیور اور زور آور ہے، جس سے تیرا پیار،
چاروں اور "چنیسر" کی، مچی ہے ہاہا کار،
موتی پر مت وار، جو پریتم نین کی ٹھنڈک ہے۔

④

دنیا ہے مکار، تو پریتم عقل مجسم،
چھوڑ کے ایسا یار، ہاتھ لگا مت ہار کو۔

⑤

موہ لیا من موتی نے، یہ کیسے ہیں اطوار،
منہ سے مانگ کے موتی تو نے، کھویا ہے دلدار،
روٹھ گیا ہے یار، ہجر کا داغ ہے دل میں۔

⑥

موہ لیا من موتی نے اور، لیا لپک کے ہار،
لعل و گہر کے کارن جگ میں، لاکھوں ہو گئے خوار،
روٹھ گیا ہے یار، ہجر کا داغ ہے دل میں۔

⑦

من کو موہ گئے موتی کے، سندر نقش و نگار،
سوچا پاس رہے گا تیرے، سدا یہ سندر ہار،
ہو گئی تیری ہار، جیت ہوئی "کونرو" کی۔

(۸)

نقلی موتی دیکھ کے کیسے، ریجھا تیرا من،
کانچ کے اس ٹکڑے کو تو نے، جانا ایک رتن،
موتی کے کارن، کتنوں نے ہے یار گنوایا۔

(۹)

یہ ہے گلے کا طوق اے سجنی!، جس کو سمجھی ہار،
تجھ کو چھوڑ کے بنا چنیسر، کونرو کا ہے یار،
دل سے دے نہ اُتار، کسی کو اس کا ساجن۔

(۱۰)

ان ہاتھوں میں کنگن تھے اور، نہ ہی گلے میں ہار،
نہ انکھین میں کاجل تھا اور، نہ ہی ہار سنگھار،
جام چنیسر یار، مجھ پر تھا تب مائل۔

(۱۱)

کانوں میں تھی بالیاں اور، گلے میں جھلمل ہار،
کھن کھن کرتے سونے کنگن، کیا تھا ہار سنگھار،
جام چنیسر یار، روٹھ گیا تب مجھ سے۔

(۱۲)

شاید مجھ سے جام چنیسر، پہلے ہی تھا بدظن،
چھوڑ گیا وہ ساجن، موتی بنا بہانا۔

(۱۳)

"جکھرو" نے جب بات کہی تھی، لیلا! جام سے رو کر،
ہوا تھا تب ہی بد ظن ساجن، تجھ کو ہوئی نہ خبر،
روٹھا جام چنیسر، ہار تو بس تھا بہانا۔

(۱۴)

موتی بنا بہانا تجھ سے، جام تو تھا ناراض،
میری بات سنو ری سکھیو!، کرو تم عرض و نیاز،
جام کے یہ انداز، کہ توڑے سب کا مان۔

(۱۵)

بیاہ کے بندھن والے دن ہی، بدلے ہوئے تھے تیور،
تب ہی جان گئی تھی دے گا، ہجر کا داغ یہ دلبر۔

(۱۶)

کونرو تیرے سنگ سوئے گی، بنے گی محل کی رانی،
تجھ سے یہ امید نہ تھی، میں تو تھی انجانی۔

(۱۷)

بول نہ تو مجھ برھن سے، ساجن کڑوے بول،
رہوں میں تیرے قدموں میں، جیون بھرائے ڈھول!

(۱۸)

لاد کے اپنا اونٹ، "لیلا" نیر بہائے،

کوئی اسے بتلائے، لیلا لاد چلی ہے۔

وائی

آنگن میں آ یار! چھوڑ دیا اب ہار،
مجھے لبھانے کو لائی تھی، وہ نولکھا ہار،
دل للچایا، چھین لیا ہے، مجھ سے میرا یار،
میرے جو بھی عیب ہیں سائیں!، سارے عیب بسار،
کیسے اب میں ناز کروں گی، آن کے تیرے دوار،
کہے لطیف کہ آئی ہوں میں، تیرے انگنا یار!

دوسری داستان

(۱)

موتی دیکھ کے من للچایا، مار گیا تھا مان،
کہتی ہیں کہ میلی ہے تو، سکھیاں اب ہر آن،
سب نے میرے دل کو جلایا، کیا کیا ہیں بہتان،
رہی نہ اب وہ آن، بھولیں سب اٹکھیلیاں۔

(۲)

شاید سب سکھیوں نے، اوگن میرے دیکھے،
جبھی تو وہ سب آکے، دیتی ہیں یوں طعنے۔

(۳)

پریتم کو میں پرکھ نہ پائی، یوں تو تھی ہشیار،
سوچا تھا کہ سندر لاگوں، گلے میں ڈالوں ہار،
لیکن پریتم کو کب بھاتا ہے، جھوٹا ہار سنگھار۔
جانے جانَنہار، جو دل میں بھید چھپے ہیں۔

(۴)

کہتی تھی میں سیج پہ بیٹھوں، پاؤں پیا کی چاہ،
لیکن واں باللہ، داسی کو ہی مان ملے۔

(۵)

عقل نہیں درکار، عقل میں دکھ ہی دکھ ہے،
بھولے پن میں یار، کیا کیا مہر کرے ہے۔

(۶)

سب سکھیوں کے جھرمٹ میں تب، عجب تھی میری شان،
جس دم ہار کو ہاتھ لگایا، روٹھ گئی مسکان،
چھوڑ گیا گنوان، دے گیا ہجر کا داغ وہ ساجن۔

(۷)

تیرے راج میں جام چنیسر!، کیا تھی میری شان،
طبل نقارے باج رہے تھے، کرتے تھے سب مان،
روٹھ گیا گنوان، دے گیا ہجر کا داغ وہ ساجن۔

(۸)

تیرے راج میں جام چنیسر!، عجب تھی میری شان،
قدم قدم پر نوکر تھے اور، در پر تھے دربان،
طبل نقارے باج رہے تھے، بڑی تھی آن اور بان،
روٹھ گیا گنوان، دے گیا ہجر کا داغ وہ ساجن۔

(۹)

جھول رہی تھی جھولوں میں اور، خود میں تھی میں مگن،
موتی کی تھی بات ذرا سی، ہوگئے پی بد ظن،
بھر گیا دکھ سے دامن، اور روٹھ گیا وہ چنیسر۔

(۱۰)

بیوہ ہونے کا ڈر کیسا، کیسا خوف سہاگن،
ان سے روٹھے ساجن، جو خودداری دکھلائیں۔

(۱۱)

ایسے وصل سے کیا حاصل کہ، جس سے آئے غرور،
حاصل کر وہ ہجر کہ جس سے، ملے وہ آپ حضور۔

(۱۲)

ذرا تو کر اب یاد اے لیلا!، اپنے سارے لچھن،
دیا تھا طعنہ اپنے پی کو، اس سے کی ان بن،
کیا سوچے گا ساجن، تو یہ جان نہ پائی۔

(۱۳)

کیسی بھول ہوئی کہ جام کو، دکھلائی خودداری،
جان نہ پائی اس ساجن کو، جس کی تھی تو پیاری،
کونرو بنی دلاری، اور روٹھ گیا وہ ساجن۔

(۱۴)

بات سجن سے چھیڑ کے مت تو، ظاہر کر اوقات،
ساجن کو ناراض کیا اور، درد کی لی سوغات،
ہجر کی آئی رات، تیری خودداری کے کارن۔

(۱۵)

مت دکھلانا مان کہ ساجن، بڑا ہے نکتہ دان،
تو ناداں انجان، ٹھوکر کہیں نہ کھائے۔

(۱۶)

تو مت مان دکھا اے لیلا!، عجب ہے وہ دلبند،
جس کو سمجھی تھی تو اپنا، وہ ہے غیرت مند،
اس کو کہاں پسند، بن اس کے تو اور کو چاہے۔

(۱۷)

وہ ہے چنیسر جام اسے تو، ہٹی مت دکھلا،
وہ ہر بات پہ صبر دکھائے، صبر سراپا اس کا،
عیب تیرے ڈھانپے گا، ڈال کے اپنا دامن۔

(۱۸)

ہٹ دھرمی نہ دکھلا لیلا!، وہ ہے چنیسر رائے،
ایسا ہے وہ جام کہ جس کو، کوئی نہ اپنا پائے،
ان کو بھی ٹھکرائے، جن کے ناز اُٹھاتا ہے وہ۔

(۱۹)

اب نہ بنا بہانے اور تو، چھوڑ دے حیلے سارے،
ڈال کے پلو گردن میں تو، آجا پی کے دوارے،
عجز سے اسے منالے، تو ہوگی مہر اس ساجن کی۔

(۲۰)

پل پل کر تو منت اِس کی، روکر اسے رجھا،
اپنے پی کو منا، عجز و نیاز سے لیلا!،

(۲۱)

منت سے گر یار نہ مانے، پھر بھی کر منت،
جام سراپا رحمت، رکھ تو آس اسی کی۔

وائی

شاید مہر کریں، میری آس بندھی ہے،
تیری یاد میں تڑپ تڑپ کر، موت سے جا نہ ملیں،
ہم جیسوں بن جی لے گا تو، تجھ بن ہم نہ جئیں،

تو ہی کہہ دے تجھ بن کس سے، عرض و نیاز کریں،
کہے لطیف کہ مہر سے ساجن، انگنا پیر دھریں۔

تیسری داستان

(۱)

ناز و ادا مت دکھلائے اُس، جام کو کوئی نار،
جب پرکھا تو جان لیا کہ، بڑی ہے وہ سرکار،
جس کا ہے دلدار، ان کو بھی ٹھکراتا ہے۔

(۲)

ناز و ادا اس ساجن کو، کوئی بھی مت دکھلائے،
خود بینی خودداری سکھیو، اسے کبھی نہ بھائے،
دوست کو بھی ٹھکرائے، ذرا سی بھی ہو بھول اگر۔

(۳)

بنی ہیں آج سہاگنیں، گلے میں ڈالے ہار،
اپنا پی پانے کے کارن، کیا کیا کریں سنگھار،
وہ ہی پائیں پیار، چھوڑیں جو خود بینی کو۔

(۴)

بنی ہیں آج سہاگنیں، پہن رکھے ہیں زیور،
بن ٹھن کر سب یوں آئی ہیں، جائیں گی پی کو پا کر،

جام تو اس کا دلبر، جو تج دے خود داری کو۔

۵

جھلمل گہنے جگمگ جگمگ، ہر اک بنی سہاگن،
ہر اک سمجھی جام چنیسر اسی کو دے گا درشن،
وہ آیا ان کے آنگن، جو خود سے تھیں مجوب۔

۶

لے کر اپنے عیب اے سائیں! آئی ہوں تیرے دوارے،
میں کمزور اک ناری ہوں تو، روٹھ نہ مجھ سے پیارے،
ڈھانپ دے عیب تو سارے، ڈال کے پلو اپنا۔

۷

دیکھ تو اپنی شان اے سائیں!، میں تو ہوں نادان،
ڈھانپ دے میرے عیب تو سارے، دے برہن کو مان،
تو وہ جام مہان، جو ڈھانپے سب کے عیبوں کو۔

۸

مجھ میں ذرا نہ گن اے سائیں!، دیکھ نہ میرے لچھن،
مہر سے ڈھانپ اے ساجن!، میرے عیب تو سارے۔

۹

دھیر بندھا اس برہن کی اور، دے دلاسہ یار،
تو مالک میں چاہنے والی، اور، ہیں سب اغیار،

ڈھانپ لے اے دلدار!، رکھ لے لاج تو جگ میں۔

(۱۰)

کمتر ہوں میں جیسی بھی ہوں، مجھے تو مت دُھتکار،
دھرتی کی میں خاک ہوئی ہوں، تیرے ہجر میں یار!
تو ہی اک دلدار، تیری بہت ہیں رانیاں۔

(۱۱)

کیا کیا تیری رانیاں تو، ایک ہے میرا دولہا،
سدا سہاگ رہے گا تیرا، یوں نہ سمجھ اے لیلا!
کر دے آنگن اُجلا، آن کے میرے پاس اے ساجن!

(۱۲)

کیا کیا تیری رانیاں ہیں، سب کا دولہا تو،
کوئی سکھی نہ طعنہ دے اب، ڈال دے اپنا پلو،
میرا طوقِ گلو، تیرا ہی دامن ہے سائیں۔

(۱۳)

ہجر کا درد سہا نہ جائے، آجا میری اور،
تیری کیا کیا رانیاں، میرا نہ کوئی اور،
میں برہن کمزور، آجا میرے آنگن سائیں!

(۱۴)

تڑپ نہ اب اے لیلا! اُٹھ اور، کر دے اجلا آنگن،

آئیں گے تیرے ساجن، سب کچھ کر قربان تو اس پر۔

(۱۵)

تڑپ نہ اب اے لیلا! اُٹھ اور، کر دے آنگن اُجلا،
دیکھ کہ پریتم تیرا، آج تیرے گھر آیا ہے۔

وائی

جیتے جی مل جائیں، کاش وہ ساجن میرے،
تیرے دامن کا سایہ ہو، سب ہوں دور بلائیں،
کرم تیرا ہو جائے تو ہم، ساجن سے مل جائیں،
پلکوں سے ہم دھول چنیں اور، قدموں کو چھو آئیں۔
دور سے آتا دیکھ کے ساجن، کیا کیا گن گنوائیں،
دیکھ تو کیسے پریتم ہیں وہ، عیب نہ جو جتلائیں،
کہے لطیف کہ ساجن نے ہیں، سن لیں آج دعائیں۔

مومل رانو

کسی زمانے میں راجا نند نام کا ایک راجا سندھ کے ماتھیلو پرگنے پر حکومت کرتا تھا۔ راجا نند کی سات بیٹیاں تھیں۔ مومل سب سے زیادہ حسین اور سومل سب سے زیادہ عقلمند اور ہوشیار تھی۔ ایک دن راجا نند شکار کھیلنے گیا۔ جنگل میں اسے ایک سور نظر آیا۔ راجا نے سور کو مارنا چاہا لیکن سور راجا کو دیکھتے ہی بھاگ کھڑا ہوا۔ راجا نے اس کا تعاقب کیا، بھاگتے بھاگتے سور دریا کے کنارے پہنچا اور دریا میں کود پڑا۔ راجا نے دیکھا کہ سور کے کودتے ہی دریا کا پانی اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔ دریا میں راستہ بن گیا جس سے گذر کر سور دریا کے دوسرے کنارے پہنچا۔ راجا نے اس غیر معمولی سور کو مارنے کا تہیہ کیا۔ اسی راستے سے دریا پار کیا اور دوسرے کنارے پر جاکر سور کو مارا۔ سور کو مارنے کے بعد راجا نے اس کا ایک ایک عضو کاٹا۔ اور جب اس کا دانت پانی میں ڈالا تو پانی اس جگہ سے ہٹ گیا اور دریا میں راستہ بن گیا۔ راجا اس راستے سے واپس ہوا۔ راجا نے سوچا کہ کیوں نہ سور کے اس دانت سے فائدہ اٹھایا جائے اور سارا خزانہ دریا میں چھپادیا جائے تاکہ کسی کو اس کے خزانے کا پتہ نہ چلے۔ یہ سوچ کہ وہ محل میں آیا اور اپنا خزانہ لے کر دریا کی تہہ پر چھپادیا۔ وہ دانت اس نے اپنی بیٹی مومل کو دیا اور اسے حفاظت سے رکھنے کو کہا۔ مومل نے اسی وقت سنار کو بلوایا اور دانت کو نولکھا ہار میں جڑواکر گلے میں پہن لیا۔ کچھ دن گذرے تو ایک دن مومل اپنی سہیلیوں اور بہنوں کے ساتھ تالاب پر نہانے گئی۔ مومل نے تالاب میں پاؤں رکھا تو تالاب کا

پانی اپنی جگہ سے ہٹ گیااور تالاب میں راستہ بن گیا۔ مومل کی سہیلیاں اور بہنیں حیران ہوئیں کہ مومل کے پاؤں رکھتے ہی تالاب میں راستہ کیسے بن گیا۔ مومل کی بہن سومل جو سب سے زیادہ عقلمند تھی اس نے کہا۔ یہ کرامت یا تو مومل میں ہے یا مومل کے اس ہار میں ہے، اس طرح ہار کا رانا تو ظاہر ہو گیا لیکن دانت اور خزانے کا راز راز ہی رہا۔ ماتھیلو کے قریب اونچھل کوٹ نامی ایک بستی تھی۔ اس بستی میں سیتل نام کا ایک جادوگر رہتا تھا۔ سیتل بہت خوبصورت تھا۔ ایک دن سیتل نے جادو کے ذریعے راجانند کے خزانے کا راز معلوم کرلیا۔ اس نے اس بات کا پتہ بھی لگالیا کہ راجانند نے وہ دانت مومل کو دے دیا ہے اگر وہ مل جائے تو وہ راجانند کا سارا خزانہ حاصل کرلے۔ لیکن مومل سے دانت حاصل کرنا ناممکن تھا۔ سیتل نے قسمت آزمانے کے لیے جوگیوں کا لباس پہنا اور سیدھا راجانند کے محل کے دروازے پر آیا اور صدادی اور مومل سے اس ھار کا دان مانگا۔ مومل نے بھولے سے ہار جوگی کو دے دیا، جوگی ہار کو لے کر سیدھا دریا پر پہنچا اور دانت کے ذریعے راجا کا سارا خزانہ لے کر چلتا بنا۔ راجا کو جب پتہ چلا کہ مومل کی نادانی سے اس کا خزانہ لٹ چکا ہے تو اسے بہت غصہ آیا سومل نے باپ کے غصے کو ٹھنڈا کیا اور اس سے وعدہ کیا کہ وہ اسے اس کے کھوئے ہوئے خزانے سے بھی زیادہ خزانہ دلوائے گی، سومل نے خزانہ حاصل کرنے کا ایک منصوبہ بنایا اس نے کاک ندی کے کنارے ایک محل بنوایا جس میں عجیب بھول بھلیاں بنوائیں، اس کی ایک خوبصورت اور چالاک باندی تھی اس کا نام ناتر تھا مومل نے ناتر کو اچھی طرح سکھایا پڑھایا اور پھر مومل کے ساتھ لے کر وہ اس طلسماتی محل میں رہنے لگی۔ اس نے چاروں اور اعلان کروایا کہ جو مومل سے شادی کرنا چاہتا ہے وہ کاک محل آئے اور جو بھی کاک محل سے گذر کر مومل تک پہنچے گا مومل اس سے شادی کرے گی لیکن جو مومل تک نہیں پہنچ پائے گا اس کا سارا خزانہ لوٹ لیا جائے گا۔ اعلان کا ہونا تھا کہ بڑے بڑے مہاراجے ہیرے جواہرات لے کر کاک محل پہنچے۔ کاک محل کے برابر ایک ڈنکا رکھا ہوا تھا، آنے والا پہلے ڈنکا بجاتا۔ ڈنکے کی آواز سن کر مومل بن سنور کر محل کے دریچے سے اپنے حسن کی جھلک دکھاتی، پھر ناتر ہار سنگھار کر کے اٹھلاتی آنے والے کے پاس آتی، اس کے ہیرے جواہر اپنے پاس جمع کراتی اور آنے والے کو ساتھ لے کر محل میں آتی۔ جب وہ بھول بھلیوں کے قریب آتی تو

اچانک غائب ہو جاتی اور آنے والا محل کی بھول بھلیوں میں پھنس کر رہ جاتا اور اس طرح وہ ناکام لوٹ آتا اور اپنے ہیرے جواہرات سے ہاتھ دھو بیٹھتا، کچھ جوگی بن جاتے اور مومل کو یاد کرتے جنگل میں بھٹکتے پھرتے اور کچھ تو اپنی جان تک دے دیتے۔ اسی زمانے میں سومرو قوم کا ایک راجا عمر کوٹ پر حکومت کرتا تھا۔ اس کا نام راجا ہمیر تھا اس کے تین وزیر تھے۔ تینوں بہادر اور دانا تھے لیکن رانو میندھرو ان سب میں زیادہ بہادر اور دانا تھا۔ ہمیر سومرو تینوں کو اپنا دوست سمجھتا تھا لیکن رانو کو سب سے زیادہ پسند کرتا تھا۔ رانو کی بہن کھلن راجا ہمیر سے بیاہی ہوئی تھی۔ ایک دن راجا ہمیر اپنے چاروں ساتھیوں کے ساتھ شکار کھیلنے گیا تو جنگل میں اس کی ایک جوگی سے ملاقات ہوئی۔ وہ جوگی اصل میں ایک شہزادہ تھا جو مومل کو پانے کے شوق میں اپنا سارا خزانہ گنوا بیٹھا تھا اور مومل کے عشق میں جوگی بن گیا تھا، جوگی نے راجا ہمیر کے سامنے مومل کا حسن اس طرح بیان کیا کہ اس کے دل میں بھی مومل کو پانے کی خواہش جاگی اور وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ کاک محل کی طرف چل پڑا، شام ہوئی تو وہ کاک محل پہنچے، انہوں نے کاک محل کے باہر ڈیرہ ڈالا اور صبح ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ صبح ہوئی تو ہمیر سومرو نے راجپوتانہ انداز اور شان سے ڈنکا بجایا۔ ڈنکے کی آواز سن کو مومل نے سنگھار کیا اور بن سنور کر محل کے دریچے سے اپنی جھلک دکھائی۔ مومل کو دیکھتے ہی ہمیر اس پر عاشق ہو گیا۔ مومل دریچے سے ہٹ گئی۔ ناتر بن سنور کے ان کے پاس آئی۔ اور ہمیر سومرو اس کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہوا اس نے شاہی لباس پہنا۔ کمر سے تلوار باندھی اور ناتر کے ساتھ محل کی طرف چلا۔ ہمیر نے جیسے ہی محل میں قدم رکھا تو ایسی زور کی بجلی چمکی کہ ہمیر کے ہوش خطا ہو گئے بادل گرجا، کہیں سے شیر کے دھاڑنے کی آواز آئی۔ سانپ پھنکارے اور اس پر حملہ کرنے لگے۔ ہمیر نے پلٹ کر ناتر کی طرف دیکھا۔ ناتر غائب ہو چکی تھی۔ وہ سخت پریشان ہوا اور ہانپتا کانپتا واپس لوٹ آیا۔

ہمیر کے سب ساتھی محل میں گئے اور اسی طرح ہانپتے کانپتے واپس لوٹ آئے۔ سب سے آخر میں رانو روانہ ہوا۔ جیسے ہی رانو نے محل میں قدم رکھا۔ زور کی بجلی چمکی، بادل گرجے، شیر دھاڑا، سانپ پھنکار کر اس پر حملہ کرنے لگے لیکن رانو بالکل نہ گھبرایا اس وقت ناتر کھسکنے لگی۔ لیکن رانو کے حواس قائم تھے اس نے لپک کر ناتر کو چٹیا سے پکڑ لیا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ

بھول بھلیوں سے باہر نکل آیا اور مومل کے محل میں پہنچا۔ اس کے سامنے سات حسین دوشیزائیں آکر کھڑی ہو گئیں رانو ان میں سے مومل کو نہیں پہچانتا تھا ابھی وہ اسی پریشانی میں کھڑا تھا کہ محل کی کھڑکی سے ایک بھنورا اندر آیا اور ان ساتھ لڑکیوں میں سے ایک کے چہرے کے گرد منڈلانے لگا۔ رانو سمجھ گیا کہ یہی مومل ہے، اس نے آگے بڑھ کر اس لڑکی کا ہاتھ تھام لیا۔ مومل، رانو کی دانائی سے بہت متاثر ہوئی اور اسے اپنا سر تاج مان لیا۔

ہمیر سومرو اور اس کے ساتھی رانو کا انتظار کر رہے تھے۔ وہ خود تو جلدی ناکام ہو کر واپس آگئے تھے لیکن رانو ابھی تک نہیں آیا تھا۔ وہ سمجھ گئے کہ رانو مومل کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گیا ہے۔ اسی لیے ابھی تک واپس نہیں آیا۔ آدھی رات کو رانو واپس آیا تو ہمیر سومرو نے قدرے غصے سے پوچھا۔ کیا تم مومل کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے؟ رانو نے ہمیر سومرو کے لہجے میں حسد کی جھلک دیکھ لی۔ اس نے کہا۔ نہیں سرکار میں بھی ناکام ہوا۔ ہمیر نے اسی وقت واپس چلنے کا حکم دیا اور چاروں عمر کوٹ کی طرف چلے۔ عمر کوٹ میں رانو، مومل کے بغیر اُداس رہنے لگا۔ ہمیر سومرو نے اس کی اداسی سے اندازہ کر لیا کہ رانو نے مومل کو حاصل کر لیا ہے اور اس سے جھوٹ بول رہا ہے۔ اس بات سے وہ رانو سے ناراض رہنے لگا۔ راجا ہمیر کے ڈر سے رانو ہر رات تیز رفتار اونٹ پر سوار ہو کر مومل سے ملنے جاتا اور صبح کو واپس آکر ہمیر کے دربار میں حاضر رہتا۔ ایک رات مومل سے ملنے آیا تو اس نے دیکھا کہ مومل کسی غیر مرد کے ساتھ سوئی ہوئی ہے۔ اس نے تلوار نکالی اور دونوں کو وہیں ختم کرنا چاہا لیکن پھر اس نے سوچا کہ مومل کو مارنا نہیں چاہیے، وہ زندہ رہے گی اور ساری زندگی اپنے کیے پر پچھتاتی رہے گی یہ سوچ کر اس نے اپنی نشانی مومل کے پاس رکھی اور خود واپس چلا آیا۔ اصل میں مومل کی بہن سومل نے رانو کے دل میں غلط فہمی پیدا کرنے کے لیے یہ کھیل کھیلا تھا اور مردانہ لباس پہن کر مومل کے ساتھ سو گئی تھی۔ مومل صبح کو نیند سے بیدار ہوئی تو اس نے اپنے پلنگ کے پاس رانو کی نشانی دیکھی، مومل سمجھ گئی کہ رانو رات آیا تھا سومل کو اس کے ساتھ سوتا دیکھ کر وہ کسی غلط فہمی کا شکار ہو گیا اور واپس چلا گیا۔ وہ بہت روئی پیٹی۔ رانو کو پیغام بھیجے لیکن رانو نہ آیا۔ مومل کے لیے وہاں رہنا مشکل ہو گیا۔ اور اس نے رانو کے پاس جا کر اسے منانے کا ارادہ کیا اس نے رانیوں والا لباس اتارا

اور جوگیوں کا لباس پہن کر رانو سے ملنے عمرکوٹ چلی۔

صحرا میں بھٹکتی ہوئی آخر وہ عمرکوٹ پہنچی اور رانو کے محل کے سامنے کٹیا ڈال کر رہنے لگی۔ وہ رانو کو دیکھتی اور خوش ہوتی۔ آہستہ آہستہ رانو سے اس کی راہ و رسم بڑھی اور رانو اس کے پاس آنے جانے لگا۔ رات کو دونوں چوسر کھیلتے۔ ایک رات چوسر کھیلتے ہوئے اس نے جوں ہی پانسہ پھینکا۔ اس کی کلائی سے آستین ہٹ گئی اور رانو نے اس کی کلائی پر نشان دیکھ کر پہچان لیا کہ وہ مومل ہے۔

مومل اس کے قدموں میں گر گئی اور گڑگڑا کر اسے اپنی بے گناہی کا یقین دلانے لگی لیکن رانو نے اپنی آنکھوں سے اسے غیر مرد کے ساتھ سوئے ہوئے دیکھا تھا۔ وہ اس کی بے گناہی کا یقین کیسے کرتا۔ وہ اسے ٹھکرا کر چلا گیا۔ اب مومل کو یقین ہو گیا کہ رانو کا شک کبھی بھی دور نہیں ہوگا اور وہ کبھی بھی اسے قبول نہیں کرے گا۔ رانو کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتی تھی۔ اس نے چتا بنوائی اور اس میں کودنے کی تیاریاں کرنے لگی تاکہ اس طرح رانو کو اس کی بے گناہی کا یقین آجائے۔

رانو کو پتہ چلا کہ مومل نے آگ میں جلنے کا ارادہ کر لیا ہے تو اسے مومل کی بے گناہی کا یقین ہو گیا۔ وہ بھاگتا ہوا مومل کے پاس پہنچا۔ لیکن تب تک مومل آگ میں کود چکی تھی۔ رانو سے یہ نہ دیکھا گیا۔ اس نے بھی آگ میں چھلانگ لگائی اور دونوں ایک ساتھ جل کر خاک ہوئے۔

سُر مومل رانو

سرُ مومل رانو

پہلی داستان

(۱)

کل دیکھا اک جوگی سوامی، انگ بھبھوت بھکاری،
ماتھے پر تھا مکٹ گلے میں، بجی تھی مالھا پیاری،
ایک نظر جو ڈاری، کر گیا دل کو گھایل۔

(۲)

کل دیکھا اک جوگی سوامی، صورت ماہ منیر،
جوگی یار فقیر، جگا گیا ہے پیار۔

(۳)

کل دیکھا اک جوگی سوامی، نکھری تھی جب دھوپ،
خون کے آنسو روئیں اکھیاں، دیکھ کے اس کا روپ،

مومل کا بہروپ، جو دیکھے لوٹ نہ آئے۔

(۴)

کل دیکھا اک جوگی سوامی، دھول ملے تھے انگ،
سونے منکوں کی مالا تھی، سبز تھا شال کا رنگ،
کیا ہیں اس کے ڈھنگ، کیسی ہے وہ مومل؟

(۵)

کل دیکھا اک جوگی سوامی، سارا انگ بھبھوت،
چھایا عجب سکوت، اس کی دید سے من میں۔

(۶)

بات چلی جب مومل کی تو، عجب تھا اس کا حال،
کاک محل کا کیف چڑھا اور، بھیگے اس کے گال،
دیکھا حسن و جمال، مہکے گھاؤ پرانے۔

(۷)

سورج دہکے جس طرح، دہکے روشن رُو،
رچی ہوئی تھی مشک کی اس کی، گدڑی میں خوشبو،
دکھا گیا وہ جو، جہاں سے رچ کر لال ہوا تھا۔

(۸)

سورج دہکے جس طرح، دہکے روشن رنگ،
دیکھوں دیکھ نہ پاؤں اس کے، جگمگ کرتے انگ،

کس سے رچ کر لال ہوا ہے، چڑھا ہے کیسا رنگ؟
من میں پریت اُمنگ، چھلکے پیار وجود سے۔

⑨

تن تھا کندن کی طرح اور، عشق کا اس پہ جڑاؤ،
جلنے کارن جنم لیا تھا، روشن مکھ الاؤ،
کھایا کیا کیا گھاؤ، دیکھیں "کاک" کنواریاں۔

وائی

خود کو کر تیار، کب کاک کو جانا ہوگا،
جانے کتنے راھی روند کے، گئے یہ راہ گذار،
ساجن کا سندیس ہے آیا، ہو جا اب تیار،
جس سے پوچھو یہ ہی کہے پھر، لوٹ نہ آئے یار،
حکم ہو جب اس ساجن کا تب، کون کرے انکار،
کہے لطیف کہ سکھیوری! میں، چلی ہوں ساجن دوار۔

دوسری داستان

①

جوگی کہہ احوال، کیسی ہیں وہ کنواریاں،
جن کو دیکھ کے نینن سے تو، نیر بہائے لال،

کیسا حسن جمال، جوگی دیکھ کے آئے ہو۔

(۲)

گجری کے نینوں میں دیکھیں، عشق کی تیکھی تبریں،
مارے وہ شہزادوں کو ہے، کاری قہری ضربیں،
شہزادوں کی قبریں، دیکھو کاک کے ساحل پر۔

(۳)

جوگی جو ہیں مہان، ناگ کریں قابو میں،
ان کو مارے بان، گجری نین جُھکا کر۔

(۴)

مومل کے نینوں میں، عشق کے ہیں الماس،
عام ہو چاہے خاص، ہو جائیں سب گھائل۔

(۵)

مومل کے نینوں میں، عشق کے تیکھے تیر،
حاکم جو بلوان کہائیں، بڑے بڑے بل بیر،
ایک نظر شمشیر، ہو جائیں سب گھائل۔

(۶)

مومل مارے میر، بڑے بڑے بلوان،
اس کی سندرتا کو ترسیں، کیا کیا پنڈت پیر،
مومل مارے تیر، شاہوں شہزوروں کو۔

⑦

جوگی آج جگا کر، دکھا گیا اب راہ،
"لڈانہ" میں پنپ رہا ہے، یارو! عشق اتھاہ،
لہریں مارے چاہ، جو جائے سو پائے۔

⑧

چلو کاک کی اور چلیں جاں، موجیں مارے پریت،
ہر اک دیکھے میت، کوئی روک نہ ٹوک ہے۔

⑨

چلو کاک کی اور چلیں جاں، پنپ رہا ہے پیار،
ہر اک دیکھے یار، وہاں پہ دن نہ رات ہے۔

⑩

چلو کاک کی اور چلیں سب، جہاں اُبلتی دیگیں،
چلو تو ہم بھی دیکھیں، پریت کا واں پر رنگ چڑھے ہے۔

⑪

اس کارن تھا تجھ کو پالا، چلے تو کاک کی اور،
دھیان سے رکھ تو پیر اے ناقہ! کب ہے تو کمزور،
سانجھ سمے کو مدِ مقابل، ہوگی وہ چت چور،
آج دکھا دے زور، اعلیٰ نسل ہے تیری۔

(۱۲)

جہاں انگور ہے، سرکھنڈ شاخیں، چندن، نیل کمل،
بھنورے نہ منڈلائے جن پر، کنول کھلے شیتل،
اونٹ رے! کاک کو چل، دیکھیں کنول، کنواریاں۔

(۱۳)

ناقہ ہے نربل، تیز ہے اس کی چال،
جیسے پنچھی اڑ کر پہنچے، پہنچیں کاک محل،
دھیمی چال نہ چل، اعلیٰ نسل ہے تیری۔

(۱۴)

کاک کنارے پیڑ کھڑے ہیں، اِن سے اونٹ گذر،
لوٹ کے پھر نہ آئے پہنچے، جو بھی کاک کے اندر،
جو بھی گئے اُدھر، بھول گئے سب رشتے ناتے۔

(۱۵)

چڑھے وہ چاروں یار، ماہر تھے جو شکاری،
سوڈھے نے کچھ سوچ کے پھینکی، تال میں ایک سپاری،
پھر تو چلے وہ کاک محل کو، جہاں تھی مومل پیاری،
آگے گئے وہ شکاری، روند کے پھول کنول کے۔

وائی

رانا جو رجپوت، مومل وہ پائیں گے،
عالم، پیر، فقیر، امیر، سارے جاں دے دینگے،
مان کے حکم خدا کا آخر، یاں سے لاد چلیں گے،
کلمے کی آواز میں تجھ کو، اپنے ڈھول دھریں گے،
آس بندھی ہے موت گھڑی کو، آساں آپ کریں گے،
مشکل آن پڑے گی جس دم، مرسل آپ آئیں گے،
میں ہوں یار بھکاری پھر بھی، مرشد مان کریں گے،
کل نفس ذائقة الموت، بات یہ کب سمجھیں گے،
جو لکھا ہے پورا ہو گا، کچھ بھی یار کریں گے،
سکھیو! شاہ لطیف کہے کہ، فضل وہ فرمائیں گے۔

تیسری داستان

(۱)

جیسے پھول گلاب کے، ایسا ان کا بھیس،
جوڑے خوشبو میں رچے، مہکے مہکے کیس،
کہے لطیف کہ دیکھ کے صورت، لاگیں عشق کے نیش،
دیکھ کے سندر بھیس، حیرت میں ہیں سارے۔

(۲)

جیسے پان کے پات، ایسی سبز ہیں شالیں،
تن ہیں خوشبو میں بسے اور، خوشبو کی برسات،
جُوڑے چندن میں رچے، مہکیں احساسات،
کان میں جھمکے بالیاں، کیا کیا ان کی صفات،
کہے لطیف سجائیں خود کو، رنگیں ملبوسات،
جاگے احساسات، پریت ہوئی سوڈھل سے۔

(۳)

کُندن تن کنواریاں، کھیلیں چاندی سنگ،
آنگن خوشبو میں بسے، مہکیں سیج پلنگ،
عطر اُنڈیل کے دھوئے سب نے، اُجلے اُجلے انگ،
ایک ہجومِ عاشقاں، دیکھ کے رہ گیا دنگ،
عاشق عاشق بیراگی ہے، جوگی کا ہے سنگ،
چڑھا عشق کا رنگ، آئیں گے اب کاک پر۔

(۴)

کاک ندی کے گھاٹ پر وہ، رچ کر ہوگئے لال،
مستی چڑھ گئی عشق کی جب، پی لی مئے جمال،
لوٹے جب وہ کاک محل سے، عجب تھا ان کا حال،
ہوگا کبھی وصال، جوگی بیراگی ہوئے۔

(۵)

کاک ندی کے گھاٹ پر، چاہیں اب وہ وصال،
کل پیا تھا کاک کا پانی، نیر بہائیں لال،
ایسے وہ سرمست ہوئے کہ، کل کا نہیں خیال،
جیسے ”ماموئی“ تھے ویسا، اب تھا ان کا حال،
دیکھا حسن کمال، جس میں رچ کر لال ہوئے۔

(۶)

رچ کر لال ہوئے وہ ایسے، ماند پڑے نہ لالی،
کیسے اُترے گا بھٹی میں، رنگ جو ہے ”ھالاری“،
چاہے دھوئے دھوبی، رنگ کبھی نہ اُترے۔

(۷)

دھوتی ہیں جس گھاٹ پر، چندن مہکی زلفیں،
بھنورے سمجھے پھول ہیں، تال میں آن پڑیں،
دیکھ کے ”راول“ روئیں، مہک سے پریت بھنور کی۔

(۸)

جہاں کھایا شہزادوں کو، جوڑے مہکا کر،
کہے لطیف کہ اب تو وہ جا، بنی ہے پریت نگر،
پیار کی ایک نظر، مار گئی مومل کو۔

(۹)

گھاؤ دیئے گوری نے کیا کیا، اب تو خود ہے گھائل
مار گیا سوڈھل، پریت کا کاری بان۔

(۱۰)

جگ میں رانا جیسا سندر، دیکھا اور نہ کوئی،
آج سہاگ کی رانا نے ہے، مہندی آن لگائی،
اب تو ہے یکتائی، ہر جا اب ہے رانا۔

(۱۱)

رانا جیسا اور نہ کوئی، سب کی وہ سندرتا،
کہے لطیف کہ سب کے دل سے، اس نے زنگ اُتارا،
وہ ہی سکھ پُھلتا، ہر جا اب ہے رانا۔

(۱۲)

کیا کیا سوڈھے جگ میں دیکھے، کوئی نہ رانا جیسا،
ڈال کمان میں رانا نے یوں، پریت کا تیر جو مارا،
بڑے بڑے ودوان وہ پنڈت، بھول گئے سب دعوئی،
وہ ہی ہے اب ھر جا، بن اس کے اب اور نہ کوئی۔

(۱۳)

کاک کو چھوڑا اس کونے پہ، خود سے گئے وہ گذر،
سوڈھل کو پہچان گئیں جب، دیکھا ایک نظر،

مومل رہی ادھر، ھر جا اب ہے رانا۔

(۱۴)

کاک کو چھوڑا اس کونے پہ، خود سے گئے وہ گذر،
کرکے گی اب کیا "ناتر"، لڈانہ کو روند چلے وہ۔

(۱۵)

کاک محل کی بھول بھلیاں، سب سے گئے نکل،
گوری موہ سکی نہ ان کو، لاکھ دکھائے چھل،
سندر جیسی مومل، لاکھوں چھوڑ چلے لاہوتی۔

(۱۶)

مومل جیسی لاکھوں سندر، چھوڑ چلے لاہوتی،
وہ جو کاک محل کی مالک، آج سبھی ہیں روتی،
بات سبھی نے سمجھی، رنگ دیا سوڈھل نے۔

(۱۷)

کاک تو روک سکی نہ ان کو، روک سکا نہ مال،
رنگ دیا ہر اک گوری کو، دکھا کے حسن کمال،
توڑ گئے سب جال، حسن، ناز و ادا کے۔

(۱۸)

چاہے نہیں ہے بھاگ میں، مومل! پیا ملن،
لوٹ نہ، پالے بھید پیا کا، بڑی ہے راہ کٹھن،

پریت کا ہے بندھن، ملے جو طعنہ پی کا۔

(۱۹)

پیا ملن ہو، پیا کو پاؤں، گر یہ نہیں نصیب،
طعنہ ترا حبیب، میں تو بندھن جانوں۔

(۲۰)

تو ہے میرا طعنہ اور میں، طعنے سنگ ہوں تیری،
میں نے وہ کچھ پایا جو کب، پا سکا ہے کوئی۔

(۲۱)

سن کر طعنہ تیرا سائیں، روٹھ گئی مسکان،
بہت سے آئے پر سوڈھل نے، دھوئے وھم وگمان،
کاک میں مارا بان، اب تو آجا پریتم!

(۲۲)

نہر لہو کی جان نہ اس کو، سرخ یہ ندیا کاک،
اس کا پانی پاک، شربت ہے یہ پریت کا۔

وائی

مجھے کبھی نہ بھولے، یار اے میرے "میندھرے"!
طعنہ تیری پریت کا رانا!، سارا جگ ہی دے،
بولی تھی میں غیر سے اور تم، مجھ سے روٹھ گئے۔

چوتھی داستان

(۱)

شمع جلاتے شب، پو پھٹی، پربھات،
تیری دید کو ترسیں نیناں، رانا! آجا اب،
تیری یار طلب، کاگ اڑاؤں کاک کے۔

(۲)

جاگ بتائی رین، ماند ہوئے سب تارے،
تیری راہیں تکتے تکتے، تھکے نہ میرے نین،
روتے گذری رین، پھوٹیں سورج شاخیں۔

(۳)

خوشبوؤں کے دیئے جلائے، میں نے ساری رات،
میرا ڈھولا رہ گیا "ڈھٹ" میں، جانے کیا ہے بات،
میرے رانا! انگنا آکر، غم سے دلا نجات،
کاگا سے کی بات، اڑ کر پی کو لے آ۔

(۴)

دیپ جلاتے رات، باتی گئی ہے جل،
موڑ لے اونٹ کی باگ اے رانا، مان لے میری بات،
پو پھٹی پربھات، روتے رین بتائی۔

⑤

تارے لیں انگڑائیاں، مانند ہوا ہر تارا،
گھڑی ملن کی بیت گئی پر، رانا رات نہ آیا،
بھاڑ میں جائے رات کہ جس میں، سنگ نہ ہو وہ پیارا،
"ڈھٹ" ہے اس کو بھایا، درد ہجر کا دے کر۔

⑥

محل ہے سارا سُونا سُونا، "سوڈھا" نہیں ہے سنگ،
رانا! تجھ بن پھیکا لاگے، مو ہے ہر اک رنگ،
ہجر کی راتیں، درد فراق سے، چور ہیں سارے انگ،
کب ہوگا تو سنگ، پوچھوں ہر راہی سے۔

⑦

تجھے تو ہے معلوم اے رانا، میرا حال یہ سارا،
روزِ ازل سے میرے من کا، ساجن! تو ہی سہارا،
نندیا چین بسارا، تیرا پتہ میں سب سے پوچھوں۔

⑧

"ڈاھاٹی" بہت سے آئیں جائیں، تجھ سے پریت کا بندھن
ایسی تو نے انگ لگائی، مہندی یار سجن!
تیرا ہی اب درشن، بسرائیں نہ نین یہ میرے۔

(۹)

رانا نے اک رات بتائی، بھید کی ایسی بات،
اُس بن پل بھی بیت نہ پائے، نینن میں برسات،
دکھ سے ملے نجات، شاید لوٹ کے آئے۔

(۱۰)

بھید بتایا "سوڈھل" نے جب، سویا تھا جگ سارا،
کھولوں بھید ذرا سا، سکھ سے سو نہ پاؤ سکھیو!

(۱۱)

میں تو پل پل دیکھ رہی ہوں، ساجن تیری راھیں،
تیری میٹھی باتوں کی اب، روح میں ہیں ریکھائیں،
تیری یار ادائیں، من سے لپٹ گئی ہیں۔

(۱۲)

رانا! روح کی راحت ہے تو، مالک اس دھرتی کا،
ترس رہی ہیں محبوبائیں، تیرے ملن کو "سوڈھا"!
تھام لے تو ہی آجا، کامل! کاک کے مالک۔

وائی

ساجن موڑ مہار، میں نے روتے رات بتائی،
چھوٹ گیا گھر گھاٹ اے ساجن، چھوٹا ھار سنگار،

کاک محل سے جانا تیرا، نہیں مناسب یار!
سب سکھیوں کے طعنے۔ ائیں، سہتی ہوں ہر بار،
سکھ سہاگ کا پاؤں گر وہ، من جائے اکبار،
کہے لطیف کہ آس بندھی ہے، من جائے گا یار۔

پانچویں داستان

(۱)

پریت جو کی ہے زور آور سے، موڑے کیوں گردن،
راہ تو لے اس پریتم کی اور، پریت بھرا ہو من،
کہے لطیف کہ سب کی خاطر، بیٹھ نہ تو بن ٹھن،
کرے گی یاد سجن، حشر کے دن اے مومل!

(۲)

سیدھی راہ چلی چل سجنی!، پھیر نہ تو گردن،
بڑی ہے راہ کٹھن، ٹھوکر کہیں نہ کھائے۔

(۳)

سیدھی راہ چلی چل مومل!، پھیر نہ تو گردن،
کریں گے یار دفن، آج یا کل اس دھرتی میں۔

(۴)

بیروں کی یہ خاک، اس میں دفن ہے پریتم،

خاک میں ملتے دیکھے ہم نے، زور آور بے باک،
ہو گی اوپر خاک، کر لے جو کچھ کرنا ہے۔

⑤

لاد چلے ہیں میرے ساجن، چلے ہیں وہ پردیس،
سب کے خیر اندیش، دکھ نہ دیا کسی کو۔

⑥

پریت کو سمجھی کھیل ہے تو نے، غیر سے جوڑا ناتا،
غیر سے تیرا رشتہ ناتا، کیسے پی کو بھاتا،
توڑ کے ایک سے ناتا، تو پچھتائے گی موئل!

⑦

مجھ سے روٹھ نہ ساجن سائیں!، اونٹ یہاں لے آ،
موڑ مہار اس ناقے کی اور، کاک کنارے آ،
خوشبو آن لگا، سوڑھا! میں سکھ پاؤں۔

⑧

مجھ سے روٹھ نہ ساجن، ھانک کے لے آ اونٹ،
تجھ بن سیج نہ بھائے موہے، اُجڑا اُجڑا آنگن،
آن لگا دے چندن، سوڑھا! میں سکھ پاؤں۔

⑨

روٹھ نہ مجھ سے ساجن سائیں، سوڑھل! جا نہ دور،

دردِ ہجر نے مارا موہے، ہجر میں ہوں مہجور،
وصل کہاں، میں دیکھ کے جی لوں، تیرے حسن کا نور،
تیرے یار حضور، آئی ہوں سکھ پانے۔

(۱۰)

روٹھ نہ مجھ سے میرے رانا، چھوڑ دے یہ عادت،
بھول جا میرے عیب تو سارے، مجھ پہ کر رحمت،
کہاں ہے اور کسی میں ساجن، تجھ جیسی چاہت،
من کو دے راحت، ڈھانپ لے اوگن میرے۔

(۱۱)

روٹھ نہ مجھ سے میرے ساجن!، چھوڑ دے یہ انداز،
آن مٹا دے عیب تو میرے، تو ہی چارہ ساز،
میرے اوگن ڈھانپ دے آکر، اے میرے ہمراز!
تو ہی دے اعزاز، سوڈھا! میں سکھ پاؤں۔

(۱۲)

سُلگ رہی ہے کاک اے رانا!، سُلگ رہی ہے جان،
مجھ پر گذرا شک تھا ساجن!، بیری وہم و گمان،
دکھ میں ہوں حیران، جلدی آجا ساجن!

(۱۳)

سُلگ رہی ہے کاک اے رانا!، محل میں لاگی آگ،

سوڈھا! تیری پریت میں میرا، جیون ہے بیراگ،
موڑ لے اونٹ کی باگ، دل میں دکھ ہیں کیا کیا۔

(۱۴)

سُلگ رہی ہے، کاک اے رانا! سُلگیں رنگ رتول[1]،
تیرے ہجر میں ساجن سائیں!، من میں آئیں ہول،
کیے تھے جو بھی قول، ان کو پورا کر اے پریتم!

(۱۵)

سُلگ رہے ہیں محل دو محلے، سُلگ رہی ہے کاک،
تجھ بن آنگن آنگن سائیں!، اُڑتی ہے اب خاک،
جو ہیں سینہ چاک، ان کو مار نہ ناز سے۔

(۱۶)

تن من دھن قربان کروں میں، واروں یار "لڈانہ"
جس نے واری جان تو اس سے، روٹھ نہ جائے رانا!
ناز نہ اب دکھلانا، سوڈھا! پریت کی ماری کو۔

وائی

دور دیس کیوں بھائے، کوئی ساجن کو سمجھائے، مہر کرے وہ مجھ پر،
دور دیس میں محل دو محلے، کاہے کو بنوائے،

---

[1] محل

سندیسے اس آس پہ بھیجے، شاید تو آجائے،
کروں میں منت ہر دم تیری، ترس کبھی تو آئے،
برکھا رت کی جھڑی لگی ہے بیٹھی نیر بہائے،
تن من تجھ پہ واروں ساجن!، پاس اگر تو آئے،
کہے لطیف بدیس سے پریتم، انگنا میں آجائے۔

چھٹی داستان

(۱)

نہ ہی سنگی، نہ ہی ساتھی، نہ وارث، نہ پیارا،
تیرے جاتے ہی برہن کو، آن دکھوں نے گھیرا،
تو سندیس یہ میرا، لے جا قاصد پاس پیا کے۔

(۲)

یاد سے دے سندیس پیا کو، جا پیا کے پاس،
تیرے ہجر میں مرتی ہوں میں، من میں ملن کی پیاس،
توڑ نہ میری آس، آ برہن کے آنگن سائیں!

(۳)

آ برھن کے آنگن سائیں!، تُو تو ہے گنوان،
تجھ بن محل یہ ویراں لاگے، ہر پل تیرا دھیان،
چھوڑ دے اور گمان، آجا میرے انگنا۔

④

میرے انگنا آجا ساجن، من جا میرے پیارے،
پل بھی دور رہا نہ جائے، کیوں ہے دور دلارے!
زخم دے آن کے نیارے، درد مٹے میرے من کا۔

⑤

رحم بھرے نینن سے دیکھ تو، دردِ ہجر ہو کم،
تیری میٹھی باتوں کو من، ترسے ہے ہر دم،
آکر اے ہمدم، دیکھ تو اُجڑی سیج ہماری۔

⑥

اُجڑی سیج سہاگ کی، آن کے دیکھ تو رانا!
اس بستر کو دیکھ کے تڑپوں، جس پر سویا جاناں،
ایک کٹھور زمانہ، دوجا تو نہ آیا۔

⑦

آئے اگر وہ لوٹ کے، میرا لالن لال،
سب کچھ اس پہ واروں جو، جانے ہے میرا حال،
رانا بن میں اور نہ مانگوں، وہ ہے جان و مال،
تو ہی آن سنبھال، میرے ڈوبتے من کو۔

⑧

تیری یاد میں روتے روتے، نین ہوئے بے نور،

درشن کارن ترسیں نیناں، جا بسے تم دور،
کیسے ہوں مسرور، نین یہ درشن پیاسے۔

(۹)

رانا جیسا اور نہ کوئی، لاکھوں کاک میں آئیں،
اس کو دیکھن کارن اکھیاں، ہائے! سلگتی جائیں،
کیسے وہ مسکائیں، نین جو درشن پیاسے۔

(۱۰)

اونٹ کو خوشبودار مہکتی، بیلیں آن کھلائے،
کبھی تو شاید میرا ساجن، میرے انگنا آئے،
ساجن درس دکھائے، کروں میں راز کی باتیں۔

(۱۱)

من میں درد فراق کی ساجن، سلگ رہی ہے اگنی،
تیری پیار بھری باتوں کو، مومل یاد ہے کرتی،
طعنہ دے ہر سجنی، آ تو من جائیں اے ساجن!

(۱۲)

سوڈھا! ہر پل یاد کروں میں، تیری میٹھی باتیں،
جانے کتنے سورج اُبھرے، ڈھلی ہیں کتنی راتیں،
مہر کی کر برساتیں، آن کے ڈھانپ لے عیب تو میرے۔

(۱۳)

کبھی جو میرے انگنا آکر، ساجن ہو مہمان،
سوڈھل سائیں! آگ میں ڈالوں، اپنی دانش گیان،
بھاڑ میں جھونکوں یار خودی کو، اپنا سارا مان،
اپنا جسم اور جان، ساجن! تجھ پہ واروں۔

(۱۴)

گونج رہا تھا آنگن، پیار بھری باتوں سے،
دیکھ کے اُجڑے آسن، منوا تڑپن لاگے۔

(۱۵)

جن کے سنگ تھا چرخہ کاتا، جانے گئیں وہ کہاں،
ڈھونڈ رہی ہیں اکھیاں، اُن کو کاک کنارے۔

(۱۶)

تو ''ڈھاٹی'' ہے، ڈھٹ کا مالک، ڈھولا! ڈھٹ ہے تیرا،
ڈال ترازو میں جو تولوں، پلڑا بھاری ''ڈھٹ'' کا،
ڈال تو آن کے ڈیرا، اور دل کا زنگ اتار دے۔

(۱۷)

اب تو یہیں پہ رہ جا سائیں، آجا کاک کنارے،
آن کے تو پہچان اُنھیں جو، باسی کاک محل کے،
اکدن، ہاتھ تو مل کے، پچھتائے گا پیارے۔

وائی

یاد سے دیجیو یار، پریتم کو پیغام،
چُھو کر پیر پیا کے، روئیو زار و قطار،
جن پھولوں سے سیج سجائی، مرجھائے وہ یار!
تیری پریت میں روئیں اکھیاں، اشکوں کی ہے دھار،
تیرے ہجر میں روتے روتے، مروں گی آخر کار،
مجھ برھن کے آنگن میں تو، ساجن آ اکبار،
مشکل وقت میں ساجن میرے، تیری ہی ہے سہار۔

ساتویں داستان

(۱)

ڈھٹ تو جا نہ ڈھول!، کاک کو داغ لگا کر،
میرے لیے ہے روزِ ازل سے، بندھن تیرا بول،
تیری یاد میں تڑپ تڑپ کر، رووں بیچ رتول،
من میں آئیں ہول، کچھ نہیں بھاتا من کو۔

(۲)

وہ ہی شبستانوں میں سوئیں، جو ہیں کاک کے مالک،
چھوڑ گئے وہ لڈانا کو، جو تھے کاک کے لائق،
سوئے سکھ سے فائق، لوٹ کر پھر نہ آئے۔

(۳)

لڈانہ سے لاد چلے وہ، لوٹ کے پھر نہ آئے،
سنی نہ میری آہ و زاری، موہے زخم لگائے،
ان پر نیند کے سائے، آئے نہ وہ پھر لوٹ کر۔

(۴)

موہے چھوڑ نہ جائے سوامی!، یاں سے تو مت لاد،
ساجن تیرے بعد، بنوں گی میں بیراگن۔

(۵)

جسم سے جان نکال کر، سوڈھا لے گیا ساتھ،
رانا! یاد کروں میں تیری، پیار بھری ہر بات،
تو ہی میرا ناتھ، تجھ بن اور نہ بھائے۔

(۶)

سکھیو! مجھ پہ اس ساجن نے، کیا کیا ظلم ہیں ڈھائے،
اب تو چرخا کات نہ پاؤں، کاک نہ موہے بھائے،
کوئی نہ اب چج پائے، سوڈھے بن نینن میں،

(۷)

سکھیوری! اس سوڈھل نے، کیا کیا کیے ستم،
ٹوٹ گیا دل کاک کنارے، پل پل رنج و الم،
گھٹتا ہے یوں دم، جیسے گھٹ کر مرجاؤں گی۔

(۸)

سکھیو! میرے سوڈھل نے، ستم کیے کیا کیا،
کانپ رہا ہے تن برھن کا، کاٹ دیا جیئرا،
اب تو من میرا، رہا نہیں میرے بس میں۔

(۹)

کیا جانوں کس کارن سوڈھل، تم نے منہ پھیرا،
آکر کاک محل میں ساجن!، میرا درد مٹا،
بن تیرے سوڈھا!، کس کو چھب دکھلاؤں۔

(۱۰)

دیکھ کے ویران گھر کو ساجن، پل پل تڑپے من،
خاک اُڑے ایوانوں میں اور، ویراں ہے آنگن،
سیج سہاگ کی خاک ہوئی ہے، بن تیرے ساجن!
مرجھائے جو پھول کھلے تھے، کل میرے آنگن،
تجھ بن اے ساجن، کس کو چھب دکھلاؤں۔

(۱۱)

بخش دے میرے عیب گناہ اب، آجا میرے آنگن،
تیری اور بھی محبوبائیں، میرا ایک تو ساجن،

(۱۲)

آکر لوٹ گئے تم ساجن!، کیسا ہے یہ ستم،

یار! جگاتے، میں سمجھاتی، کیسے تھے ہمدم،
کیوں روٹھے تم پریتم!، سچ تو جانا ہوتا۔

(۱۳)

خاموشی سے سمجھاتا ہے، ایسا وہ ننکپال،
کبھی نہ ایسے اشک بہائے، بھیگیں اس کے گال۔

(۱۴)

جس منزل کو جیرا ترسے، کھوئی وہ منزل پاکر،
کیا کریں وہ جی کر جن کو، پریت نہیں میسر۔

(۱۵)

تکتی ہوں دن رات اے رانا!، میں تو تیری راہ،
اکدن تجھ کو لے آئے گا، آنگن میں اللہ۔

(۱۶)

میرے من میں اس پریتم نے، ڈالی پریت کی ڈوری،
نیا جوں کنارے باندھیں، من کی نیا باندھی،
جل ہے برساتی، برھن یار فراق میں۔

(۱۷)

"کاک" کے باغ نہ بھائیں من کو، ویراں ہیں نظارے،
کچھ نہ بھائے مجھ برھن کو، تجھ بن ساجن پیارے،
باندھی ناؤ کنارے، میرے ڈولتے من کی۔

(۱۸)

سکھیو بن سوڈھے کے اب تو، بھائے نہ یہ لڈانہ،
کیا کیا مجھ پر ظلم کیے ہیں، تو نے روٹھ کے رانا،
کاک میں اب کیا جینا، چھوڑ دے کاک کو اے دل!

وائی

کاہ کروں کت جاؤں، چھوڑ دیا پریتم نے،
تم روٹھے ہو جان گئے ہیں، اپنے اور بیگانے،
بیری میری سکھیاں مجھ کو، دیتی ہیں اب طعنے،
میں قدموں میں بال بچھاؤں، آئے وہ اپنانے،
تیرے اونٹ کو کنول کھلاؤں، آجا درس دکھانے،
کہے لطیف کہ آئے گا وہ، ساجن مجھے منانے۔

آٹھویں داستان

(۱)

کچھ نہ سوچا، کچھ نہ سمجھا، خود پر ظلم کیے،
جو بھی پاپ کیے تھے سارے، میرے سامنے آئے۔

(۲)

میں نے خود پر ظلم کیے اور، کچھ سوچا نہ سمجھا،

جو بھی پاپ کیا تھا آخر، میرے سامنے آیا۔

(۳)

کچھ نہ سوچا کچھ نہ سمجھا، ظلم کیے جو خود پر،
سامنے آئے پاپ وہ سارے، آئینہ بن کر۔

(۴)

دیکھ کے میرے عیب اور اوگن، یار رہا خاموش،
آیا مجھ کو ہوش، اور سیدھی راہ لی میں نے۔

(۵)

ساجن تیرے صبر نے مجھ کو، ایسی راہ دکھائی،
دُھلے ہیں سارے عیب اے سائیں، کھوئی منزل پائی۔

(۶)

اسی لیے تھا پَلّو تھاما، ڈھانپے عیب تو سارے،
ڈھانپ لے میرے عیبوں کو تو، کر نہ ظاہر پیارے۔

(۷)

پَلّو سے تھا پَلّو باندھا، اسی لیے اے ساجن!
تجھ سے ناتا جوڑ کے سائیں، بنی تھی میں دلہن،
ڈھانپ لے میرے اوگن، پَلّو ڈال پناہ کا۔

(۸)

تیرے عشق کی آگ میں ساجن، جل کر سانچ ہوئی،

مجھ میں عیب ہزاروں سائیں، گُن نہیں ہے کوئی،
ڈھانپ مجھے اب تو ہی، مجھ میں اوگن عیب بہت ہیں۔

(۹)

ڈھانپ لیا ہے ساجن نے، عریاں تھا ہر انگ،
چڑھا ہے تیرا رنگ، میں بدلی بن کر برسی۔

(۱۰)

ڈھانپ لیا ہے ساجن نے، عریاں انگ تھے میرے،
اس نے عیب چھپائے، میں بدلی بن کر برسی۔

(۱۱)

ڈھانپ لیا ہے ساجن نے، میں عریاں تھی ساری،
دھر کر تیرا نام سجن، میں بدلی بن کر برسی۔

(۱۲)

پریت کے رنگ میں رنگ دیا، میں بدلی بن کر برسی،
میں گھونگھٹ میں مُسکائی، چھب دکھلاتی ہوں ساجن کو۔

(۱۳)

ساجن سائیں صبر یہ تیرا، محبوبوں کی لاج،
سب کا تو سرتاج، صبر سے تو سمجھائے۔

(۱۴)

ساجن سائیں صبر کو تیرے، ہم نے کرم ہے جانا،

تجھ کو بھرم ہے رکھنا، مجھ جیسی پاپن کا۔

⑮

صبر سے سب کے عیب چھپائے، لیکن میری بار،
روٹھ گیا تو یار، دیکھ کے میرے عیب اور اوگن۔

⑯

سوڈھا صبر یہ تیرا، سب کو سبق سکھائے،
میرا نصیب تھا ہائے، میں تو سیکھ نہ پائی۔

⑰

تیرے صبر نے ساجن سائیں، کیا مجھے انسان،
پایا تیرا نشان، اپنے پاپوں عیبوں میں۔

⑱

تیرے صبر سے ساجن سائیں، یہ نصیحت پائی،
نیر بہاتی تیرے دوار پہ، یہ برھن ہے آئی۔

⑲

دیکھ کے تیرے صبر کو سب کی، عقل ٹھکانے آئی،
خاموشی سے سکھایا تیری، چپ بھی ہے گویائی۔

⑳

تیرا صبر اے ساجن سائیں، سب کو رکھے ہے باز،
صبر کا یہ اعجاز، کہ تائب ہوئی میں ساجن۔

(۲۱)

دیکھ کے اپنے عیب اور اوگن، موہے لاج ہے آئی،
میرے عیبوں نے ہی مجھ کو، سیدھی راہ دکھائی۔

(۲۲)

عقل کے آئینے میں اپنی، صورت دیکھیں جب،
ساجن شرم سے تب، تڑپیں لاج دلاریاں۔

(۲۳)

ایسے لوگ بھی دیکھے سکھیو!، جن کو لاج نہ باک،
ان کو لاج نہ آئے اِن کی، کٹ جائے گر ناک،

(۲۴)

اِن کو شرم کہاں آتی ہے، کٹ بھی جائے ناک،
کیسے ہیں بے باک، کوئی انھیں سمجھائے۔

(۲۵)

شرم نہیں ہے آنکھوں میں اور، نہ ہی لاج حیا،
کٹ جائے گر ناک تو پھر بھی، اِن کو کیا پروا،
مفلس رہنا اچھا، بھرم اگر رہ جائے۔

وائی

آ رانا! رہ رات، چندن اونٹ چراؤں،

گونج رہی ہے من میں رانا، تیری ہر اک بات،
راہ تکوں وہ آئے شاید، بھیگ چلے جب رات،
یاد کروں میں تو ہے ساجن، ہر پل تیری بات،
سکھیو! شاہ لطیف کہے، رانا دے گا دات۔

نویں داستان

(۱)

میرے رانا کی محفل سے، آیا ایک سوامی،
سوامی صورت جگمگ دمکے، جیسے پورن ماشی،
دور ہوئی مایوسی، جوگی کی مکھ جوت سے۔

(۲)

میرے رانا کی محفل سے، آیا ایک سوامی،
مہک اُٹھی ہے خوشبوؤں سے، دیس بدیس کی دھرتی،
سچا وہ سنیاسی، آیا پریتم دیس سے ہے۔

(۳)

دیکھ کہ رانا نے بھیجا ہے، پاس تیرے اسوار،
لڈانہ سے آنے والے کا، اب تو پالے پیار،
اونٹ پہ چڑھ کے یار، کل آئے گا کاک کنارے۔

④

اونٹ کی باگ کو موڑ کے آئے، مہر کرے اللہ،
مومل خوشبو سے مہکائے، کاک کی ہر اک راہ،
رانا! تری چاہ، ڈھانپے سارے ڈھٹ کو۔

⑤

سن نیا سندیس ہے آیا، رانا کا کل رات،
کہے لطیف کہ اس رانا سے، ہم نے پائی دات،
کوئی نہ پوچھے ذات، جو آئے سو پائے ساجن۔

⑥

کس جانب میں جاؤں، روشن ایک زمانہ،
اپنے اندر کاک محل ہے، پریت کا شہر پرانا،
ہر سُو ہے وہ رانا، رانا بن اب اور نہ کوئی۔

⑦

کس جانب میں جاؤں، روشن سب سنسار،
اپنے اندر کاک محل ہے، اندر باغ بہار،
ہر سُو ہے دلدار، ہر سُو رانا رانا۔

وائی

کاک کنارے آکر، جانے اونٹ نے کیا چکھا ہے،

دیکھ کہ کیسا خوش ہے جگ میں، ذرا نہیں ہے ڈر،
لڈانا سے مستی پائی، لالی میں رچ کر،
سُرخ مہکتی بیلیں کھائیں، گردن نہوڑا کر،
سارا گلہ مہک رہا ہے، کاک کا ہے یہ اثر،
تو ڈھاٹی ہے، ڈھٹ کا مالک، تو ہی ہے رہبر،
مُومل عرض و نیاز کرے ہے، دوار تیرے آکر،
کہے لطیف کہ آجا ساجن، پیر محل میں دھر۔

عمر مارئی

تھر میں ایک چھوٹا سا گاؤں تھا جس میں مارو قوم کے لوگ رہتے تھے۔ اسی گاؤں میں پالنہ نام کا ایک شخص رہتا تھا، اس کی ایک خوبصورت بیٹی تھی جس کا نام مارئی تھا۔ کہتے ہیں کہ مارئی اصل میں ''کچھ'' کے راجا پھول کی بیٹی تھی۔ راجا کی ایک خوبصورت رانی تھی جس کا نام ماڈوئی تھا۔ لاکھو پھلانی اسی رانی کا بیٹا تھا، ایک بار راجا پھول کسی بات پر اپنی رانی سے ناراض ہو گیا تو رانی کو ایک باغ میں محل بنوادیا اور رانی اس محل میں رہنے لگی، جس وقت راجا پھول نے رانی کو الگ کیا اس وقت رانی بچے کی ماں بننے والی تھی، اس زمانے میں پالنہ ننگر پارکر میں رہتا تھا، اس نے ایک خوبصورت رتھ بنایا، اس رتھ کو ہرن کھینچتے تھے۔ ایک دن پالنہ وہ رتھ لے کر راجا پھول کے پاس آیا۔ راجا پھول کو پالنہ کا رتھ بہت پسند آیا، راجا نے اس سے رتھ مانگ لیا، پالنہ نے بڑے شوق سے اپنے لیے رتھ بنایا تھا وہ راجا کو اپنا رتھ دینا نہیں چاہتا تھا، اس نے راجا سے کہا کہ یہ رتھ تو میں نے کسی اور بادشاہ کے لیے بنایا ہے میں آپ کو اس سے بھی اچھا رتھ بنا کر دوں گا، راجا نے پالنہ کی بات مان لی اور اسے اپنا مہمان رکھا۔ رات کو پالنہ نے سوچا کہ کہیں راجا اسے مروا کر اس کا رتھ نہ لے، وہ اسی وقت اٹھا اور رتھ لے کر بھاگا، رتھ اس باغ کے سامنے کھڑا تھا جس باغ میں رانی ماڈوئی کا محل تھا۔ شام کو رانی ماڈوئی سیر کرنے نکلی تو اس کی نظر اس خوبصورت رتھ پر پڑی، وہ رتھ میں بیٹھ گئی، اتفاق سے اسے رتھ میں نیند آگئی اور وہ وہیں سو گئی۔

پالنہ رتھ لے کر بھاگا، جب آدھے راستے پر پہنچا تو رانی ماڈوئی کی آنکھ کھل گئی، وہ حیران ہوئی، اس نے پالنہ سے پوچھا کہ تم کون ہو اور مجھے کہاں لے جا رہے ہو، پالنہ خود بڑا حیران ہوا اور اس نے رانی سے پوچھا کہ تم کون ہو اور میرے رتھ میں کیسے آگئیں۔ رانی نے بتایا کہ اس کا نام ماڈوئی ہے اور وہ راجا پھول کی رانی ہے، رانی کی بات سن کر پالنہ بہت ڈرا، راجا پھول کے پاس واپس جانا جان سے ہاتھ دھونا تھا، رانی ماڈوئی نے بھی سوچا کہ اگر وہ واپس گئی تو راجا اس پر شک کرے گا، راجا پہلے ہی ناراض تھا اب تو اسے جان سے مار دے گا، رانی نے بھی واپس جانے کا ارادہ ترک کر دیا، پالنہ نے اسے بیٹی بنایا اور اسے ملیر لے آیا۔ ملیر میں رانی ماڈوئی کی ایک لڑکی ہوئی جس کا نام مارئی رکھا گیا، پالنہ نے ایک لاوارث بچہ پالا تھا جس کا نام پھوگ تھا، پھوگ پالنہ کی بکریاں چراتا تھا، ماروی جوان ہوئی تو پھوگ ماروئی پر عاشق ہو گیا، اس نے مارئی سے شادی کرنے کے لیے پالنہ سے بات کرنا چاہی لیکن پالنہ اس کا مالک تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ اس رشتے کے لیے کبھی بھی تیار نہ ہوگا، وہ دل ہی دل میں مارئی سے عشق کرتا رہا، آخر ایک دن اس نے مارئی سے اپنی محبت کا اظہار کیا، مارئی نے اسے جھاڑ دیا، وہ خاموش ہو گیا لیکن اس کے دل میں محبت کی آگ روز بروز تیز ہوتی گئی، مارئی جوان ہوئی تو پالنہ کو مارئی کی شادی کی فکر رہنے لگی، آخر اس نے اپنے ایک رشتے دار لڑکے "کھیت" سے مارئی کی منگنی کر دی، پھوگ سے یہ نہ دیکھا گیا کہ جس لڑکی سے وہ محبت کرتا ہے وہ کسی اور کی ہو جائے، اس نے پالنہ کی نوکری چھوڑی اور ملیر چھوڑ کر عمر کوٹ آگیا، اس وقت عمر کوٹ کا بادشاہ عمر سومرو تھا پھوگ نے سوچا کہ کیوں نہ عمر بادشاہ سے کہوں کہ وہ مارئی سے شادی کرلے، مارئی میری نہیں ہو سکتی تو کھیت کی بھی نہ ہو۔ وہ کسی طرح عمر کے دربار میں پہنچا اور عمر کے سامنے مارئی کے حسن کی اتنی تعریفیں کیں کہ عمر کے دل میں مارئی کو دیکھنے کا اشتیاق پیدا ہوا، عمر نے بھیس بدلا، ایک تیز رفتار اونٹ پر سوار ہوا اور پھوگ کے ساتھ ملیر کی طرف چلا، مارئی اپنی سہیلیوں کے ساتھ پنگھٹ پر پانی بھرنے آتی تھی وہ دونوں اس پنگھٹ کے پاس ایک درخت کی آڑ میں چھپ کر بیٹھ گئے، مارئی حسبِ معمول اپنی سہیلیوں کے ساتھ پانی بھرنے آئی، پھوگ نے عمر کو دور سے ہی بتایا کہ وہ مارئی ہے، عمر درخت کی آڑ سے نکلا اور مارئی کے پاس آکر کہا کہ میں ایک پیاسا مسافر ہوں مجھے پانی پلادو مارئی جوں ہی پانی پلانے کے

لیے آگے بڑھی تو عمر نے اسے اٹھا کر اپنے اونٹ پر بٹھایا اور اونٹ بھگاتا عمر کوٹ پہنچا، عمر کوٹ میں عمر نے مارئی کو اپنے محل میں رکھا، مارئی سے اپنی محبت کا اظہار کیا اور اس سے شادی کی درخواست کی مارئی نے کہا کہ آپ ہمارے بادشاہ اور ہم آپ کی رعایا ہیں، بادشاہ کی رعایا اس کی اپنی اولاد ہوتی ہے، میں کھیت کی ہوں اور کھیت کی ہی رہوں گی، عمر نے اسے ریشم اطلس اور ہیرے جواہرات سے جڑے ہوئے زیور دیئے لیکن مارئی شادی کے لیے آمادہ نہ ہوئی جب عمر نے دیکھا کہ مارئی پیار اور لالچ سے نہیں مانتی تو اس نے مارئی پر مظالم ڈھانے شروع کیے، اسے زنجیریں پہنائیں اور قید میں ڈال دیا، لیکن مارئی سب صعوبتیں سہتی رہی اور اپنی پاکدامنی کی حفاظت کرتی رہی، ایک دن عمر کی خاندانی دایہ نے مارئی کو دیکھا تو اس نے مارئی کو پہچان لیا، عمر جب پیدا ہوا تھا تو اس کی ماں سخت بیمار ہو گئی تھی طبیبوں نے مشورہ دیا تھا کہ بچے کو بیمار ماں کا دودھ نہ پلایا جائے تب ماڈوئی کے ہاں مارئی پیدا ہوئی تھی اور ماڈوئی نے عمر کو دودھ پلایا تھا، یوں مارئی عمر کی بہن تھی، دایہ نے یہ بات عمر کو بتائی عمر بہت شرمندہ ہوا، مارئی سے معافی مانگی اور پالنہ اور کھیت کو بلا کران سے بھی معافی مانگی اور مارئی کو بڑی عزت کے ساتھ ملیر بھیج دیا، مارئی کو دیکھ کر ماڈوئی بہت خوش ہوئی لیکن کچھ لوگ مارئی کی پاکدامنی پر شک کرنے لگے کہ اتنا عرصہ وہ عمر کے پاس رہی تھی وہ کیونکر پاکدامن رہ سکتی تھی مارئی کو پتہ چلا تو اس نے اپنی پاکدامنی ثابت کرنے کے لیے آگ جلوائی اور چار بار ننگے پیر اس آگ سے گذری اور اسے آنچ تک نہ آئی۔
تب سب کو مارئی کی پاکدامنی کا یقین آگیا، پھر مارئی اور کھیت کی شادی ہوئی اور دونوں خوشی خوشی زندگی گذارنے لگے۔

سُر مارئي

سُر مارئی

پہلی داستان

(۱)

الست بربکم...... آئی جب یہ صدا،
قالو بلیٰ قلب سے، تب تھا میں نے کہا،
کیا تھا تب وعدہ، میں نے "ماروؤں" سے۔

(۲)

جب سے کن فیکون تب سے، پریت میں جکڑا من،
کاہے پریت کے ماروں کو یوں، کیا ہے پابہ رسن،
کیوں ڈالے بندھن، اے سومرا سردار!

(۳)

روحیں جب تخلیق ہوئیں اور، صدائے کُن تھی آئی،
تب سے من میں چاہ ہے جب کہ، ہر سو تھی یکتائی،

تب سے پریت لگائی، تب سے ہے پہچان۔

(۴)

جب فیکون سے پہلے، آئی صدائے کُن،
بچھی جب تعظیم میں، دھرتی یہ بن ٹھن،
بندھا تھا میرا من، تب سے مارو سنگ۔

(۵)

جب نہ کن فیکون تھی، نہ ہی گونج صدا،
تب سے اس ساجن سے، میرا عشق ہوا،
تب مارو دیکھا، تب سے پریت ہوئی ہے۔

(۶)

جب نہ کن فیکون تھی، نہ ہی جسم اور ماس،
نہ تھا عبد و عابد نہ تھی، آدم کی بو باس،
پریت آئی تب راس، تب سے پریت ہوئی ہے۔

(۷)

جب نہ کن فیکون تھی، نہ روشن مہتاب،
نہ تو فکر گنہہ کی تھی اور، نہ ہی غرض ثواب،
یکتائی ہی یکتائی تھی، اور نہ تھے اسباب،
یار کے راز کا راز تھے ہم بھی، تھا نہ کوئی حجاب،
تب سے ہوں بے تاب، تب سے ہے پہچان سجن سے۔

⑧

کیوں آئی اس قید میں، لائی ہے تقدیر،
قسمت مجھ کو لے آئی اور، ہو گئی میں تو اسیر،
روئے من پنہواروں کو اب، کون بندھائے دھیر،
کھول دے تو زنجیر، تو ملوں میں ماروؤں سے۔

⑨

کیوں آئی یوں قید میں، برے تھے مرے نصیب،
وصل ہو اس یار کا جو ہے، شہ رگ سے بھی قریب،
ملے گا کب وہ حبیب، ٹوٹیں گے کب بندھن۔

⑩

یہ ہے قیدالماء یہاں تو، جینا ہے مشکل،
جسم یہاں ہے قید میں لیکن، وہاں ہے اُنکا دل،
مارو جائیں مل، کرم ہو جب قادر کا۔

⑪

رہنا تھا اس قید میں، یہی تھی میری قسمت،
جف القلم بما ھو کائن، یہ لکھ دی گئی عبارت،
جن سے میری اُلفت، وہ ہیں دیس ملیر میں۔

⑫

کب ہے قید الماء سا، کوئی اور قفس،

جف القلم بما هو كائن، چلے نہ کوئی بس،
آجائے جب ترس، تو ملوں میں ماروں سے۔

(۱۳)

مارو بن اس قید میں، جینا ہے دشوار،
بکت الصینان فی هواك دما، جاؤں میں اکبار،
اٹکا من اس پار، جس جا جنم لیا تھا۔

(۱۴)

آگ میں جھونکوں محل دو محلے، خاک ہوں قصر وایواں،
کل شی یرجع الا اصلہ، ہائے وہ میرے دہقاں،
دیکھیں دیس یہ اکھیاں، میں کھوئی منزل پاؤں۔

وائی

ان کی یاد ستائے، جو مارو دیس ملیر کے،
صحرا صحرا گھومیں مارو، ساون رت جب آئے،
آن کے توڑ تو ہی زنجیریں، قید سہی نہ جائے،
کیا کیا قید میں گھاؤ لگائے، کیا کیا ستم ہیں ڈھائے،
جاؤں دیس ملیر کو سکھیو! موت وہیں پہ آئے،
لاج رہے اس لوئی کی جب، مارو واں اپنائے،
مر جاؤں تو دیس کی مٹی، میں کوئی دفنائے۔

دوسری داستان

(۱)

اب قاصد نہ نامہ کوئی، آیا نہ پیغام،
کوئی تو دیس سے آیا ہوتا، نامہ میرے نام،
قید کے ہیں ایام، کون سندیسہ لائے۔

(۲)

اب سندیس نہ نامہ بر اور، نہ ہی ملن کا خواب،
کب بھیجا اس مارو نے ہے، خط کا کوئی جواب،
ہوگا ختم عتاب، کیا جانوں کب سکھیو!

(۳)

ماروں کے دیس سے، آئے جب نامہ بر،
جگمگ چمکیں محلوں کے، یہ دیوار و در،
جھاڑوں دھول میں پیروں کی، چمکے راہ گذر،
سائیں کی سوگند ہے تجھ کو، اب تو دیر نہ کر،
رہوں نہ یاں پل بھر، محل میں دم گھٹتا ہے۔

(۴)

لے جائے پیغام جو میرا، ایسا قاصد آئے،
میں تو اس کی باندی ہوں، چاہے نہ وہ اپنائے،
آج لکھوں سندیس پیا کو، قلم تو کوئی لائے،

اکھر مٹتا جائے، ٹپ ٹپ ٹپکیں آنسو۔

⑤

بھیگا کاغذ، لکھ نہ پاؤں، قسمت کا یہ کرنا،
جو ہیں عشق کے مارے ان کو، دکھ ہی دکھ ہے سہنا،
نیر بہائیں نیناں، بات سمجھ نہ آئے۔

⑥

کیوں نہ ان کے ہجر میں روئے، ہائے دلِ ناشاد،
مجھ کو دے کر ہجر کی سولی، کل تو گئے وہ لاد،
اب میں ان کے بعد، کیسے جیونگی سکھیو!

⑦

وہیں پہ مارو ڈیرے ڈالیں، جہاں پہ سبزہ زار،
لاکھ میں رنگیں لوئی سکھیاں، مکھ پر عجب نکھار،
ختم ہو یہ آزار، تو میں بھی چراؤں ریوڑ۔

⑧

جہاں پہ سبزہ زار وہاں پہ، بنا لیے ہیں گاؤں،
گھوم رہے ہیں صحرا صحرا، لے کر تیرا ناؤں،
اِن کے پاس میں جاؤں، لاج رکھوں لوئی کی،

⑨

لوئی لیروں لیر ہوئی جو، مارو نے پہنائی،

میں نے اون نہ کاتا مجھ سے، دور ہیں سب صحرائی،
لوئی پہن کے آئی، اس کی لاج تو رکھیو۔

(۱۰)

لگے ہیں کیا کیا پیوند میری، چاک ہوئی ہے شال،
میں نہ ہار سنگھار کروں گی، اُلجھ گئے ہیں بال،
جاکر دیکھوں مکھ مارو کا، پل پل یہی خیال،
جیسا بھی ہے حال، میں جاؤں دیس ملیر کو۔

(۱۱)

لگے ہیں کیا کیا پیوند میری، شال ہوئی ہے چاک،
جیسا بھی ہے حال میں دیکھوں، صحرا کے خاشاک،
''رہی پوتر پاک،'' کہیں یہ شاید مارو۔

(۱۲)

لگا رہی ہے پیوند، پھٹی ہے ساری شال،
سیتی ہے وہ اُدھڑی اودھڑی، اپنی لوئی لال،
''بڑی تھی وہ ننگ پال،'' کہیں یہ شاید مارو۔

وائی

ڈھونڈ رہی ہوں قاصد جو سندیس وہاں لے جائے،
جہاں میرے مارو آلا،

اونچی محل کی دیواریں ہیں، نینن نیر بہائے،
روک کے ہر اک قاصد کو وہ، سندیسہ بھجوائے،
ساون رُت ہے نینن میں کوئی، ان کو تو بتلائے،
جہاں ہیں میکے والے واں سے، کوئی قاصد تو آئے،
تو ہی نگہبان ان کا جو ہیں، تیری پناہ میں آئے۔

تیسری داستان

(۱)

کبھی نہ ریشم پہنے کوئی، دوشیزہ پنہوار،
لاکھ میں جب وہ شال رنگیں تو، حسن کا عجب نکھار،
کہاں برابر اون کے ہیں یہ، اطلس اور زرتار،
ریشم اور کمخواب یہ سارے، شال پہ دوں میں وار،
کیسے دوں گی اُتار، میں اپنے لاج کی لوئی۔

(۲)

عمر! کبھی نہ پہنوں گی میں، ریشم کا یہ لباس،
ریشم اور زرتار کی تاریں، کیسے آئیں راس،
اُجلی لوئی اوڑھ کے جاؤں، میں پریتم کے پاس،
من میں ملن کی پیاس، پل پل ہے پریتم کی۔

(۳)

مارو نے جو دھاگے باندھے، ہر دھاگہ زر تار،
ہیچ ہے سارا سونا چاندی، دولت کے انبار،
مارو میرا سنگھار: کیسے ہار سنگھار کروں میں۔

(۴)

مارو نے جو دھاگے باندھے، ہر دھاگہ زرتار،
ریشم سے نہ للچا مجھ کو، میں صحرائی نار،
سب کچھ دوں میں وار، اس شال کے اک اک دھاگے پر

(۵)

کیسے ہار سنگھار کروں گی، مارو میرا سنگھار،
کر نہ سنگھار کی باتیں مجھ کو، مارو کی ہے سہار۔

(۶)

اوڑھ کے لوئی مارو کی میں، بنی تھی تب دلہن،
سوت کے دھاگے ہیں زر تار، ہر دھاگہ ہے بندھن،
اور نہیں ہے ساجن، مارو بن اس جگ میں۔

(۷)

پہنوں گی نہ ریشم جب تک، جسم میں جان ہے ساجن!
کیسے سر سے شال اُتاروں، دو دن کا ہے جیون،
شال کی لاج یہ دلہن، رکھے گی مرتے دم تک۔

(۸)

جن سکھیوں کی بانہوں میں، کھنکیں کانچ کے کنگن،
ان کی دید کو ترسیں نیناں، تڑپے میرا تن من،
کہاں برابر جھگیوں کے ہیں، جھلمل کرتے آنگن،
بنی جہاں میں دلہن، میں وہاں کی ریت نبھاؤں گی۔

(۹)

بانہوں میں ہیں کانچ کے کنگن، یہ ہی ان کا سنگھار،
ایسا ہار سنگھار اے سائیں!، کرے نہ کوئی نار۔

(۱۰)

جیسے کوئی ماتم میں ہو، اور نہ پہنے گہنا،
ان کا بھرم ہے رکھنا، جو فاقہ فرحت جانیں۔

(۱۱)

زر کے بدلے پیارے بیچیں، یہ نہیں ان کی ریت،
آن کے اب تو عمر کوٹ میں، کروں میں کیسے گریت،
ان جھگیوں کی پریت، میں محل سے نہ بدلوں گی۔

(۱۲)

جس کو داغ لگا وہ کیسے، پہنے اُجلا بھیس،
پل پل جس کے بر کو سائیں!، طعنے دے سب دیس،
کرے جو لوئی پیش، وہ ستی کیوں کہلائے۔

(۱۳)

بر تو بکھرے پالوں میں اور، میرا بستر گرم،
کہیں گی ساری سکھیاں تجھ کو، آئی سکھی! نہ شرم۔

(۱۴)

بر تو بھٹکے ویرانوں میں، محل یہ سیج پلنگ،
بُھوک بھلی ہے صحرا کی میں، رہوں گی مارو سنگ۔

(۱۵)

اعلیٰ ہیں وہ کنواریاں کہ، جن کا ستر بیاباں،
پتوں کی پوشاک بنائیں، ڈھانپیں انگ وہ عریاں،
جنگلی بیلوں سے تن ڈھانپیں، دیکھیں جہاں خیاباں،
داج دیا ہے بیاباں، مجھ کو ماروؤں نے۔

(۱۶)

پیاس بُجھائیں جوہڑ سے وہ، پشمینہ پوشاک،
بیٹھیں ریت کے ٹیلوں پر، اِن کے یہی اوطاق،
خود سے بھی بیگانے ہیں، مارو سینہ چاک،
قدموں کی ہیں خاک، اور نہ دکھ دے ان کو۔

(۱۷)

بیٹھک اور چوپال وہاں ہیں، جہاں ہیں جُھنڈ گھنیرے،
بھر بھر کردیں پیاسوں کو وہ، ٹھنڈے آب کٹورے،

ان کو دکھ ہیں گھیرے، میں ان کی امانت ہوں اے سائیں

(۱۸)

یہاں تو جشن عید ہے لیکن، وہاں مچا ہے ماتم،
بھول گئے ہیں عید کو مارو، سب کی آنکھ ہے پرنم،
پل پل درد کا موسم، دکھ نے اِن کو مار دیا ہے۔

(۱۹)

میرا پریتم سبزہ زار میں، ریوڑ لایا ہوگا،
ملوں گی برکھارت میں میں تو، کر آئی ہوں وعدہ۔

(۲۰)

ساجن سبزہ زار میں ہے اور، قید یہاں تنہائی،
صحرا صحرا پھول کھلے ہیں، مہک رہی پروائی۔

(۲۱)

ساجن تو اس دیس بسا ہے، قید یہاں تنہائی،
پھیلی ہیں صحرا میں بیلیں، قید میں میں مرجھائی،
تیری ان زنجیروں سے میں، پی کو بھول نہ پائی،
وہ جو تھی مارو کی دلہن، اس نے پریت نبھائی،
عہد جو واں کر آئی، کرے گی وہ تو پورا۔

وائی

میلی کملی میں مارو سے، میں نے بیاہ رچایا،
اون کے دھاگے سونے کنگن، میں نے سب کچھ پایا،
زر، اطلس کمخواب محل میں، مارو کملی لایا،
کیا کیا ہیں پکوان یہاں پر، ساگ وہاں پر کھایا،
جور و ستم سے دور دیس سے، عمر! تو مجھ کو لایا۔

چوتھی داستان

(۱)

زُلفیں دھوئے نہ مارئی، اپنوں کی ہے یاد،
دیس سے وہ پردیس میں آئی، ہجر میں ہے ناشاد،
پل پل یاد ہے دیس ملیر کی، لب پر ہے فریاد،
کیسے روتا دل بہلے گا، ان پیاروں کے بعد،
جلدی کر آزاد، تو جاؤں پاس میں اپنوں کے۔

(۲)

زُلفیں دھوئے نہ مارئی، پل پل یاد ملیر،
داغ دُھلیں جب دیس میں جاؤں، سن لے بات ہمیر،
بندھے گی سب کی دھیر، گر مارئی دیس کو جائے۔

(۳)

زُلفیں دھوئے نہ مارئی، روٹھ گئی مسکان،
عدل کا وہ تو مانگ رہی ہے، عمر سے پل پل دان،
ظلم تیرا زندان، دے گا حساب تو اک دن۔

(۴)

زُلفیں دھوئے نہ مارئی، اُلجھ گئے ہیں بال،
یاد کرے وہ اپنوں کو اب، جیون ہے جنجال،
جاؤں گی میں ہر حال، رہوں گی نہ میں محلوں میں۔

(۵)

زُلفیں دھوئے نہ مارئی، محل سے مارو دور،
اُلجھے اُلجھے بال ہیں اُس کے، مارو بن مجبور،
مارو من کا سرور، کیسے رہے گی قید میں سائیں!

(۶)

زُلفیں دھوئے نہ مارئی، قید کی ہیں آفات،
عمر کے تو انصاف کی اُس نے، سن رکھی ہے بات،
دلوادے تو نجات، میرا پی نہ ملنے آیا۔

(۷)

محل میں من ہے ماندہ اس کا، مکھڑا ہے مغموم،
اُلجھے بال نہ سلجھائے وہ، دکھڑوں کا ہے ہجوم،

تن جکڑا ہے زنجیروں میں، خوشبوئیں مکدوم،
مارئی سی مظلوم، کیسے مسکائے گی سائیں!

⑧

تکتی ہے وہ ملیر کی جانب، روئے زار و قطار،
محل کے سکھ کو سولی جانوں، سن لے اے سردار،
ظلم سے دل نہ جیت سکے گا، مارو سے اقرار،
کیسا صبر قرار، مارو نے من جیت لیا ہے۔

⑨

تکتی ہے وہ ملیر کی جانب، کھڑی ہے آج اُداس،
لوئی دی جو ماروں نے، اُس کا رکھے ہے پاس،
دُکھتا ہے اب ماس، کس کر باندھ نہ زنجیریں۔

⑩

چڑھ کر کوٹ کے برجوں پر وہ، دیکھے سُوئے ملیر،
دیکھ دیکھ کر دیس کی جانب، نین بہائے نیر،
لب پر ہے فریاد اے سائیں! کون بندھائے دھیر،
فکر ہے دامن گیر، کہ کیوں قاصد نہ آیا۔

⑪

کبھی جو کوئی قاصد آئے، بھولوں قید، ستم،
مجھ کو بھول گئے ہیں شاید، مارو میرے ہمدم۔

(۱۲)

اور تو خوش ہیں قید میں لیکن، ہمیں نہیں آرام،
ہجر کی تیغ چلی ہے تن میں، دُکھے ہے جسم تمام۔

(۱۳)

کپڑے لیروں[۱] لیر ہوئے ہیں، ہائے رے! جن کے کارن،
کبھی نہ آن کے پوچھا مجھ کو، شاید ہوئے ہیں بدظن،
قید ہوں شاہی محلوں میں اور، مشکل ہے اب جیون،
پریت نے مارا ساجن!، قید تو مار سکی نہ مجھ کو۔

(۱۴)

قید تو مار سکی نہ مجھ کو، مار گیا ہے پیار،
حال کبھی تو پوچھیں گے ہی، آن کے وہ اِکبار،
آئیں میرے پنہوار[۲] ملن کو جیرا ترسے۔

(۱۵)

پل پل تڑپے دکھیا جیرا، یاد آئیں پنہوار،
دیس کی پریت نے مارا مجھ کو، یاد ہے مارو یار،
اور نہیں درکار، میں جاؤں پاس پنہواروں کے۔

(۱۶)

جاؤں گی دیس ملیر کو میں تو، دوں گی محل تیاگ،

---

۱ چیتھڑے ۲ بکریاں چرانے والے

دیس میں اپنی سکھیوں سنگ، چنونگی ڈتھ[1] اور ساگ،
جاگیں گے جب بھاگ، تو جاؤں گی پاس پیا کے۔

(۱۷)

جانوں جاگے بھاگ اگر تو، قرب نصیب ہو یار!
جب جب دیکھوں پی کو لاگے، دیکھا پہلی بار۔

(۱۸)

کیسے بھول سکوں گی سائیں!، پیارے وہ پنہوار،
جن کی پریت کا تیر ہوا ہے، میرے دل کے پار،
چبھی ہیں من میں درد کی میخیں، مارو میرا یار،
جھگیاں وہ پنہوار!، دیکھے دن بیتے ہیں۔

وائی

سر سے تو نہ اُتار، عمر! یہ میری شال،
اپنے دیس کے گھاس پہ سائیں!، سب کچھ دوں میں وار،
اور کو کیسے اپناؤں میں، مارو میرا یار،
وہ جو جنگل بن کا باسی، اسی سے میرا پیار،

---

[1] جنگلی سبزی

پانچویں داستان

(۱)

کھوئی سب سندرتا سائیں!، کھویا حسن نکھار،
کچھ تو طعنے دیتی ہیں کچھ، دیں گی آخرکار،
زنجیریں تو اُتار، تو رہوں نہ محل میں پل کو۔

(۲)

کھوئی سب سندرتا سائیں!، میلا ہے اب مکھڑا،
سندرتا بن جا نہ پائیں، جانا ہے جس جا۔

(۳)

کھویا حسن جو لاثانی تھا، کھوئی سب سندرتا،
دل میں سُلگے درد سجن کا، اور میلا ہے اب مکھڑا۔

(۴)

تیرے محل میں آکر میں نے، سب سندرتا کھوئی،
کیسے داغ دُھلے گا میں تو، محل میں میلی ہوئی۔

(۵)

میں نے سارا حسن گنوایا، کھویا دیکھ کمال،
کیسے دیس کو جاؤں گی میں، برا ہے میرا حال،
کھویا ہوا جمال، ملے تو جاؤں پاس پیا کے۔

(۶)

حسن گنوایا، دیس کو جانا، اب تو ہے دشوار،
سندرتا بن کیسے اپنا، دیکھوں وہ پنہوار،

(۷)

حسن گنوا کر کیسے دیکھوں، میں اپنا ساجن،
اس کے حسن کو داغ لگا ہے، جو تھی اُجلی دلہن۔

(۸)

میں نے سارا حسن گنوایا، ہوگئی یہاں اسیر،
کیا کیا ظلم ہوا یہاں پر، دور ہے دیس ملیر۔

(۹)

میں نے سارا حسن گنوایا، کرے گا کون قبول،
کیسے بنوں سہاگن میرے، مکھ پر جمی ہے دھول۔

(۱۰)

میں نے سارا حسن گنوایا، یہاں پہ آکر کل،
آج ہوں یوں بے کل، کہ کیسے اپنائیں گے مجھ کو۔

(۱۱)

جن کا دیس ملیر ہے اُن کے، اُجلے اُجلے مکھڑے،
اُن کا اُتم بھاگ ہے جن کو، پریتم آپ نوازے،
بھاگ برے تھے میرے، مجھ کو حسن نے مارا۔

(۱۲)

اُس نے لکھ دی ہر اک کی ہے، بری یا اچھی قسمت،
قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ، کیسی کریں شکایت،
سب کی ایک سی قسمت، سن لے تو یہ مارئی!

وائی

رہ کر دیس ملیر میں، خود پر ستم کیا،
تو ہی ڈھانپ لے میرے مالک!، جو جو جرم ہوا،
رہ کر پاس پنہواروں کے، خود پر ظلم کیا،
اپنی بخشش سے اے سائیں، میری دھیر بندھا،
تو ہی اپنے دامن سے اب، میرے عیب چھپا،
بیلیں دیس ملیر کی اور وہ، پیڑوں کا سایہ۔

چھٹی داستان

(۱)

جیسی آئی ویسی ہی گر، جاؤں میں ان کے آنگن،
سمجھوں گی کہ صحراؤں میں، رم جھم برسا ساون،
اب تو سکھیاں طعنے دیں گی، روگ بنے گا جیون،
گری ہوں پی کی نظروں سے اور، میلا ہے اب دامن،
کیسے اُٹھے گی گردن، وہاں پہ پی کے آگے۔

(۲)

جیسی آئی ویسی ہی گر، جاؤں پیا کے پاس،
سبزہ زار میں ریوڑ ھانکوں، من میں یہی ہے آس،
دامن پر جو داغ لگے ہیں، دُھل جائیں وہ کاش!
سکھیاں ہوں سب پاس، جب رم جھم برکھا برسے۔

(۳)

کروں گی اب کیا جی کر، قید میں ہوں محتاج،
آنکھیں دیکھیں دیس کی جانب، خود سے آئے لاج،
دوش کسے دوں آج، قسمت قید میں لائی۔

(۴)

پیدا ہوتے ہی مرجاتی، پاتی میں نہ جنم،
میرے جنم سے پنہواروں پر، کیا کیا ہوئے ستم۔

(۵)

پی کر زہر کا پیالا، اپنا منہ تو چھپالے،
کیسے تجھ کو اپنائیں گے، مارو صحرا والے،
غیرت مند دُلارے، کب ہے تو ان جیسی۔

(۶)

اُجلا دامن میلا کرلوں، یوں نہ کہہ تو امیر،
کچھ دن کی یہ بات ہے ساری، جاؤں گی میں تو آخر،

جاؤں جب دیس ملیر، تو جُھکے نہ میری گردن۔

⑦

یہ بھی کیسا جینا ہے اب، آگ میں جھونکوں جیون،
اُجلے ہیں سب دیس کے باسی، میرا میلا دامن،
کس منہ سے اب ساجن!، آؤں گی پاس میں تیرے۔

⑧

پیدا ہوتے ہی مرجاتی، مجھ سا برا نہ کوئی،
جس نے آکر کوٹ[1] میں اپنی، میلی کر دی لوئی،
جو ماروکارن روئی، وہ محل میں کیوں مسکائے۔

⑨

واللہ ہوں زنداں میں اب میں، دھوؤں نہ میلی شال،
کون ہمیر سے بات کرے گا، کس کی ہے یہ مجال،
مولا! اس کے من میں تو ہی، مہر اب ایسی ڈال،
مل جائے ننگ پال، جگ کا ہے جو سہارا۔

⑩

یوں نہ ہو کہ قید میں رہتے، گھٹ جائے یہ دم،
جسم تو ہے زنجیروں میں اور، آنکھیں ہیں پرنم،
پھر لوں راہِ عدم، پہلے پہنچوں دیس ملیر۔

---

[1] چھوٹا قلعہ

(۱۱)

آخر کیوں ہوں زنداں میں، میرا کیا ہے قصور،
دیتی ہے کیوں دنیا طعنے، یہ ہی ہے مقدور؟
مروں میں دیس سے دور، تو کرنا دفن وطن میں۔

(۱۲)

دیس ملیر کی یاد میں سائیں، جسم سے نکلے جان،
لاش رہے نہ زنداں میں تو، اس کا رکھنا دھیان،
پردیس، کو پاس پیا کے، پہنچانا اس آن،
دیس کی مٹی میں دفنا کر، رکھنا میرا مان،
پورے ہوں جب پران، تو لاش لے جانا دیس میں۔

(۱۳)

دیس کی یاد میں گھٹ گھٹ کر یہ، رُک جائے گر سانس،
میری میّت لے جانا تم، ماروؤں کے پاس،
دیس کی مٹی سے مل جائے گا، مر کر میرا ماس،
پوری ہو یہ آس، تو مر کر جی اُٹھوں میں۔

(۱۴)

دیس کی یاد میں روتے روتے، گھٹ جائے گر دم،
میّت دیس میں لے جانا تم، جہاں میرے ہمدم،
میری لاش پہ چھڑکانا تب، بیلوں کی شبنم،

جانوں گی اس دم، کہ مر کر جی اُٹھی ہوں۔

(۱۵)

پڑے ہیں طوق گلے میں سائیں، جکڑی ہے زنجیر،
پیروں میں بھی زنجیریں ہیں، محل میں ہوں اسیر،
محل میں کیا کیا مخبر ہیں، کی ہے کیا تقصیر،
جس کا دیس ملیر، وہ مارو حال تو پوچھے آکر۔

(۱۶)

چھین لی تونے گھر کی چھاؤں، قید کا ہے آزار،
ڈھلے نہ لوئی سر سے میرے، ست[۱] پر جان نثار،
سکھ سے مھوں گی ساری سکھیاں، ہر سُو سبزہ زار،
وہ تو کاتیں اون یہاں ہے، اطلس اور زر تار،
جاکر دیس ملیر میں دیکھوں، دیس کے برگ وبار،
سن اے دیس کے یار!، کرنا مدد تو آ کر۔

(۱۷)

چھن گئی گھر کی چھاؤں اور قید میں، چلے نہ کوئی بس،
پڑی ہیں ہاتھوں میں زنجیریں، ہوگئی میں بے بس،
زنجیریں یہ قفس، جکڑے ہیں اب انگ۔

---

[۱] عصمت

(۱۸)

من میں پریت کی زنجیریں اور، پڑے ہیں ہاتھ "کڑول"[۱]

پل پل ان کی یاد ستائے، ڈھاٹی[۲] ہیں وہ ڈھول[۳]

کیا تھا ان سے قول، کہ محل میں میں نہ رہوں گی۔

(۱۹)

گلے میں میرے زنجیریں ہیں، جھکی ہے میری گردن،

تیرے خوف کے کارن سائیں!، سوکھ گیا ہے سب تن،

بدلوں میں نہ چلن، کرو دعا اب سکھیو!

(۲۰)

اُجلی اون کی میری لوئی، رکھوں میں اُس کی لاج،

لوئی لیروں لیر سیئوں میں، ہوگئی جو تاراج،

کر تو مجھ پر مہر عمر اب، تیرا ہی ہے راج،

جاؤں ملیر میں آج، برکھا سکھیوں سنگ بتاؤں۔

(۲۱)

عہد کیا ہے سکھیوں سے کہ، برکھا سنگ بتائیں،

ملوں اگر میں سکھیوں سے تو، داغ یہ سب دُھل جائیں۔

وائی

مر کر بھول نہ پائے گی، وہ مٹی دیس ملیر کی،

---

۱ ہاتھوں میں زنجیر ۲ تھر کے علاقے ڈھٹ کے باسی ۳ محبوب پیارے

برکھا رُت ساون کی وہ، تو، ساجن سنگ بتائے گی،
مجھ کو صحرا اپنا لے گا، لاش اگر واں جائے گی،
وہ جو کملی اوڑھ کے آئی، اس کی لاج نبھائے گی۔

ساتویں داستان

(۱)

ہوا چلے گی اُتر کی تو، ہوں گے وہ خوشحال،
کہے لطیف کہ یاد ہیں پل پل، اُن کے گھر چوپال،
اب تو ڈیرے ڈال، بیٹھے پاس وہ ٹیلوں کے۔

(۲)

رت آئی ہے برکھا کی اور، مسکائے پنہوار،
رت بدلی تو خوشی سے اُچھلے، بچھڑے تھے بیمار،
پاس پیا ہے، کھل کھل جائیں، کاتیں اون کے تار،
اون کتر کر لائیں سکھیاں، بھیڑوں کی ہے قطار،
دیکھ کہ ہر سو "پارَ[۱]" میں اب، اون کے ہیں انبار،
اُجلی اُجلی "پارَ" کی ہیں، شالیں دھاری دار،
میں بھی کاتوں تار، اپنی سکھیوں سنگ اے سائیں!

---

[۱] علاقے کا نام

(۳)

صحرائی سب مُسکاتے ہیں، رم جھم برسا بادل،
دیس ملیر کی یاد ہے پل پل، ملن کو ہوں بے کل،
طرح طرح کے پھول کھِلے ہیں، ہرے بھرے جنگل،
سکھیاں چن چن لے آتی ہیں، طرح طرح کے پھل،
شہد، پھلوں کا بور، مہک اور، جنگل میں منگل،
رہوں نہ یاں اک پل، میں جاؤں دیس ملیر۔

(۴)

ڈھونڈ ڈھونڈ کے "ڈُتھ[1]" لے آئیں، آن کے روز پکائیں،
ڈھیر لگائیں "ساوُنؔ[2]" کے اور، دھوپ میں خوب سکھائیں،
لے آتے ہیں "لُنب[3]" کہیں سے، چاول جان کے کھائیں،
"آراڑا" جو پکائیں، تو اور طعام نہ بھائے۔

(۵)

سدا سے ہیں وہ سکھ سے سائیں، سدا سے ہیں خوشحال،
توڑ توڑ کر لے آتے ہیں، وہ "ڈنوروں[4]" کی ڈال،
جنگل جن کا مال، سدا رہیں خوشحال۔

(۶)

خوش ہوتے ہیں مل جائے جب، ذرا سی بھی خوراک،

۳۔۲۔۱ جنگلی پھول۔ ریگستانی اناج کی قسمیں　　　　۴ ریگستانی پھل

صحرا صحرا بھٹکیں مارو، تن پر جمی ہے خاک،
ہیں تو دامن چاک، پر بڑے ہیں غیر تمند۔

(۷)

کوئی روک نہ ٹوک ہے، اور نہ ہے محصول،
چن چن کر وہ لے آتے ہیں، طرح طرح کے پھول،
مہکے دیس کی دھول، مارو تو انمول ہے۔

(۸)

دھرے ہیں سر پر ٹوکرے اور، بھیگی ساری کھال،
دھول جمی ہے پیروں پر وہ، حال سے ہیں بے حال،
دیکھوں ان کی چال، تو دور سے ہی پہچانوں،

(۹)

جھکی جھکی وہ ڈالیاں، یاد آتی ہیں آج،
سنگ ہو وہ سرتاج، تو چنوں میں پیلو ڈالی سے۔

(۱۰)

پکے ہیں پیلو پیڑوں پر، باڑ نہ چوکیدار،
کھلے ہیں سب کے آنگن، در ہے نہ دیوار،
ان کو کیوں تو محل میں لایا، جن کا گھر سے پیار،
قید کا ہے آزار، کھول دے ساری زنجیریں اب۔

(۱۱)

یہ فصیلیں اور محل دو محلے، یہ در اور یہ بام،
تنے ہوئے کمخواب کے خیمے، یہی ہے ترا مقام،
کب وہ تیرا پوچھنے آئے، ان سے رکھ نہ کام،
خود ہیں تشنہ کام، وہ نہیں تیرے کام کے۔

(۱۲)

ایک باریک سوئی نے سی دی، مارو سنگ یہ ہستی،
صحرا کی وہ گھاس، "گولاڑے[۱]"، اِن کی یاد ہے ڈستی،
جسم یہاں ہے لیکن منوا، بھٹکے صحرا بستی۔
میں ہوں یہاں ترستی، پر من ہے سنگ سجن کے۔

(۱۳)

مارو سنگ سیا ہے اک، باریک سوئی نے من،
لگائے ایسے حلم کے ٹانکے، سیئا ہے سارا تن،
بن اپنے ساجن، میں کان نہ چھدواؤں گی۔

(۱۴)

کہاں برابر سوئی کے ہے، جگ کی کوئی شاہی،
ڈھانپے عریانی وہ سب کی، خود ہے عریاں ساری،
کئی جنم میں پیاری!، سمجھے گی اوصاف سوئی کے۔

---

[۱] جنگلی پھل۔

وائی

روتے رات بِتائی میں نے، روتے رات بِتائی،
میں ہوں تیرے قید میں سائیں، آیا دورِ جدائی،
صدیاں بیتیں صحرا چھوٹا، قید میں عمر بِتائی،
قید عمر کی، مارو نے بھی، بستی دور بسائی،
راجا کی پرجا پہ بپتا، آنکھ میری. بھر آئی۔

آٹھویں داستان

(۱)

مارو دھیان میں دمک رہے ہیں، یاد ہیں وہ ہر آن،
عہدِ الست سے پہلے ہی تھی، ان سے مری پہچان،
لم یلد ولم یولد، ماریٔ کا ایمان،
نکلے گی اب جان، اِن کے ہجر میں سائیں!

(۲)

مارو دھیان میں دمک رہے ہیں، فرقت میں بے تاب،
چشمہ مہر سے سیر ہوئی تھی، پی کر پریت کا آب،
صحرا کے وہ گھر گھروندے، پل پل ان کے خواب،
جب جب برسے آب، تو لاد چلیں سب مارو۔

(۳)

مارو دھیان میں دمک رہے ہیں، بسرے نہ وہ ساجن،
لیس کمثلہ شیءٍ، کیسے پائیں درشن،
نفی میں اس کا مسکن، کیسے ملن ہو ساجن سے۔

(۴)

مارو دھیان میں دمک رہے ہیں، کہاں پہ ڈیرے ڈالے،
جنگلی پھل وہ ڈال ڈال سے، چن چن لائیں سارے،
بیٹھ کے ان کے آنگن میں، کھاؤں میں پھل وہ نیارے،
توڑ کے بندھن سارے، میں جاؤں گی دیس ملیر۔

(۵)

مارو دھیان میں دمک رہے ہیں، پل پل ان کی یاد،
کہے لطیف کہ مولا نے اب، سن لی ہے فریاد،
کر برھن کو شاد، تو دکھا دے دیس ملیر۔

(۶)

مارو دھیان میں دمک رہے ہیں، دُکھتا ہے یہ سریر،
کس جانب وہ لاد گئے ہیں، جن کا دیس ملیر،
پوج رہی ہوں پیر، مل جائے وہ مارو۔

۷

مارو دھیان میں دمک رہے ہیں، یاد سے روح ہے روشن،
برسی برکھا لاد گئے وہ، اور بنائے مسکن،
دہی بلوئیں مل کر سکھیاں، دھوپ چڑھے جب آنگن،
یاد کرے ہے برھن، سکھیاں اور وہ پنگھٹ۔

۸

شام ڈھلے تو پیاسے ریوڑ، پنگھٹ اور کو آئیں،
صحراسے ڈُتھ چن کر سکھیاں، گھروں میں ڈھیر لگائیں،
یہ منظر یاد جو آئیں، تو ہُوک اُٹھے میرے من میں۔

۹

کنواں وہ کھودیں صحراؤں میں، سکھیاں ریوڑ لائیں،
رات ڈھلے تو ساری سکھیاں، پانی بھرنے آئیں،
کھن کھن کرتے ڈول کنویں میں، سکھیاں کھل کھل جائیں،
درد کو اور بڑھائیں، دیس ملیر کی یادیں۔

۱۰

رات ڈھلے تو آئیں سکھیاں، کنویں میں پانی جھلمل،
جو بھی سُستی کرے وہ کیسے، کرے گی پانی حاصل،
سکھیو! میں تھی غافل، مجھ کو لائے پنگھٹ سے۔

(۱۱)

سن لی جب یہ ظلم کی بات تو، سکھیاں بھولیں پنگھٹ،
"مارپچی[۱]" نہ محل میں آئی، یہی ہے ان کی سیرت،
رہ جاتی مری عزت، گر پہلے ہی مرجاتی۔

(۱۲)

صبح سویرے پنگھٹ پر اب، کہاں ہیں ویسے جھرمٹ،
لپٹ کے سوئیں ساجن سے اب، سب پر ہے گھبراہٹ،
ویراں ہیں سب پنگھٹ، اور خالی ڈول ہیں سارے۔

(۱۳)

کوئی اک پیاسی سہم سہم کر، آتی ہے پنگھٹ پر،
ریوڑ ھانک کے لے جاتی ہے، اپنی پیاس بجھا کر۔

(۱۴)

اب چرخے کی گونج نہ ریوڑ، پنگھٹ ہیں سب ویراں،
حوض بھی سارے خالی خالی، ہے پرہول سماں،
چاہ کن بھی سب نظروں سے غائب، گئے ہیں جانے کہاں،
لے کر سارا ساماں، لاد گئے ہیں ملیر سے سارے۔

(۱۵)

کہاں وہ پانی بھرنے والے، کہاں وہ رسے ڈول،

---

[۱] صحرائی عورت۔

اُن کے دکھڑے یاد کروں تو، آئیں دل کو ہول،
اُن کے میٹھے بول، دل میں گونج رہے ہیں۔

(۱۶)

ڈول اور رسے، کنویں اور پنگھٹ، تھوھر اور وہ تھر،
ریوڑ چرواتے چرواہے، سبزہ، راہگذر،
کیسے لیں گے خبر، جو اُلجھ گئے ہیں دکھڑوں میں۔

(۱۷)

کس کو دل کا درد سناؤں، میں برھن مجبور،
پل پل جن کی یاد ستائے، وہ مارو ہیں دور،
مارو وہ رنجور، چھوڑ گئے ہیں پنگھٹ۔

(۱۸)

مجھ کو دُہرا درد دیا ہے، تو نے محل میں لا کر،
محل میں تیرا ظلم سہوں اور، طعنے دے سب تھر[1]۔

(۱۹)

لگا ہے اب یہ داغ کہ میں تو، باڑ پھلانگ کے آئی،
کہے لطیف کہ لاج کے مارے، روئیں سب صحرائی،
اب تو ہے رُسوائی، جھکی ہے شرم سے گردن۔

---

[1] صحرا۔

وائی

روٹھیں نا پنہوار، ڈھولا مارو مجھ سے،
مجھ میں کیا کیا عیب ہیں، ساجن! تو ستار،
ڈال دے اپنا دامن، ڈھانپ لے عیب اے یار!
برسا میگھ ملیر پر، پنگھٹ پر جھنکار،
جھولی میں بھر لائی، اپنے عیب اے یار!

نویں داستان

(۱)

جہاں پہ بوندا باندی ہو وہ، وہیں پہ ڈالیں ڈیرے،
ان کو کیا معلوم کہ کیسے، قید و بند ہیں میرے،
ان کے دور بسیرے، کوئی سندیس نہ آیا۔

(۲)

برسی برکھا ویرانوں میں، اُگی ملیر میں گھاس،
ان کی دید کو ترسیں نیناں، من میں ملن کی پیاس،
دیس کے جل سے پیاس بجھاؤں، یہی ہے من میں آس،
گھونٹ بھی آئے راس، کاش کہ اِن کے ہاتھوں سے۔

(۳)

غلے کے اب تو ڈھیر لگے ہیں، مارو سب مسکائیں،

دیکھ سنہرے خوشے سکھیاں، گھر میں بیٹھ نہ پائیں،
بھرتی ہوں میں آہیں، محل میں دم گھٹتا ہے۔

۴

خوش ہیں اس موسم میں مارو، ریوڑ اور گھر بار،
اُتریں ریوڑ ڈھلوانوں سے، میداں سبزہ زار،
جھڑی لگی ہے اب نینن میں، یاد آئیں پنہوار،
"تاڑے" کی چہکار، آجا برکھا برسے گی اب۔

۵

خوش ہیں اس موسم میں مارو، کھاڑ[1] ہے خوشحال،
جنگلی پھل وہ چن کر لائیں، بھر بھر لائیں تھال،
میں بھی صحرا کی عصمت ہوں، ان کو نہیں خیال،
کہے لطیف کہ تیرے سر سے، کبھی نہ اُترے شال،
ختم ہے اب جنجال، آجا برکھا برسے گی اب۔

۶

خوش ہیں اس موسم میں مارو، بنائیں گھر کی باڑ،
جل تھل ہے اب پیاسا صحرا، برکھا کی بوچھاڑ،
سکھیاں کھاڑ میں مسکائیں، قید کا یاں آزار،
"کھاٹونبو[2]" کی بہار، آجا برکھا برسے گی اب۔

---

[1] علاقے کا نام [2] صحرائی پھول

(۷)

خوش ہیں اس موسم میں مارو، بدل گئی تقدیر،
تڑپ رہی ہوں میں زنداں میں، جھنک رہی زنجیر،
مسکایا ہے ملیر، آجا برکھا برسے گی اب۔

(۸)

خوش ہیں اس موسم میں مارو، ”جیائے[1]“ میں ڈالے ڈیرے،
ریوڑکو ”لنب“ گھاس کھلائیں، ”واگھیوں[2]“ کے ہیں پھیرے،
”کیٹائے[3]“ کو ہیں چلے، آجا برکھا برسے گی اب۔

(۹)

”ویڑھیجھپ[4]“ کو اب چلے ہیں مارو، ”کھاروڑی[5]“ سے لادا،
کہے لطیف کہ میرے پریتم، ابھی ابھی تھے اس جا،
دیکھ کے اِن کے ویراں آسن، نین سے برسے برکھا،
کون یہاں ہے میرا، کس سے دل کا حال کہوں میں۔

(۱۰)

لاد چلیں جب برکھا برسے، اِن کی یہ پہچان،
مارو وہ گنوان، تھر کو چھوڑ چلے ہیں۔

(۱۱)

کچھ دن یہاں بتا کے مارو، چھوڑ چلے ہیں تھر،

---

۱ تا ۵ علاقوں کے نام

کبھی نہ بھیجا ماروؤں نے، کوئی سندیس پیمبر،
چلے ہیں دور سفر، جن سنگ جنم گذارا۔

(۱۲)

جہاں پہ ریوڑ وہیں پہ سوئیں، ہاتھ پہ رکھ کر سر،
پل پل نیناں نیر بہائیں، پل پل یاد ہے تھر،
پائر کا ہے سفر، مجھ سے دور گئے ہیں۔

(۱۳)

جہاں جہاں وہ مل کر بیٹھیں، لگ جائیں منڈل،
تب سے نیناں نیر بہائیں، جب سے ہیں اوجھل،
دکھڑے ہیں پل پل، دیس کو دیکھے دن بیتے ہیں۔

(۱۴)

پل پل روئیں نیناں میرے، مارو ہوگئے دور،
کوئی تو دیس سے قاصد آئے، منوا ہو مسرور،
بے بس میں مجبور، کب جاؤں گی دیس ملیر۔

وائی

پاس پیا کے جاؤں، عمر! میں پاس پیا کے جاؤں،
سکھیوں سنگ میں صحراؤں میں، "سنگر" چن چن لاؤں،
دیس کے برکھا جل سے سکھیو!، کملی میں دُھلواؤں،

گھوم گھوم کر جنگل بن میں، پیلو چُن چُن کھاؤں،
بل کھاتی وہ جنگلی بیلیں، پھل میں توڑ کے لاؤں،
صحرا صحرا پھول چنوں اور، ہر تہوار مناؤں،
جنگلی پھل محصول میں دوں اور، تھر کی ریت نبھاؤں۔

دسویں داستان

(۱)

دیس میں برکھا برسی ہے، ملی ہے آج بدھائی،
دور ہوئے ہیں دیس کے دکھڑے، خوش ہے ہر صحرائی،
اب تو عمر نے ماروؤں سے، صلح کی بات بڑھائی،
ملے گی تجھ کو رہائی، محل کے قید و بند سے۔

(۲)

جس کو جڑ سے کاٹ دیا اس، پیڑ کی سوکھی ڈار،
سدا رہے گی سوکھی وہ تو، خزاں ہو یا کہ بہار۔

(۳)

کوئی نہ قاصد آیا جس سے، پوچھوں دیس کا حال،
رات کو بجلی چمکی برسی، برکھا سوئے شمال۔

(۴)

دیس ملیر سے قاصد آیا، لایا یہ پیغام،

اب کیا خوف و خطر ہے، تو مت! بھول اس پی کا نام،
قید کے یہ آلام، کچھ دن اور ہیں باقی۔

۵

کچھ دن کی اب قید ہے باقی، سر پر رہے یہ شال،
مارو عصمت پرور ہیں اور، اِن کی نہیں مثال،
ہیچ ہیں سارے محل دو محلے، صحرا ہے ٹنکپال،
ست کا رکھ تو خیال، تو جائے گی دیس ملیر۔

۶

تجھ کو یاد کریں وہ سکھیاں، سچ ہے جن کا سنگھار،
ہیچ سمجھ تو اس سونے کو، اے صحرائی نار!

۷

جن کا سانچ سنگھار وہ سکھیاں، کرتی ہیں اب یاد،
جن کے ست اور عصمت کی، دشمن بھی دیں داد۔

۸

چُھولوں اِس کے پیر جو آیا، دیس سے نامہ بر،
اس کو دل کا حال سناؤں، میں تو رو رو کر،
رہوں نہ یاں پل بھر، میں پہنچوں دیس ملیر۔

۹

دیس سے قاصد آیا ہے اور، دیتا ہے یہ طعنہ،

سج کر بیٹھ نہ سیجوں پہ تو، پہن نہ کوئی گہنا،
کہے لطیف کہ لوئی کو تو، کبھی نہ میلا کرنا،
کہا ہے سب سکھیوں نے اپنے، گھر کی عزت رکھنا،
پل بھر یہاں ہے رہنا، جائے گی تھر تو عزت سے۔

(۱۰)

کیوں روٹھیں گی مجھ سے میرے، اپنے دیس کی سکھیاں،
ہار سنگھار سب اُجڑا ہے اور، حال ہوا ہے ویراں،
دل میں دیس ملیر بسا ہے، نیند نہیں ہے نیناں،
دیکھیں آن کے سکھیاں، کہ کیسے تھر کی ریت نبھائی۔

(۱۱)

ستی! تیری عصمت، ابھی نہیں ہے کامل،
دل ہی دل میں جل کر، تڑپ جوں تڑپے بسمل،
عزت ہوگی حاصل، جب پاس رکھے گی عصمت کا۔

(۱۲)

کیسے رہوں میں محلوں میں میری، عزت دار ہیں سکھیاں،
سیپ تو ساگر میں ہے لیکن، پیئے وہ قطرہ نیساں،
سیپ سکھی! جوں بوند کو ترسے، دید کو ترسیں اکھیاں،
خوش ہوں گی تب سکھیاں، جب جاؤں گی دیس ملیر۔

(۱۳)

جیسے سیپ سمندر میں، مانگے قطرہ نیساں،
ڈار سے بچھڑی کونج جوں تڑپے، فرقت میں ہوں پریشاں،
محل میں قید و بند، سلاسل، کیسے وہاں پر پیماں،
رہوں نہ پل بھر یاں، ٹوٹیں گر زنجیریں۔

(۱۴)

سیپ سمندر میں رہ کر بھی، رکھے بوند کی آس،
پل پل مانگے برکھا بوندیں، ساگر آئے نہ راس،
ساگر میں بھی پیاس، جبھی تو پہنے موتی۔

(۱۵)

سیپ سے سیکھو سکھیو!، تم بھی پریت کی ریت،
بوند سے ایسی پریت، کہ جل میں بھی ہے پیاسی۔

(۱۶)

سیپ سے سیکھو پریت، پیئے نہ بحر کا آب،
بوند کو ہے بے تاب، جل میں بھی ہے پیاسی۔

(۱۷)

پہلے دن ہی محل کو دیکھ کے، میں تو ہوئی اُداس،
مجھ کو مارو اپنائیں جب، جاؤں میں ان کے پاس،
جس کی من میں آس، وہ مارو دیس ملیر میں ہے۔

(۱۸)

جو دن میں نے یہاں بتائے، رہ کر دیس سے دور،
ان کا دیس ملیر میں سکھیاں، طعنے دیں گی ضرور،
جاکر ان کے حضور، میں ڈھولوں ڈھول محل کی۔

وائی

بندھا ہے پریت کا بندھن، میرے من میں بسا ہے مارو،
اُجلے دودھ کٹورے چھلکیں، سنگ ہو مارو ساجن،
ریت میں اُن کے نقشِ پا کو، ڈھونڈتے گذرے جیون،
پل بھر میں تو رہ نہ پاؤں، مل جائے گر ساجن،
ملن بدھائی دوں سکھیوں کو، جاؤں جب اُن کے آنگن،
کیسے سر سے شال اُتاروں، دو دن کا ہے جیون۔

گیارہویں داستان

(۱)

دیس ملیر سے آیا ہے، میرا مارو پیارا،
آیا مرا سہارا، ختم ہوئے سب دکھڑے،

(۲)

سکھی رہے وہ قاصد جس کے، تن پر دیس کی دھول،

دیس کو جاؤں چرخہ کاتوں، محل میں من ہے ملول،
دھول بھی جانوں پھول، میں تو دیس ملیر کی۔

(۳)

کہاں تھی ان پر برکھا برسی، کہاں تھی ان کی منزل،
قاصد ان کی باتیں کریں، جن کی پریت کی گھائل،
جھوم اُٹھے تب دل، جب سنوں کوئی سندیسہ۔

(۴)

دیس ملیر پہ برسی ہوگی، برکھا میرے بعد،
برس برس کر نینوں نے کل، کیا مارو کو یاد۔

(۵)

بات بتا دے نامہ بر کیا، دیس پہ برسی برکھا،
کیا وہ لوٹ کے آئے ہیں جو، گھومیں صحرا صحرا۔

(۶)

دیس ملیر پہ برسی ہے کیا، برکھا اب کی بار،
دیس کی جانب تکتے تکتے، بہے ہے نین سے دھار،
ملیں گے کب پنہوار، کب محلوں سے نکلوں گی۔

(۷)

جب جب مانگیں دعائیں تب تب، ان پر برسا پانی،
مرضی اپنے مولا کی ہے، سب نے دل سے مانی،

حکم ہوا ربانی، تو لوٹے دیس ملیر کو۔

(۸)

کیسے اچھے دن تھے جب کہ، محل میں تھی میں اسیر،
قید میں رہ کر برسایا تھا، میں نے نین سے نیر،
یار کے وصل کو ترس رہی تھی، ملن کو تھی دلگیر،
پڑی تھی جب زنجیر، تو پریت ہوئی تھی اُجلی۔

(۹)

عمر! دیس ملیر سے، آیا ہے پیغام،
بھیجا ہے سندیس پیا نے، محل میں میرے نام،
ہوگئے ختم آلام، کہے لطیف کہ کرم سے اُس کے۔

وائی

مارو جام[۱] کو پایا، لاج رکھی کملی کی،
آن ملی ہے پنہواروں سے، کملی کا سکھ پایا،
محل میں بھی وہ تھر کا باسی، ماردھی یاد آیا،
جھونپڑیوں کی پریت کی خاطر، محلوں کو ٹھکرایا،
سکھیوں سنگ ملیر میں جاکر، ''سنگر''[۲] چن چن کھایا،
دوجے جگ میں شاہ لطیف کی، رکھیو لاج خدایا!

---

[۱] سردار　[۲] صحرائی میوہ

متفرقہ ابیات

①

وہ ہی بنیں لُٹیرے جب، بندھی ہو جن کی دھیر،
کس سے اب فریاد کریں گے، مارو یار فقیر۔

②

وہ ہی بنیں لیٹرے جب، جیئیں جن کے سہارے،
کیسے رہ پائیں گے تھر میں، مارو یار بچارے۔

③

قید میں قسمت لے آئی ہے، میرا دیس ملیر،
جاکر پی کے سنگ پیئوں گی، پارَ کا میں پنیر،
کیا ہے ظلم امیر! لے آئے اس قید میں۔

④

مارو بن اس محل میں میں نے، کیا کیا سہی ملامت،
پہنچا مارو پاس مجھے تو، یہ من پائے راحت،
رنج و الم کی حکایت، سناؤں میں ماروؤں کو۔

⑤

جو بھی میرے دن بیتے ہیں، اپنے پی کے حضور،
ان کی یاد میں تڑپ رہا ہے، میرا من مہجور،
تیرا ہاتھ نہ تھاموں گی میں، گو کہ ہوں مجبور،

شب بھر سر پر شال رہے وہ، آئیں گے صبح ضرور،
میں جاؤں گی اس کے حضور، جو مارو جام ملیر کا۔

(۶)

یاد ستاتی ہے ساجن کی، میں برھن کمزور،
عمر دکھا مت زور، تو ہم پریت کے ماروں کو۔

(۷)

دیس ملیر کی سکھیوں نے، کہلا بھیجی بات،
تو نے اس محل میں جاکر، بدلیں ہیں عادات،
بھول گئی ہیہات!، تو مارو اور ملیر کو۔

(۸)

من میں تڑپ اور لب پر آہیں، محل کے قید و بند،
روئے اور رُلائے سب کو، کچھ نہ آئے پسند،
سائیں کی سوگند، ملا دے اب مارو سے۔

(۹)

جیسے بھی ہیں میرے مارو، میں نے کیے قبول،
چنتی ہوں گی ساری سکھیاں، صحرا کے پھل پھول،
کب ہوگی دعا قبول، کب ٹوٹینگی زنجیریں۔

(۱۰)

دھوؤں محل کی دھول، پھر یہ نکلے جان،

دیس کے جل سے اُجلا ہو، جیرا مرا ملول،
مارو کریں قبول، تو ان کے احساں مانوں۔

(۱۱)

جیون بیتے دیس میں، سدا ہو مارو پاس،
مارو وفا شناس، میں چوموں اِس کے پیر۔

(۱۲)

کون کہے کہ میلے ہیں وہ، اُجلے میرے ہمدم،
جگ سوئے تو ریت پہ چمکیں، اُن کے نقشِ قدم،
ان پر ڈھا نہ ستم، بڑے ہی دکھیارے ہیں۔

(۱۳)

کیا کوئی رسم ہے شادی کی میں، دھولوں میلی شال،
مارو بن کیسے سلجھاؤں، اُلجھے اُلجھے بال،
فرقت کا ہے ملال، کیسے اُجلا بھیس میں پہنوں۔

(۱۴)

جن کے نین ملیر کی جانب، تکتے ہیں دن رین،
پائیں نہ پل کو چین، ان کو تو کیا کر پائے گا۔

(۱۵)

کیسے اور کو اپناؤں مرا، پریتم ہے صحرائی،
جس کا میلا بھیس ہے میں تو، اِس کی ہوں سودائی۔

(۱۶)

میلے انگ نہ دھوؤں اور میں، کروں نہ ہار سنگھار،
"محل میں دھویا مُکھڑا" کل کو، کہے گا مارو یار۔

(۱۷)

چیر کے سارا چام، نمک بھی گر تو چھڑکے،
کبھی کیا نہ ماروؤں نے، ایسا ویسا کام،
مارو سنگ مدام، جڑا ہے میرا جیئرا۔

(۱۸)

دیس ملیر پہ بجلی کوندی، برسے گی برسات،
ان کی یاد میں روتے روتے، بیت چلی ہے رات،
اور نہ ہوں آفات، مارو دکھیاروں پر۔

(۱۹)

چمکے ٹیلوں پہ گھروندے، جب جب کوندی بجلی،
سارا پاٹر بھیگ چلا ہے، ٹوٹ کے برکھا برسی،
من میں آس ملن کی، میں گھٹ گھٹ مر نہ جاؤں۔

(۲۰)

ریت کے ٹیلوں پر ڈیرے ہیں، چمک رہی ہے بجلی،
بادل دیکھ کے من بہلایا، روتے رات بھی بیتی،
جس کی لوئی اُجلی، مارو اسی کو چاہے۔

(۲۱)

بادل چھائے، بجلی چمکی، برکھا برسی چھم چھم،
رِستا ہے ہر زخمِ جدائی، یار کا غم ہے ہر دم،
مارو لاد چلے جب آیا، پھر برکھا کا موسم،
گھر، ریوڑ اور ہمدم، کاش کہ دیکھوں اکدن۔

(۲۲)

اون کی کملی سیتی ہیں اور، چنتی ہیں سب پھل،
کیوں نہ مسکائیں سب سکھیاں، سنگ ہے جب سھنل[1]،
سکھیوں سنگ میں "کک" چنوں گی، گھوم کے بن جنگل،
غم کے چھٹیں گے بادل، ملیں گے وہ صحرائی۔

(۲۳)

بجلی سے سج دھج کے آیا، پھر برکھا کا موسم،
دیس کی یاد میں بے کل نیناں، نیر بہائیں چھم چھم،
آئیں اگر وہ ہمدم، تو بھولوں سارے دکھڑے۔

(۲۴)

اب تو دیس ملیر میں سائیں، گدرائے ہیں پھل،
اس سے ملن کی آس ہے جس بن، بیت نہ پائے پل،
شال نہ جائے ڈھل، قول کیا ہے مارو سے۔

---

[1] حسین محبوب

(۲۵)

قاصد! میرے مارو کو، یاد سے یاد دلانا،
تیرے سنگ جو دن بیتے ہیں، وہ دن بھول نہ جانا،
محل کے قید و بند ہیں مارو!، کبھی ادھر تم آنا،
"ماندھانی[1]" بھجوانا، تو چکھوں میں صبح سویرے۔

(۲۶)

قاصد! رو کر کہنا میرے، پریتم سے یہ بات،
ایسے دل میں درد ہے مارو!، تھر میں جوں برسات،
تو ہی دلا نجات، کہ دُکھتا ہے تن من۔

(۲۷)

قاصد! کہہ دینا پریتم سے، جب جب برکھا برسے،
دینا سب سکھیوں کو میری، یاد سے تم سندیسے،
سب کی یاد میں تڑپے برھن، سب کے ملن کو ترسے،
آئے ملیر وہ کیسے، کیا کیا جتن کیے ہیں۔

(۲۸)

قاصد! کہنا پریتم سے، یاد سے تم یہ بات،
جکڑ لیا ہے زنجیروں نے، قید کی ہیں آفات،
آ کر تھام لے ہاتھ، دکھڑوں میں دن بیت رہے ہیں۔

---

[1] جنگلی پھول

(۲۹)

قاصد! یاد سے پریتم کو، دینا یہ پیغام،
کہنا ان سکھیوں سے، یاد ہوں جن کے نام،
پھیل گئی ہیں مہکتی بیلیں، پھول کھلے ہر گام،
سکھیاں چن چن لے آئی ہیں، پھلوں کی سب اقسام،
قید کے دن ہوں تمام، تو پہنچوں دیس ملیر میں۔

(۳۰)

عریاں سارے انگ ہیں، صحرا ستر ہمارا،
ڈھانپے سب کو صحرا، تھر کو نعمت جانیں۔

(۳۱)

جب تک تھے وہ پاس، آتے تھے پیغام،
چلی گئے وہ ملیر کو، کیا نہ یہاں قیام،
اب کیا دوں الزام، میں اِن ماروؤں کو۔

(۳۲)

لاد چلے ہیں ''کھاٹ'' کو، میرے مارو یار،
لے کر سارا ساز و ساماں، گئے وہ تھر کے پار،
خود تو گئے پنہوار، پر چھوڑ گئے ہیں یادیں۔

(۳۳)

جوں ''گنڈھیر'' میں گانٹھیں ہیں یوں، دل میں چاہ کی گرہیں،

جن میں گن ہی گن ہیں مارو، وہ تو تھر میں بسیں،
روتے دن بیتیں، اور روتے گذریں راتیں۔

(۳۴)

جوں "گنڈھیر" میں گانٹھیں ایسی، من میں چاہ کی گرہیں،
دیکھ عمر نے ڈالی ہیں اب، قید میں یوں زنجیریں،
مارو گرہیں کھولیں، جب جاؤں میں دیس ملیر۔

(۳۵)

وہ صحرائی صحرا میں ہیں، جن کو ترسے جیڑا،
یاد ہے دیس ملیر میں، ساون رت کی برکھا،
دل میں ہے اُجیارا، جیڑا غم سے دمک رہا ہے۔

(۳۶)

اُجڑ گئی تھی بستی، جہاں تھے وہ آباد،
پھر سے آن بسائی ہے، مارو ہیں اب شاد۔

(۳۷)

اتنے ہیں احسان، جن کا انت نہ کوئی،
مارو نے جو پہنائی، وہ نہ اُترے لوئی۔

(۳۸)

مجھ پہ ہیں احسان، کیا کیا ماروؤں کے،
ماروں ہیں گنوان، کیا کیا گن گنواؤں۔

(۳۹)

کہاں ہوں میں ان جیسی میری، سکھیاں عصمت پرور،
دیکھ کے میری میلی لوئی، پھیریں وہ نہ نظر۔

(۴۰)

اُتر گئے سب طوق میرے ہیں، پریت نے ڈورے ڈالے،
مارو کھول سکیں گے اب تو، میرے دل کے تالے۔

(۴۱)

ٹوٹ گئیں سب زنجیریں نہ، ٹوٹا پریت کا بندھن،
مارو بن اس محل میں ہر پل، سلگے ہیں تن من۔

(۴۲)

سن کر اپنے دیس کی باتیں، مارئی ہو گئی شاد،
جان گئی ہوں ساری باتیں، سن لے اے صیاد!
کرتی ہیں سب یاد، مجھ کو میری سکھیاں۔

(۴۳)

سن لیں دیس کی باتیں پھر تو، ٹوٹ گئی زنجیر،
بندھی ہے اب تو دھیر، دور ہوئے سب دکھڑے۔

(۴۴)

روزِ ازل سے ہی تھا، عمر کا دامن پاک،
اسی لیے تو کر نہ پایا، میری لوئی چاک۔

(۴۵)

چھوڑ گئے ہیں تھر کو، مارو وہ گنوان،
مارو بن جینے کا، مجھ پہ ہے بہتان۔

(۴۶)

اب تو اللہ کارن، کر نہ جور و ستم،
تب سے ہوں میں گھائل جب سے، محل میں دھرا قدم،
یاد آئیں ہر دم، بھول نہ جاؤں ماروؤں کو۔

(۴۷)

اب کیا رونا آہیں بھرنا، اور بہانا نیر،
اب تو طوق اُتار گلے سے، ٹوٹ گئی زنجیر،
جائے گی دیس ملیر، اور ملے گی سنگھاروں سے۔

(۴۸)

اب کیا رونا آہیں بھرنا، ختم ہوا آزار،
کٹ جائیں گے مشکل دن بھی، تو ہمت مت ہار،
دکھ کے بعد تو سکھ ہی سکھ ہیں، دکھ سکھ کا سنگھار،
ٹُوٹ گئی ہیں زنجیریں اب، دیکھے گی پنہوار،
ٹوٹیں گے یہ حصار، توڑ دے سب زنجیریں۔

(۴۹)

نیر بہا مت نینن سے، چھوڑ دے بھرنا آہیں،

جگ سوئے تو ہاتھ اُٹھا کر، رب سے مانگ دعائیں،
دیکھ اس دیس کی راہیں، جہاں بنی تھی دلہن۔

(۵۰)

اب کیا رونا آہیں بھرنا، اب کاہے کا ماتم،
دیس دُلارے آئے ہیں، جیئیں سدا جو جم جم،
ملے گا تجھ سے بالم، برسے گی جب برکھا۔

(۵۱)

کیسے سَر سے اُترے گی وہ، لوئی جو اوڑھ کے آئی،
شال نے ڈھانپے انگ میرے میں، دوشیزہ صحرائی،
خاک بنایا بستر کوئی، چیز نہ من کو بھائی،
جو عہد وہاں کر آئی، وہ عہد کروں گی پورا۔

(۵۲)

پھر سے اُن کے ہجر کے سائیں، ہوگئے ہیں زخم ہرے،
ماروؤں کی یاد کے دل میں، لگے ہوئے ہیں ڈیرے،
اِن کی پریت میں میرے، انگ ہوئے ہیں گھائل۔

(۵۳)

پھر سے زخم ہوئے ہیں تازہ، یاد آئے ہیں ہمدم،
ملن کو قید میں ترس ترس کے، نکل نہ جائے دم،
پھر ہے ان کی یاد کہ جو ہیں، صحرا کے محرم،

فرقت کا ہے غم، کب جاؤں گی ان کے آنگن۔

وائی

مارو ساجن میرا، میں مارو کی سجنی،
میلے محل میں منہ نہ دھوؤں!، اُجلا میرا صحرا،
منہ دھویا تو طعنہ دے گا، میرا مارو اُجلا،
اشکوں سے ہی منہ دھولوں گی، تن من اجلا سارا۔

نوری جام تماچی

کسی زمانے میں جسودھن نام کا ایک سمہ سردار سندھ کے کسی علاقے میں حکومت کرتا تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ وہ ہر وقت اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لیے دعائیں مانگتا رہتا۔ آخر ایک درویش نے اسے دعا دی لیکن ساتھ ساتھ یہ بھی کہا کہ تمہارے ہاں بیٹی پیدا ہوگی مگر اسے کوڑھ کا مرض ہوگا وقت گزرتا گیا سمہ سردار کے ہاں ایک بیٹی ہوئی بچی کو واقعی کوڑھ کا مرض تھا سردار نے اپنی بچی کا بہت علاج کرایا لیکن اس کا مرض ختم نہ ہوا۔ سب طبیبوں نے اس مرض کو لاعلاج قرار دیا۔ سردار نے سوچا کہ اس بچی کے مرض کا کوئی علاج نہیں، ساری زندگی یہ اس مرض میں مبتلا رہے گی ایسی زندگی سے تو موت اچھی ہے یہ سوچ کر اس نے حکم دیا کہ بچی کو جنگل میں پھینک دیا جائے۔ سردار کے حکم کی تعمیل کی گئی، محل کی دایہ بچی کو گود میں ڈال کر جنگل کی طرف چلی، راستے میں اسے کینجھر نامی ایک "گندرو قوم" کا آدمی ملا وہ مچھیرہ تھا جھیل کے کنارے مچھیروں کی بستی میں رہتا تھا اس نے جب سنا کہ سمہ سردار کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی ہے تو وہ سردار کو مبارک دینے روانہ ہوا، راستے میں اس کی ملاقات دایہ سے ہوئی تو اس نے پوچھا کہ تم کون ہو کہاں جارہی ہو اور تمہاری گود میں کس کی بچی ہے؟ دایہ نے بتایا کہ وہ جسودھن کے محل کی دایہ ہے اور بچی جسودھن کی بیٹی ہے اسے ایسا مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں اس لیے میں اسے جنگل میں پھینکنے جارہی ہوں۔ کینجھر کو بچی پر رحم آگیا اس نے دایہ سے کہا کہ بچی مجھے دے دو میں اسے

پالوں گا۔ دایہ نے بچی کینجھر کو دے دی اور وہ بچی کو لے کر اپنی بستی میں لوٹ آیا۔ کینجھر کی بیوی کا نام سوتل تھا اس کی بھی کوئی اولاد نہ تھی کینجھر نے بچی کو سوتل کی گود میں ڈالا سوتل نے اسے سینے سے لگالیا اور اس کا نام "نوری" رکھا۔

نوری انہی مچھیروں کی بستی میں پل کر جوان ہوئی مرض کی وجہ سے وہ بہت بد شکل ہو گئی تھی۔ کینجھر نے اس کی شادی کرنی چاہی لیکن کوئی بھی اس سے شادی کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ کینجھر نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ نوری سے شادی کرلو لیکن اس نے بھی انکار کر دیا۔ نوری کو اپنے مرض اور بد صورتی کا پورا پورا احساس تھا اور سارے جسم کو چادر میں چھپا کر رکھتی تھی اور منہ پر نقاب ڈال کر گھوما کرتی تھی وہ خدا کی بارگاہ میں دعائیں کرتی تھی کہ خدا اسے اس موذی مرض سے نجات دے۔ اس نے سوچا کہ اللہ کے کسی بزرگ کی خدمت کی جائے شاید اس طرح اسے اس مرض سے نجات مل جائے۔ ان دنوں ایک بزرگ جھیل کے ایک اونچے ٹیلے پر بیٹھ کر خدا کی عبادت کیا کرتے تھے۔ نوری کو جب اس بزرگ کا پتہ چلا تو کشتی پر سوار ہوئی اور اس بزرگ کے آستانے پر آئی، بزرگ عبادت میں مصروف تھا، نوری نے بزرگ کے آستانے کی صفائی کی، پانی بھر کر دیا جلایا اور چپ چاپ واپس چلی گئی۔ اب نوری ہر روز وہاں آتی، اور آستانے کی صفائی کر کے خاموشی سے واپس چلی جاتی، بزرگ نوری کی خدمت سے بہت خوش ہوئے اور جب اس کی وفات کے دن قریب آئے تو اس نے نوری کو اپنے پاس بلایا اور پوچھا بیٹی تمہیں کیا چاہیے؟ نوری نے اپنی بیماری بتائی اور بزرگ کو دعا کے لیے کہا، بزرگ نے دعا کی اور نوری کو اس موذی مرض سے نجات مل گئی۔ اس زمانے میں ٹھٹھہ پر سمہ سلطان "جام تماچی" کی حکومت تھی وہ جھیل میں مچھلی اور آبی پرندوں کا شکار کرنے آتا تھا۔ جام تماچی نے جھیل کے کنارے ایک چھوٹا سا محل بنوایا جسے "جام تماچی کی ماڑی" کہتے تھے، جام تماچی جھیل میں شکار کرنے آتا تو مچھیروں کے دن پھر جاتے، وہ ان کو انعام و اکرام سے نوازتا، دربار لگاتا اور غریب مچھیرے اپنے اپنے دکھ بیان کرتے، وہ ان کے دکھ دور کرتا، شام کے وقت وہ کشتی میں بیٹھ کر شکار کھیلتا اور رات کو محل کے دریچے سے جھیل کا نظارہ کرتا، ایک مرتبہ وہ محل سے جھیل کا نظارہ کر رہا تھا کہ اسے نوری نظر آگئی اور وہ ایک نظر میں ہی اسے دل دے بیٹھا۔ کچھ دنوں کے بعد وہ

مچھیروں کی بستی میں گیااور کینجھر مچھیرے کا مہمان ہوا۔ کینجھر کی یہ بڑی خوش قسمتی تھی کہ بادشاہ اس کا مہمان ہوا تھا۔ جام تماچی نے کینجھر سے نوری کا رشتہ مانگا، کینجھر نے یہ رشتہ قبول کر لیا اور نوری اور جام تماچی کی شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ کچھ دنوں کے بعد دونوں کی شادی ہو گئی اور سمہ سلطان جام تماچی ایک مچھیرن کو اپنی رانی بنا کر محل میں لے آیا۔ جام تماچی نے مچھیروں کو بڑے بڑے انعامات دیئے، مچھلیوں پر لیا جانے والا محصول معاف کر دیا اور وہ جھیل نوری کے باپ کینجھر کو بخش دی جو بعد میں نوری کے باپ کے نام سے کینجھر جھیل مشہور ہوئی۔

نوری اب مچھیرن نہ تھی، وہ سندھ کے سلطان کی رانی تھی رانی بننے کے بعد بھی وہ اپنی اصلیت نہ بھولی اور ہمیشہ اپنے آپ کو غریب مچھیرن ہی سمجھتی رہی۔ اس میں پہلے جیسا عجز و انکسار تھا۔ جام تماچی اس کے اس عجز اور انکسار کی وجہ سے اسے اور زیادہ چاہنے لگا۔

جام تماچی کا نوری سے اس قدر پیار دیکھ کر دوسری رانیاں نوری سے جلنے لگیں لیکن نوری ان کے ساتھ بھی عجز اور انکساری کے ساتھ پیش آتی۔

ایک دن جام تماچی نے محل میں کہلا بھیجا کہ آج جو بھی رانی اسے بہت زیادہ اچھی لگے گی وہ اسے اپنے ساتھ سیر کو لے جائے گا۔ سب رانیاں اپنے آپ کو بنانے سنوارنے لگیں۔ لیکن نوری نے وہی سادہ لباس پہنے رکھا، شام کو جام تماچی محل میں آیا۔ سب رانیاں ناز و ادا سے اس کے سامنے آئیں۔ سب ایک دوسرے سے بڑھ کر حسین نظر آرہی تھیں لیکن نوری ویسی کی ویسی تھی۔ جام نے پوچھا کہ نوری تم نے ہار سنگھار کیوں نہیں کیا۔ نوری نے کہا کہ سرتاج یہ رانیاں حسب نسب کے اعتبار سے بھی شہزادیاں ہیں میں ایک معمولی مچھیرن ہوں میری کیا مجال کہ رانیوں کا مقابلہ کروں۔ جام تماچی نوری کی بات سے بہت خوش ہوا اور اسے اپنے ساتھ لے گیا۔

کچھ دنوں کے بعد موسم بدلا، محل میں بہار کا جشن ہوا۔ اس دن ہر ایک رانی نے جام تماچی کو کوئی نہ کوئی تحفہ دینا تھا۔ ہر ایک رانی یہی کوشش کر رہی تھی کہ وہ قیمتی تحفہ دے کر بادشاہ کا دل جیت لے، لیکن نوری کے پاس کوئی ایسا قیمتی تحفہ نہ تھا اور سب رانیاں خوش تھیں کہ اب وہ نوری کو نیچا دکھانے میں کامیاب ہو جائیں گی۔

ہر ایک رانی نے جام تماچی کو قیمتی تحفہ دیا۔ نوری کی باری آئی تو اس نے کینجھر جھیل کے کنول کا ایک پھول بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا کہ یہی میرا ہیرا ہے، بادشاہ نے نوری کا تحفہ قبول کر لیا اور اس کے تحفے سے بہت خوش ہوا۔ عید آئی تو بادشاہ نے رانیوں سے پوچھا کہ میں تمہیں کیا انعام دوں؟ کسی نے ہیرے مانگے، کسی نے موتی مانگے، نوری خاموش کھڑی رہی۔ بادشاہ نے نوری سے پوچھا تو نوری نے کہا کہ سر تاج مجھے بغیر مانگے ہی بہت کچھ ملا ہے مجھے اور کچھ نہیں چاہیے بادشاہ نے اصرار کیا تو نوری نے بڑے عجز سے کہا، سر تاج مجھے آپ کا پیار چاہیے بادشاہ کو نوری کا جواب بہت اچھا لگا اور زندگی کے باقی دن اس نے نوری کے ساتھ گذار دیئے۔

سُر کا موڑ

سُر کاموڈ

پہلی داستان

(۱)

میں میلی تو اُجلا سائیں، مجھ میں عیب ہزار،
دیکھ کے سندر رانیاں تو، چھوڑ نہ دینا یار!

(۲)

میں میلی تو اُجلا سائیں! لاکھوں عیب ہیں یار!
دیکھ کے منہ مت موڑیو، مچھلی کے انبار۔

(۳)

میں میلی تو اُجلا سائیں! مجھ میں عیب کروڑ،
میں نادار مچھیرن ہوں تم، مجھے نہ دینا چھوڑ۔

(۴)

میں میلی تو اُجلا سائیں!، مجھ میں عیب ہزار،
مجھ سے منہ مت موڑیو، میں ہوں مچھیرن نار۔

(۵)

تو اُجلا میں میلی سائیں!، لاکھوں ہیں اوگن،
تجھ کو تو معلوم ہیں سارے، میرے عیب سجن!
"جام!" اللہ کارن، مجھ سے منہ مت موڑیو۔

(۶)

تُو تو گھاٹ کا مالک ہے اور، میں ہوں میلی مچھیرن،
تجھ سے ہی منسوب ہوں مجھ کو، چھوڑ نہ دینا ساجن۔

(۷)

تُو تو گھاٹ کا مالک ہے، میں مفلس اور نادار،
بخش دے سب محصول ہمارے، آکر پاس اے یار!

(۸)

مچھلی سب کی پونجی ہے اور، مچھلی ہی خوراک،
"جام" نے ان سے رشتہ جوڑا، جو ہیں سینہ چاک،
جو پیروں کی خاک، تو ہی نگہباں ان کا ہے۔

(۹)

جال، پرانی ناؤ کے مالک، مچھلی کے ہیں ڈھیر،

در پر "جام تماچی" کے وہ، آئیں صبح سویر،
مچھلی سے ہیں سیر، "جام" نے ان سے رشتہ جوڑا۔

(۱۰)

مچھلی کے ہیں ٹوکرے اور، بدبو بھرے ہیں چھاج،
پلو بھی جب چھو جائے تو، سب کو آئے لاج،
جام تماچی آج، ان کو آن نوازے۔

(۱۱)

کالی، میلی، عیبوں ماری، ذرا نہیں سندر،
بیچیں بیچ بازار میں آکر، ٹوکرے بھر بھر،
جام ہے وہ رہبر، جو اِن کے ناز اُٹھائے۔

(۱۲)

جال، مچھی کے ٹوکرے، مچھلی سے ہے پیار،
گھر ہیں گھاٹ کنارے ہر سُو، بدبو کے انبار،
پانی میں ہی پل کر سائیں!، جیون دیں وہ گذار،
جام وہ پالنہار، جو اُن کے ناز اُٹھاتا ہے۔

(۱۳)

کالے تن پر میل جمی ہے، پتوں کی پوشاک،
ان کا ہے مہمان تماچی، جو ہیں دامن چاک۔

(۱۴)

پتوں کی پوشاک ہے اُن کی، میلے جسم تمام،
جام نے ساری "کینجھر" دی ہے، ایسوں کو انعام۔

(۱۵)

میلے کالے تن ہیں جن کے، اور سروں پر چھاج،
جام ہے اُن کے آنگن آیا، سج دھج کر وہ آج۔

(۱۶)

آج ہیں محرم جام کے، کل تک تھے محروم،
میلی ہر اک مچھیرن کی، محلوں میں ہے دھوم،
آج رہے ہیں جھوم، کیا کیا دان ملا ہے۔

(۱۷)

مچھلی بیچنی چھوڑی اس کو، سمجھے کون مچھیرن،
چھوڑ دیئے وہ دھندے سارے، بیٹھی ہے بن ٹھن،
رانی کا ہے چلن، پلی ہو جیسے محلوں میں۔

(۱۸)

بیچے نہ اب مچھلی، اُس نے، چھوڑ دیئے یہ کام،
چھوڑ دیئے "نوری" نے سارے، تول، ترازو، دام،
بنی ہے اب گلفام، پلی ہے جیسے محلوں میں۔

(۱۹)

عجز و ادب سے نوری نے، پیش کیا جو کنول،
حاضر تھیں جو رانیاں وہ، رہ گئیں کھا کر بل،
نوری بھیس بدل، بیٹھی راجا سنگ۔

(۲۰)

ذرا نہیں مغرور مچھیرن، نوری دل آرام،
ناز بھرے نینوں سے اس نے، رِجھا لیا ہے جام،
عجز کا اپنے دام، ڈال کے جیتا جام کو۔

(۲۱)

دیکھ کہ نوری آج، سر تاپا ہے نیاز،
موہ لیا ہے جام کو، عجز کا ہے اعجاز،
پایا یہ اعزاز، بنی ہے سب کی رانی،

(۲۲)

ہاتھوں میں بو مچھلی کی اور، کرتی ہے سنگھار،
روزِ ازل سے جام کے دل میں، نوری سے تھا پیار،
کھولے سب اسرار، جام نے اب نوری پر۔

(۲۳)

دیکھیں جب عادات تو اُس کو، کون کہے یہ "مُہانی[1]"،

---

[1] مچھیرن

محل کی ہر اک رانی سے بھی، سندر تھی وہ رانی،
روزِ ازل سے رانی تھی وہ، کون تھا اِس کا ثانی،
صورت جب پہچانی، تو دھاگہ باندھا بانہہ میں۔

(۲۴)

کینجھر جھیل میں کون بھلا تھی، نوری جیسی سُندر،
جام نے سب کچھ معاف کیا ہے، اب اس کو کیا ڈر
جھولا آپ جھولا کر، پنکھا جام جھلے ہے۔

(۲۵)

گھاٹ تماچی جام کا ہے، گھاٹ کا مالک جام،
آن کے بیٹھ اب گھاٹ پہ کر، مدحت صبح و شام،
تجھ کو وہ گلفام، ملے گا گھاٹ کنارے۔

(۲۶)

بھاڑ میں جائیں رانیاں جو، دکھلاتی ہیں شان،
جن کو پیار ہے جام سے تو، ان کو اعلیٰ جان،
موتی ہے وہ مہان، جو نوری نے پایا ہے۔

وائی

من کا موتی پایا، نوری سکھیوں میں مُسکائے،
کیا کیا اس پر مہر ہوئی، جام کا اس پر سایا،

دکھ دھویا من اُجلا اُجلا، خود کو اب مہکایا،
دیکھ اپاہج در پر آئے، مان سبھی نے پایا،
داتا جام نے سب منگتوں کا، رتبہ آج بڑھایا،
دھن دولت جنتا میں بانٹے، جام سخی کہلایا،
نوری نے بھی ہاٹ پر دیکھو، دھن ہے خوب لٹایا،
کہے لطیف کہ نوری نے ہے، کیسا موتی پایا۔

دوسری داستان

(۱)

جگ جگ جیوے میرے سائیں، یہاں سے اب مت جا،
تو ہی میرے نین کی ٹھنڈک، ڈال یہیں پر ڈیرا،
جام! ذرا رہ جا، کچھ دن گھاٹ کنارے۔

(۲)

کینجھر جھیل کنارے، کچھ دن تو رہ جا،
میری شان بڑھا، میلے ملاحوں میں۔

(۳)

جھلمل جھیل کا نیلا پانی، پیڑ کیے ہیں سایا،
جھیل میں نیا ڈول رہی ہے، رہ گیا دور کنارا،
ڈولے جوں گہوارہ، کینجھر خنک ہوا میں۔

(۵)

جھلمل جھیل کا نیلا پانی، کھلے ہیں پھول کنول،
مہکے جھیل کا جل، مہکے کینجھر ساری۔

(۶)

جام رچھائیں رانیاں، کر کر ہار سنگھار،
کرے ہے جام شکار، ملاحوں کے سنگ۔

(۷)

چپو تھاما نوری نے اور، جام نے تھاما جال،
کرتے رہے وہ شکار، دونوں کینجھر جھیل میں۔

(۸)

کی نوری پر مہر اس نے تو، کہلایا وہ جام،
سنگ بٹھایا نوری کو تو، پایا ہے یہ نام،
کل یہ خاص و عام، بات کریں ہر گھاٹ پر۔

(۹)

محل کی ہر اک رانی کو تو، نوری جان نہ پائی،
تیاگ چکی ہیں دنیا کوئی، چیز نہ ان کو بھائی،
کینجھر راس نہ آئی، جام ہی ان کا سہارا ہے۔

(۱۰)

جنم لیا نہ جام نے اور، نہ ہی جنم دیا،
اونچ نیچ ذات نہ دیکھی، سب کو اپنایا،
لم یلد ولم یولد، وصف ہے ایسا،
کبر اور کبریا، تخت تماچی جام کا۔

(۱۱)

آنگن آنگن دھوم مچی ہے، جام تماچی آیا،
میل کچیل میں جینے والا، ہر اک جی مسکایا،
جیوے جام خدایا! ملا ہے مان مچھیروں کو۔

(۱۲)

آج سجالو آنگن آنگن، جام تماچی آیا،
دل سے دھولو دھول دکھوں کی، آنگن ہے چمکایا،
جام نے ڈالا سایا، گینجھر کو آرام ملا ہے۔

(۱۳)

تھا نوری کی نین میں، جانے کیسا جادو،
ایک نظر سے جام تھا گھائل، من میں پریت کی خوشبو،
جام تماچی مہرو، مچھلی مارے جھیل کنارے۔

وائی

وہ ''گندری[1]'' کیوں کہلائے، جام تماچی میت ہو جس کا،
سمہ کے سہاگ کا اب تو، نوری سیں گتائے،
جام تماچی جال اُٹھائے، پریت یہ دن دکھلائے،
بو کی بستی، باس مچھیرے، پاس وہ جام کے آئے،
سارے جگ پر مہر ہوئی ہے، نوری جام رجھائے۔

---

[1] مچھیرن

سُرگھاتو

سُر گھاتو

پہلی داستان

(۱)

ماہر تو سب اُلجھ گئے اور، بھٹکے عاقل سارے،
پہنچے جب مہران میں مانجھی، رہ گئے دور کنارے،
بھول گئے بے چارے، اگلی پچھلی باتیں۔

(۲)

رات پڑی جب شبنم ان کی، بھیگ گئی دستار،
ٹوٹ چلی ہے ناؤ اب تو، چھوٹ گئے پتوار،
لوٹ آنا دشوار، گئے جو ''کلاچی[۱]'' کو۔

(۳)

کیسا قہر ''کلاچ'' میں ہے جو، جائے لوٹ نہ آئے،

---

[۱] کراچی کا پرانا نام

کوئی نہ آن بتائے، کہاں پھنسی تھی ناؤ۔

(۴)

بھالے لے کر سنگ گئے تھے، کل تو وہ بلوان،
اب تک لوٹ نہ آئے مانجھی، دھڑکا ہے ہر آن
"گھاتو[۱]" یار مہان، پھنسے ہے بیچ بھنور میں۔

(۵)

اب تو جال ہے اور نہ ناؤ، نہیں کچھ اور آثار،
لوٹ کے پھر نہ آئے مانجھی، گئے تھے جو منجدھار،

(۶)

مچھلی مار کے لے آتے ہیں، آج بھی یار مچھیرے،
دل میں ہوک سی اُٹھتی ہے اب، دیکھ کے ویراں ڈیرے،
بھنور تھا ان کو گھیرے، لوٹ کے پھر نہ آئے۔

(۷)

گئے تھے کل وہ "کلاچی" کو، ساگر کیا عبور،
پل پل ان کی یاد میں میّا! منوا ہے رنجور،
گئے ساگر میں دور، کرکے دُکھیا من کو۔

(۸)

سر پر آگ اُگلتا سورج، کھڑی ہوں گھاٹ کنارے،

---

[۱] گھائل کرنے والے

کیا جانے کیوں دیر لگائی، کہاں گئے وہ پیارے،
مانجھی میرے سہارے، ناؤ نہ واپس لائے۔

(۹)

جس سے پریتم روٹھے اس سے، روٹھے ہے جگ سارا،
سارے ہی اس دوار پہ جائیں، جس کے سنگ ہو پیارا

(۱۰)

جہاں تھے گھاتوؤں کے ڈیرے، وہاں ہے اُڑتی دھول،
اب تو نہ وہ گھاتو ہیں اور، نہ ہی ہے اب محصول۔

(۱۱)

اب نہ ڈھیر ہیں "ڈنبروں[1]" کے اور، نہ ہی وہ بوباس،
مچھلی کے تھے ڈھیر لگے اور، گھاتو تھے خوش باش،
دیکھ کے گھاٹ اداس، سب جاتے ہیں لوٹ۔

(۱۲)

قرض پہ آج یہ لی ہے مچھلی، گھاتو لوٹ کے آئیں،
قرض پہ مچھلی دینے والے، مجھے نہ آن ستائیں،
دور دیس جب جائیں، قدر ہو تب ان پیاروں کی۔

(۱۳)

مچھلی مار کے لے آتے ہیں، اب کے گئے ہیں دور،

---

[1] مچھلی کی قسم

"ساٹی[1]" دیکھ کے ویراں گھاٹ کو، ہوتے ہیں رنجور،

(۱۴)

سکھی ری! تیرے ساجن جیسی، اُن کی سندر چال،
ایسا شوق تھا کلاچی کا، رہتے تھے بے حال۔

(۱۵)

گئے ساگر میں دور، کھیتے کھیتے ناؤ،
کیسے ہیں مسرور، نہنگ کو مار کے گھاتو۔

(۱۶)

جاتے ہو ساگر کو اب تو، رنگ لو اپنے جال،
کوئی نہیں کسی کا واں پر، کوئی نہ پوچھے حال۔

(۱۷)

نہنگ کو اپنے دام میں لانا، گھاتو! ہے دشوار،
کس کر جال کے رسّے مانجھی!، پھر ساگر میں ڈار،
آگے ہے اندھکار، یہ تو گھاٹ کنارا ہے۔

وائی

لوٹ کے گھر نہ آئے، دور گئے منجدھار میں گھاتو،
نہنگ کو ایسے مارو یارو!، اور کو پھر نہ ستائے،

---

[1] مچھلی بیچنے والے

جال کہاں کس جا ہے کشتی، کوئی تو کھوج لگائے،
کہے لطیف سنورے مانجھی!، ہر اک پار ہی جائے۔

سورٹھ رائے ڈیاچ

گرنار پر ایک بادشاہ حکومت کرتا تھا۔ اس کا نام رائے کھنگھار تھا۔ وہ اتنا سخی تھا کہ لوگ اسے رائے کھنگھار کی بجائے رائے ڈیاچ یعنی ''دینے والا رائے'' کہتے تھے۔

رائے ڈیاچ کی ایک بہن تھی جس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اسے اولاد کی بڑی تمنا تھی۔ اس نے فقیروں سے دعائیں کروائیں، نجومیوں سے قسمت کا حال پوچھا لیکن کوئی اولاد نہ ہوئی۔ ایک دن گرنار میں ایک نجومی آیا رائے کی بہن کو پتہ چلا تو اس نے نجومی کو محل میں بلوایا اور اس سے قسمت کا حال پوچھا۔ نجومی نے حساب لگا کر بتایا کہ تم ایک بیٹے کی ماں بنو گی لیکن تمہارا بیٹا بڑا ہو کر رائے ڈیاچ کو قتل کر دے گا۔ نجومی کی بات سن کر رائے کی بہن نے کہا۔ مجھے ایسا بیٹا نہیں چاہیے جو بڑا ہو کہ میرے بھائی کو قتل کرے، ایسے بیٹے سے تو میں بے اولاد کی ہی اچھی۔ کچھ عرصے کے بعد اس کے ہاں ایک لڑکا ہوا تو اسے نجومی کی بات یاد آ گئی، اس نے اسی وقت ایک صندوق بنوایا، بچے کو صندوق میں رکھا، ساتھ قیمتی ہیرے بھی رکھے اور صندوق کو دریا میں ڈال دیا۔

صندوق دریا میں ڈولتا اجمیر پہنچا۔ اجمیر میں ایک چرواہا دریا کے کنارے بکریاں چرا رہا تھا اس کی نظر صندوق پر پڑی تو وہ سمجھا کہ شاید صندوق میں خزانہ ہے۔ اس نے دریا سے صندوق نکالا اور لوگوں کی نظروں سے چھپا کر گھر لے آیا، اس نے صندوق کھولا تو وہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ صندوق میں ایک خوب صورت بچہ میٹھی نیند سو رہا تھا اور اس کے پاس ہی قیمتی ہیرے رکھے تھے، بچے کو دیکھ کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا خدا نے اسے ایک خوب صورت بچہ عطا کیا تھا، وہ اور اس کی

بیوی اپنے سگے بچے کی طرح اس کی پرورش کرنے لگے اور اس کا نام بیجل رکھا۔

اجمیر کے حاکم کا نام انیرائے تھا۔ وہ بڑا ظالم بادشاہ تھا، وہ جس کسی راجا کا نام سنتا اس پر حملہ کر کے اسے اپنا مطیع بنالیتا تھا۔ اجمیر میں جو بھی مسافر آتا انیرائے اسے بلا کر پوچھتا، بتاؤ اس دنیا میں کوئی ہمارے جیسا طاقتور بادشاہ ہے؟ مسافر بے چارے خوف کے مارے کہتے نہیں حضور ہم نے آپ جیسا طاقتور بادشاہ کہیں نہیں دیکھا۔ ایک دن انیرائے نے ایک جوگی سے یہی سوال کیا۔ جوگی نے جواب دیا کہ ہاں آپ سے بھی زیادہ طاقتور بادشاہ دیکھا ہے۔ اور وہ گرنار کا بادشاہ رائے ڈیاچ ہے، انیرائے نے رائے ڈیاچ کا نام سنتے ہی حکم دیا کہ رائے ڈیاچ پر حملہ کیا جائے، وزیروں اور مشیروں نے اسے سمجھایا کہ رائے ڈیاچ ایک طاقتور بادشاہ ہے اس سے جنگ کرنا اتنا آسان نہیں اس کا قلعہ پانچ کوس اونچے پہاڑ پر بنا ہوا ہے، بادل اس کے قلعے کو چھو کر گزرتے ہیں، قلعے کے چار سو برج ہیں ہر برج پر حفاظتی دستہ متعین ہے، پہاڑ کی ڈھلانیں ایسی ہیں کہ ان پر چڑھا نہیں جاسکتا اور ڈیاچ کے پاس فوج بھی زیادہ ہے، انیرائے نے وزیروں کا مشورہ مان لیا اور ڈیاچ پر حملہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

انیرائے کی چھ بیٹیاں تھیں، جب ساتویں بیٹی پیدا ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ بچی کو دریا میں پھینک دیا جائے، اسی وقت ایک صندوق بنوایا گیا اور بچی کو صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا گیا، صندوق تیرتا ہوا گرنار پہنچا، گرنار میں رتنا نام کا کمہار رہتا تھا رتنا کو وہ صندوق ملا، اس نے صندوق کھول کر بچی کو نکالا اس کی بھی کوئی اولاد نہ تھی وہ بچی کو اپنی بیٹی کی طرح پالنے لگا اس نے بچی کا نام سورٹھ رکھا۔

بیجل جوان ہوا تو بکریاں چرانے لگا ایک دن وہ جنگل میں بکریاں چرا رہا تھا کہ اسے بڑی دلفریب موسیقی سنائی دی، وہ اس طرف گیا جہاں سے موسیقی سنائی دے رہی تھی اور دیکھا کہ درخت پر ہرن کی انتڑیاں لٹک رہی تھیں، ہوا کے جھونکے سے درخت کی ٹہنیاں ہلتیں تو انتڑیاں آپس میں گھستیں اور ان میں سے عجیب اور دلفریب موسیقی اُبھرتی، اس موسیقی میں ایسا جادو تھا کہ جنگل کے چرند پرند یہاں تک کہ وحشی جانور بھی گردن جھکا کر موسیقی سن رہے تھے۔ بیجل بھی خاموشی سے موسیقی سنتا رہا۔ تھوڑی دیر کے بعد موسیقی بند ہو گئی اور سب جانور

چلے گئے۔ بیجل نے درخت سے انتڑیاں اتاریں اور انہیں کاٹ کر ایک ساز بنایا جس کا نام اس نے کھماچ، کیزو اور سرندہ رکھا وہ بستی میں ساز بجاتا تو لوگ کام کاج چھوڑ کر اس کے گرد جمع ہو جاتے اور جب جنگل میں بجاتا تو جنگلی جانور اس کے پاس آکر بیٹھ جاتے اور گردن جھکا کر اس کا ساز سنتے۔

سورٹھ جوان ہوئی تو رتنا کمہار کو اس کی شادی کی فکر ہوئی سورٹھ بادشاہ کی بیٹی تھی، معمولی کپڑوں میں بھی وہ شہزادی لگتی تھی، رتنا چاہتا تھا کہ ایسی خوب صورت لڑکی کی شادی کسی بادشاہ سے ہو جائے اس نے کسی طرح انیرائے سے سورٹھ کی شادی کی بات چھیڑی اور انیرائے راضی ہو گیا۔ شادی کی تیاریاں شروع ہوئیں اور جب برات روانہ ہونے لگی تو وزیروں نے انیرائے کو مشورہ دیا کہ رتنا گرنار میں رہتا ہے گرنار کے حاکم رائے ڈیاچ سے آپ کی دشمنی ہے، اس لیے آپ کا وہاں جانا مناسب نہیں، آپ اپنی کوئی چیز بھیج دیں، اس سے آپ کی شادی کرائی جائے، انیرائے نے وزیروں کی بات مان لی، رتنا کو اپنا تیر دیا کہ سورٹھ کی اس تیر کے ساتھ شادی کر دی جائے، برات گرنار کو روانہ ہوئی اور بڑی دھوم دھام سے سورٹھ کی شادی ہوئی، رائے ڈیاچ کو جب پتہ چلا کہ اس کی سلطنت کی ایک خوبصورت لڑکی اس کے دشمن راجا انیرائے سے بیاہی جا رہی ہے تو اس نے انیرائے کے باراتیوں کو واپس کر دیا اور سورٹھ سے شادی کر لی جب انیرائے کو پتہ چلا کہ رائے ڈیاچ نے اس کی بیوی سے شادی کر لی ہے تو اس نے ڈیاچ پر حملہ کر دیا، لیکن انیرائے کو شکست ہوئی، انیرائے نے اپنی ذلت کا بدلہ چکانے کے لیے اعلان کروایا کہ جو بھی رائے ڈیاچ کو مار کر اس کا سر لے آئے گا اسے انعام دیا جائے گا۔ ایک دن بیجل کی بیوی نے یہ اعلان سن لیا۔ اس نے سن رکھا تھا کہ رائے ڈیاچ راگ کا رسیا ہے اور موسیقاروں کو بڑی بڑی بخششیں دیتا ہے بیجل نے ایسا ساز ایجاد کیا تھا جسے سن کر انسان تو انسان وحشی درندے بھی اس کے قدموں میں سر رکھ دیتے تھے اسے یقین ہو گیا کہ اس کا خاوند اپنے ساز سے رائے ڈیاچ کا سر کاٹ کر لے آئے گا۔ اس نے سپاہیوں سے ہیروں کا طشت لیا اور وعدہ کیا کہ اس کا شوہر بیجل رائے ڈیاچ کا سر کاٹ کر لے آئے گا۔ شام ہوئی بیجل بکریاں چرا کر واپس آیا تو بیوی نے اسے بتایا کہ میں نے انیرائے کے ڈھنڈورچیوں سے وعدہ کر لیا ہے کہ میرا شوہر رائے ڈیاچ کا سر کاٹ کر

لے آئے گا بیجل بہت پریشان ہوا۔ وہ رائے ڈیاچ جیسے سخی کا سر نہیں کاٹنا چاہتا تھا لیکن انیرائے ظالم بادشاہ تھا اور سب جانتے تھے کہ اگر بیجل کی بیوی نے وعدہ پورا نہ کیا تو انیرائے اسے اور بیجل کو زندہ جلا دے گا آخر بیجل نے اللہ کا نام لیا اپنے ساز کو سجایا سنوارا اور گرنار کی طرف چل پڑا۔ پو پھوٹنے لگی تو بیجل نے اللہ کو یاد کیا اور ساز بجانا شروع کیا سارا شہر سروں کی آنچ میں سلگنے لگا رائے ڈیاچ اپنے محل میں تھا کہ اس نے بیجل کے ساز کی موسیقی سنی اس نے بڑے بڑے موسیقاروں کو سنا تھا لیکن اس ساز میں ایسا جادو تھا جس نے اسے بے چین کر دیا اس نے شاہانہ ڈولی بھیجی اور بیجل کو اپنے محل میں بلوایا رائے ڈیاچ نے اسے بڑی عزت دی اور ساز بجانے کو کہا بیجل نے ساز بجایا ساز سنتے ہی رائے ڈیاچ بے چین ہو گیا اسے بڑے انعامات دیئے لیکن بیجل نے کوئی انعام قبول نہ کیا ہر روز رات کو رائے ڈیاچ بیجل کو اپنے دیوان خاص میں بلاتا اور اس کا ساز سنتا بیجل ساز بجاتا ساز سن کر ڈیاچ پر بے چینی طاری ہو جاتی وہ اسے بڑے بڑے انعامات دیتا لیکن بیجل وہ سارے انعامات واپس کر دیتا آخر ایک رات بیجل نے موقعہ دیکھ کے ڈیاچ سے اس کے سر کا دان مانگ لیا اور رائے ڈیاچ سر کا دان دینے کے لیے تیار ہو گیا اور ایک رات بیجل کا سرندہ سنتے سنتے اس نے اپنا سر کاٹ لیا بیجل نے ڈیاچ کا کٹا ہوا سر اٹھایا اور سارے شہر کو روتا چھوڑ کر انیرائے کی طرف چلا اور ڈیاچ کا سر انیرائے کے قدموں میں رکھا انیرائے نے ڈیاچ کا کٹا ہوا سر دیکھا تو وہ بہت خوش ہوا لیکن اس نے بیجل کو جلاوطن کر دیا کہ جس نے ڈیاچ جیسے سخی بادشاہ کا سر کاٹ لیا تھا اس شخص سے کسی اچھائی کی امید نہیں کی جا سکتی تھی بیجل سمجھتا تھا کہ ڈیاچ کا کٹا ہوا سر دیکھ کر انیرائے بہت خوش ہو گا لیکن انیرائے نے تو اسے جلاوطن کر دیا اب وہ کہاں جائے وہ سیدھا اپنی بیوی کے پاس آیا اور کہا کہ یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہوا میں نے سورٹھ رانی کا سہاگ لوٹا اور رائے ڈیاچ جیسے سخی بادشاہ کا سر کاٹ لیا اب مجھے جینے کا کوئی حق نہیں بیوی کو وہیں چھوڑ کر وہ گرنار کی طرف چلا بیوی بھی اس کے پیچھے پیچھے چلی رائے ڈیاچ کی موت سے سارا شہر ماتم کدہ بن گیا تھا سورٹھ نے صندل کی لکڑیوں کی چتا تیار کرائی اور ڈیاچ کے لیے روتی ہوئی چتا میں کود گئی بیجل گرنار پہنچا تو سورٹھ چتا میں جل رہی تھی بیجل بھی اس چتا میں کود پڑا بیجل کی بیوی نے دیکھا تو اس نے بھی چتا میں چھلانگ لگا دی اور تینوں جل کر راکھ ہو گئے۔

سُر سورٹھ

سُر سورٹھ

پہلی داستان

(۱)

کرکے آس وہ رب کی، چلا وہاں سے آج،
خوب سجایا گائک نے، اپنا ساز "کھماچ"،
دور سے ڈولی آتی دیکھی، دیکھا "رائے ڈیاچ"
دل ہی دل میں دعائیں مانگی، "تو ہی رکھیو لاج"،
میرے مولا! آج، راجا ریجھے راگ پر۔

(۲)

دور دیس سے چل کر گائک، آیا آج یہاں،
منگتا جہاں تہاں، سر کی بھیک ہی مانگے۔

(۳)

دور دیس سے چل کر گائک، آج یہاں پر آیا،

خواہش مال و زر کی نہیں ہے، مانگے ہے سر منگتا،
صبر نہیں پل بھر کا، کاٹ لے سر اب منگتے!

(۴)

دور دیس سے چل کر میں ہوں، تیرے در پر آیا،
اونچا ہے تو عرش پہ سائیں!، میں دھرتی کا ذرہ،
مانگے ہے سر منگتا، کیسے تجھے رجھاؤں راجا!

(۵)

دور دیس سے چل کر راجا، پہنچا ہوں میں آج،
صبح تلک گر دیر لگے تو، کر اب پورا کاج،
میری بات لگا لے دل سے، سورٹھ کے سرتاج!
اس کو خوش کر آج، جو دشمن دیس سے آیا ہے۔

(۶)

دور دیس سے آیا ہوں میں، سن کر تیری شان،
مانگوں میں کس منہ سے راجا، ٹھہرا جو نادان،
ایسا دے اب دان، کہ ترک ہو طمع تمام۔

(۷)

سرما میں تو رہوں نہ سالم، گرمی کرے گداز،
مجھے امان میں اپنی رکھیو، سائل! چھیڑ کے ساز،
تجھ سے کہوں وہ راز، خالص ہے جو خلیل کا۔

(۸)

تیرے در پر آیا ہوں میں، من میں ہے اک آس،
جلتی آگ سے مجھے بچالے، کر نہ مجھے نراس،
آئے چمن وہ راس، جہاں پر خلد عدن ہے۔

(۹)

تیرے در پر آیا ہوں میں، دیکھ تُو میرا حال،
سن لے عرض علیل کی راجا، سن لے میرا سوال،
تیرے آنگن بول رہا ہے، راجا! ایک قوال،
مہر کا دے تو مال، امن کی دولت دے دے۔

(۱۰)

چھوڑ کے دوجے دروازے میں، تیرے در پر آیا،
ہر پل سائل صدا لگائے، راجا سن لے! صدا،
مانگے سر یہ منگتا، دوجا دان نہ مانگے۔

(۱۱)

چھوڑ کے دوجے دروازے میں، آیا تیرے دوار،
سن لے صدا سُروں کی اب تو، دل سے اے کرتار!
کہتے ہیں جو تار، تجھے تو وہ معلوم ہے سائیں!

(۱۲)

چھوڑ کے دوجے دروازے اب، چوما تیرا در،

میرا بھی کچھ کرلے اب تو، سوہنے سورٹھ بر!
خالی دامن بھر، پھیلائے جو بھکاری،

وائی

راجا رائے ڈیاچ، سُر پر سَر کو وار دیا،
کیا کیا سندر رانی چھوڑی، چھوڑ دیا سب راج،
سَر کا دان دیا داتا نے، کیسا اُتم کاج،
مانگا سر منگتے نے اپنا، چھیڑ کے ساز کھماچ،
سکھیو! شاہ لطیف کہے کہ، راجا پورن آج۔

دوسری داستان

(۱)

جُھونا گڑھ کے شہر میں پھر اک، آیا موسیقار،
آن کے اس گائیک نے سائیں، ایسے چھیڑے تار،
سُر کی آنچ سے سُلگ اُٹھا پھر، سب کا سب گرنار،
تڑپ اُٹھے سب شہر کے باسی، تار کی سن جھنکار،
کہیں یوں سُر اور تار، کہ قاتل ہے یہ منگتا۔

(۲)

پاس قلعے کے بیٹھ کے اس نے، گایا ساری رات،

موتی برسے جیسے برکھا، پر نہ بڑھایا ہاتھ،
میراثی تھی ذات، جبھی تو مان ملا تھا۔

(۳)

سوچ کے پھر اس سائل نے، عجز سے چھیڑے تار،
راجا رنگ محل میں اپنے، سُروں سے تھا سرشار،
مہر سے پھر تو رنگ محل میں، بلوایا گن کار،
راجا، موسیقار، دونوں مل کر ایک ہوئے۔

(۴)

''بیجل'' نے پھر چھیڑی، عجب سروں کی یوں گت،
جاگی ''ڈیاچ'' کے من میں، سر سنگیت کی چاہت،
بھید بتایا ''بیجل'' نے، دیکھ کے اچھی ساعت،
''احمد ہوں میں میم بنا''، ہر سُر کی تھی صورت،
اب تو تھی وحدت، کچھ ہی جان سکے تھے۔

(۵)

چند ہی ایسے لوگ تھے جن کو، بات سمجھ میں آئی،
وہ ہی بھید یہ جان سکے تھے، جن میں تھی بینائی،
الانسان سرّی و انا سرّہ، بات تھی یوں فرمائی،
اب تو ہے یکتائی، راجا راگی ایک ہوئے۔

(۶)

راجا رنگ محل کا باسی، خاک نشیں ہے راگی،
تڑپ اُٹھا ہے محل میں راجہ، چھیڑی تان کچھ ایسی،
جہاں تلک نہ پہنچا کوئی، پہنچ وہاں ہے اس کی،
"اعلیٰ نسل کے گھوڑے دو اور، بھر دو جھولی خالی"،
سر کا ہے یہ سوالی، اور نہ مانگے منگتا۔

(۷)

راجا جب راضی ہوا، خوب دیا تب دان،
واپس دے کر گائیک نے، اور لگائی تان،
دولت کی کچھ کمی نہیں ہے، سن لے اے سلطان،
کارن رب رحمان، کاٹ کے سر دے اپنا۔

(۸)

سر کا کر کے دھیان، چلا یہاں سے گائیک،
دھن دولت اور ہیرے موتی، لٹاتا ہے وہ مالک،
تو ہی ہے وہ لائق، جس نے "نہ" کہنا نہ سیکھا۔

(۹)

میں نے دامن پھیلا کر، دان کبھی نہ مانگا،
اصطبل میں بندھے ہیں گھوڑے، جن کی نسل ہے اعلیٰ،
نہیں کسی انعام کی خاطر، میں نے ساز ہے چھیڑا،

مانگوں سر یہ تیرا، سر کا ہوں میں سوالی۔

(۱۰)

تُو ہے گر میراثی منگتے، وہ ہی میری میراث،
آن کے میرے پاس، کہہ تو ارث اسی سے۔

(۱۱)

''بیجل'' آج بتا دے، مجھ کو تو یہ بات!
آیا تو گرنار میں، سُروں کی کی برسات،
اب چاہیے سوغات، یا دور سفر ہے تیرا۔

(۱۲)

دور سفر نہ میرا اور نہ، لوں گا میں سوغات،
آیا ہوں گرنار میں میرے، من میں ہے اک بات،
من کا بھید سمجھ لے راجا، جاؤں نہ خالی ہاتھ،
دیکھ میرے حالات، دور دیس سے آیا ہوں۔

(۱۳)

نہ تو دان سے راضی ہے یہ، نہ ہی مانگے مال،
دان نہ مانگے منگتا اور وہ، کہے نہ دل کا حال،
ہر پل یہی خیال، کہ قرب ملے داتا کا۔

(۱۴)

اور کرے نہ بات؛ سر مانگے ہر پل،

مفلس ہوں یا راجا، سب کی موت اٹل،
سب کے سیس نوائے، سب کا انت اجل،
آج سویر یا کل، دھرے گا سب کو دھول میں۔

(۱۵)

پھر نہ آئے در پر، لوٹ کے مانگن ہار،
آٹھوں پہر اجل کی، کرے ہے تو گفتار،
خاک میں تو نے یار!، کیا کیا تاج گرائے۔

وائی

تیرے سُر اور تار، میرے من کو موہ گئے ہیں،
آئے تھے گرنار میں تم، چھیڑ کے اپنے تار،
گر تو سر کا دان نہ مانگے، میرے "چارن[۱]" یار،
تیری جھولی میں بھر دوں میں، ہیرے لاکھ ہزار،
سکھیو! شاہ لطیف کہے کہ، سُر میں دیکھوں یار۔

تیسری داستان

(۱)

بھیگی رات تو بیجل نے تب، ایسی چھیڑی تان،

---

[۱] چرواہا موسیقار۔

سن کر جس کو محل میں اپنے، خوش ہوا سلطان،
"آجا اب تو پاس میرے تو، گائیک اے گنوان"،
کہے لطیف کہ لاکھوں سر بھی، تجھ پہ ہیں قربان،
سَر تو ہے مہمان، آ تو تجھ کو کاٹ کے دوں۔

(۲)

چل تو اب محل میں گائیک، ڈولی ہے تیار،
راجا رنگ محل میں تجھ کو، بلوائے ہے یار!
کرے گا وہ اقرار، تجھ سے سر دینے کا۔

(۳)

محل میں آیا گائیک، لے کر اپنا ساز،
سُر میں ہوں گی صدائیں سَر بھی، باجیں گے پھر تار،
سَر بن اب سلطان کے وہ تو، مانگے گا نہ یار،
روئے گا گرنار، محل میں ہوگا ماتم۔

(۴)

لے کر اپنا ساز سرندہ، آجا گائیک یار،
ایسا اس نے ساز بجایا، ٹوٹی ہر دیوار،
شہر میں ہر سو گائیک کی، مچی ہے ہاہا کار،
محل میں آکر راجا سے سَر، مانگا آخر کار،
روئے گا گرنار، گرے گا محل یہ سارا۔

(۵)

راگی راجا بیچ رہا نہ، کوئی اور وسیلہ،
بات جو تھی سائل کے من میں، سُر کی وہی صدا،
پہلی بات وہ ہر جا، جو تھی گائیک کے من میں۔

(۶)

تجھ کو کہوں جُہار[1]، دن میں دس دس بار،
جس سر کا ہے مول نہ کوئی، وہ سر مانگے یار،
سر واروں سو بار، کام تیرے گر آئے۔

(۷)

ڈالی چاروں اور، میں نے ایک نظر،
دھیان میں رکھ کر دیکھے، راجاؤں کے در،
سُر پر دے جو سَر، تجھ بن اور نہ کوئی۔

(۸)

سَر بن گر تم مانگتے، ایسا کوئی دان،
اور نہ ہوتا پاس میرے، دینے کا سامان،
کرتے تم بدنام، دیس دیس میں گائیک۔

(۹)

تجھ پر سَر قربان، یہ سَر تیرے صدقے،

---

[1] سلام

کاش وہ دیتا دان، جو ہوتا تیرے لائق۔

(۱۰)

تجھ پر سر قربان، یہ سر تیرے صدقے،
سر میں کیا رکھا ہے گائیک!، لے اب سر کا دان،
دیر نہ کر نادان!، کر لے وعدہ پورا۔

(۱۱)

تیرے ساز اور سُر کے، کہاں برابر سَر،
سَر میں کیا رکھا ہے، مانگ تو مال و زر،
سَر تو ہے کمتر، لاج آئے سَر دیتے۔

(۱۲)

ڈالوں جب پلڑے میں، سَر میں کئی ہزار،
وہ ہی پلڑا بھاری جس میں، تیرے ساز کے تار،
سَر میں کیا ہے یار!، مانگ کچھ اور اے منگتے!

(۱۳)

گائیک! گر کندھوں پہ میرے، سر ہوں کئی ہزار،
تیرے سُر کی خاطر کاٹوں، ہر اک سر سو بار،
تیرے سُر اور تار، پھر بھی اُتم گائیک!۔

(۱۵)

جگ میں کوئی بھی دے نہ پایا، ایسا دے تو دان،

ہو گا تیرا مان، گائیک گنوانوں میں۔

(۱۶)

سر دینے میں سکھ ہے سائیں!، دان ہے مشکل کام،
ایسا دے تو دان، جس کا رشتہ تار سے۔

(۱۷)

ایسا دے تو دان اے راجا، جس کا تار سے رشتہ،
ابھی ابھی میں آیا ہوں، تو مجھ کو نہ لوٹا۔

(۱۸)

بھرا تھا خالی دامن، مکھ پر تھی مسکان،
گائیک سر اب حاضر ہے، پھر لینا تم دان،
جب فانی جسم و جان، سر دینے میں ہی بقا ہے۔

(۱۹)

ساز کو رکھ کندھوں پر، گیا وہ راگی رات،
کہے لطیف کہ کہے وہ ہر جا، اب تو ایک ہی بات،
داتا نے دی دات، کیسی مجھ منگتے کو!

(۲۰)

ساز کو رکھ کر کاندھوں پر وہ، محل میں آیا راگی،
کہے لطیف کہ گائیک نے پھر، سُر کی صدا لگائی،
سر دینے کا وچن دیا اور، بات اسے بتلائی،

اس کی ماں مسکائی، کہ بیٹے نے سر وار دیا ہے۔

وائی

تجھ کو دوں گا دان اے یار!، اپنے سر کا منگتے!،
جھونا گڑھ کی جانب جائیں، ہم تو بن کر یار،
سَر نہ دوں تو سارے جگ میں، گائیک کرے گا خوار،
چارن! میرے پاس جو سر ہوں، ایسے کئی ہزار،
کاٹ لوں تیرے سُر کی خاطر، ہر اک سَر ہر بار،
لاج مروں میں دان میں دیتے، سر اپنا بے کار،
سکھیو! شاہ لطیف کہے ہے، راز بتائے تار۔

چوتھی داستان

(۱)

بھید بنا یوں رنگ محل میں، آتے ہیں کب راگی،
نور تجلی نور کی، آنکھوں نے جب دیکھی،
خیمے میں کھنگھار[۱] کے، پھیلی نور تجلی،
راگی پہ جب دان کی بارش، چاروں اور سے برسی،
سب نے بات یہ سمجھی، مان گئے راگی کو۔

---

[۱] راجا

(۲)

اچھا ہی ہے آئے منگتے!، سمجھ گئے ہم راز،
ہم نے تو وہ بات سمجھ لی، کہے جو تیرا ساز،
دان جو دوں میں یار!، کر لے اسے قبول۔

(۳)

دل کو کاٹ کے رکھ دیتے ہیں، تیرے ساز کے تار،
حیرت ہے کہ اثر نہیں ہے، تیرے دل پر یار،
رات دیا تھا مار، مجھ کو تیرے ساز نے۔

(۴)

ساز کی یہ آواز نہیں ہے، گونج رہا ہے راز،
کیا جانیں یہ دنیا والے، اس کو سمجھیں ساز،
جھپٹ کے جوں شہباز، پا لے جو ہے پانا۔

(۵)

ہم نے کیا قبول، کہیں جو سُر اور تان،
سر تو وار دیا ہے گائیک، مانگ کچھ اور اب دان،
خاک ہے جسم و جان، سر کاٹا تو کچھ نہیں۔

(۶)

مانگ لے اور بھی منگتے، وار دیا ہے سر،
کہاں برابر سر کے، سورٹھ اور یہ گھر،

جو بھی بات چھپی ہے من میں، بات وہ مجھ سے کر،
کاٹ کے دوں یہ سر، یا جسم بھی دوں یہ دان میں۔

(۷)

"بیجل" نے پھر ساز بجا کر، چھیڑی ایسی تان،
سر دینا آسان، وہ کچھ اور ہی مانگے۔

(۸)

ساز میں راز چھُپا ہے، بن تو راز کا راز،
موت کی اب آواز، گونج رہی ہے ساز میں۔

(۹)

کاٹ کے سر خوش ہولے، پھر آ اور نہ گا،
یہ سر چیز ہے کیا، سب کچھ ہے قربان۔

(۱۰)

تینوں مل کر ایک ہوئے، سر، کٹاری، تار،
سر کا ایسا مول نہیں کہ، کاٹے مانگن ہار،
اچھا ہے کہ یار!، مانگا ہے سر مجھ سے۔

(۱۱)

سکا ایک ایک سُر، ساز بجا لاہوتی،
چھیڑا ساز حضور میں، پارس تھا وہ راگی،
دیکھ کے "رائے ڈیاچ" کو، ظاہر ہوا وہ ذاتی،

اور نکال کے "کاتی[1]"، کاٹ لیا سر "ڈیاچ" کا۔

(۱۲)

گل گرنار کا مرجھایا ہے، روئیں خاص و عام،
روئیں سورٹھ، رانیاں، روئے شہر تمام،
سر سجائیں، دیں راگی کو، لے اب سر کو تھام،
محل میں ہے کہرام، راجا لاو گیا جب رات۔

(۱۳)

کوڑی مول نہیں ہے جس کا، ایسا دان دیا،
گائیک پچھتایا، لے کے سر کا دان۔

(۱۴)

اصلی دان دیا نہ اس نے، مجھ کو ترسایا،
واپس سر لایا، آن رکھا قدموں پر۔

(۱۵)

سکھ سورٹھ کی موت ہوئی، لاد چلا کھنگھار،
جب نہ راگ نہ روپ تھا، نہ ہی سُر نہ تار،
لاکر سَر تب یار!، دیا تھا "رائے ڈیاچ" کو۔

(۱۶)

سکھ سورٹھ کی موت ہوئی، لاد چلا کھنگھار،

---

[1] چھری۔

وہ ہی روپ تھا راگ وہی، باج اُٹھے تھے تار،
دھرتی کے اس پار، راضی تھا تب راجا۔

وائی

الوداع اے الوداع، جانی ہوا جدا، سورٹھ کے پیارے،
گا اب راگ طریقت کا، بھول تو سُر سارے،
سورٹھ سکھیاں سسک رہی ہیں، چلا وہ راجا رے،
اپنا سَر میں سجا کے دوں گا، سُر تو مہکا رے،
من تو رشتے ناتے بھولا، لاگیں سُر پیارے،
دیکھ یہ کیسا راگی ہے، سُر سے جو مارے،
سُر میں ملی صدا ساجن کی، جس نے مارا رے۔

سُر کیڈارو

سُر کیڈارو

پہلی داستان

(۱)

آیا ماہ محرم، جاگا شہزادوں کا درد،
واللہ اعلم، جو چاہے سو آپ کرے۔

(۲)

جاگا شہزادوں کا درد، آیا ماہ محرم،
مکہ، شہر مدینہ رویا، ہر رستہ پرنم،
بے پروا احکم، جو ایسے حکم چلائے۔

(۳)

لوٹ کے آیا ماہ محرم، آئے نہ میرے امام،
یثرب کے وہ جام، مولا! اب تو ملا دے۔

④

پھر سے آیا ماہ محرم، آئے نہیں وہ امیر،
اے مولا! تیری دھیر، یثرب کے وہ میر دکھادے۔

⑤

چلے ہیں میر مدینے سے اور، ہوئے ہیں خیمہ زن،
ہر اک کو سندیس دیا اور، لب پر تھا یہ سخن،
پڑے گا اب تو رن، ہوگی جنگ جوانوں کی۔

⑥

چلے ہیں میر مدینے سے اب، دیکھنا ان کے ڈھنگ،
چلے ہیں سرکش گھوڑے اُن کے، انکو لے کر سنگ،
جس جارات بتائی اس کے، بدل گئے سب رنگ،
کٹیں گے اب تو انگ، ہائے رے ان بلوانوں کے۔

⑦

چلے وہ میر مدینے سے تو، لوٹ کے پھر نہ آئے،
رنگ دے اے رنگریز مجھے اب، کالا بھیس سہائے،
خون میں ہیں جو نہائے، میں ان کے ہجر کی ماری ہوں۔

⑧

سختی کب تھی شہادت کی، ملن کی تھی یہ بات،
کچھ بھی یزید نہ کر سکتا تھا، عشق کی تھیں یہ صفات،

عشق کی تھی برسات، جو برسی آلِ علی پر۔

⑨ ⑩

سختی تھی جو شہادت کی وہ، سمجھے میگھ ملہار،
کچھ بھی یزید نہ کرسکتا تھا، عشق کے تھے آثار،
مرنے کا اقرار، کیا تھا روزِ ازل سے۔

⑪

سختی کب تھی شہادت کی یہ، یار کے تھے انداز،
سمجھ لے سارا راز، تو قضیہ کرب و بلا کا۔

وائی

لاد چلے دلدار، یثرب کے وہ امیر،
احمد پی کی اور چلے ہیں، چندا سورج یار!
جگ مگ کرتے تارے ڈوبے، بن ان کے اندھکار،

دوسری داستان

①

ڈوبا چاند تو یثرب سے، چلے وہ جنگ جوان،
باجے طبل اور نیزے چمکے، چمکے تیر کمان،
علی کے پوت مہان، کریں گے قہری جنگ۔

(۲) (۳)

ڈوبا چاند تو دولہا بن کر، باندھی سب نے کمر،
باجے طبل اور ہر سُو چمکے، نیزے، تیر تبر،
علی کے پوت نڈر، کریں گے جنگ جوان۔

(۴)

کرب و بلا کے میداں میں وہ، ہوگئے خیمہ زن،
دیکھ تو کیسے شہزادوں کی، گئی یزید سے ٹھن،
پڑا غضب کا رن، لوٹ کے پیچھے کوئی نہ آیا۔

(۵)

کامل کرب و بلا میں آئے، اہلِ بیت دلارے،
مصری تیغ سے بلوانوں نے، بیری کتنے مارے،
ایسے پوت جیالے، تھے وہ بی بی زہرہ کے۔

(۶)

کامل کرب و بلا میں آئے، سیدزادے شیر،
مصری تیغ سے سروں کے سب نے، لگادیئے پھر ڈھیر،
کانپ اُٹھے تھے دلیر، دیکھ کے میر حسین کا حملہ۔

(۷)

کامل کرب و بلا میں آئے، کیسے جنگ جوان،
کانپ اُٹھا یہ ارض و سما اور، تھرایا یہ جہان،

یہ تھی جنگ مہان، یا عشق کا تھا نظارہ۔

(۸)

کامل کرب و بلا میں آئے، رکھا آن قدم،
اہلِ بیت نے خیموں میں پھر، کی یہ صلاح باہم!
جو ہے شہادت اعظم، کھیل ہے سارا قسمت کا۔

(۹)

کامل کرب و بلا میں آئے، یثرب کے وہ امیر،
آن مقابل دشمن کے پھر، خوب چلائے تیر،
یہ ہی تھی تقدیر، ان کی روزِ ازل سے۔

(۱۰)

جن سے کرے وہ پیار، ان کو قتل کرائے،
اپنے پیاروں کے تن پر وہ، کیا کیا زخم سجائے،
کیسا بے پروا ہے سائیں، کیسے حکم چلائے،
بھید نہ وہ بتلائے، سائیں بے پروا ہے۔

وائی

مچی ہے چیخ و پکار، گئے حسین سدھار،
عرش پہ اک کہرام مچا ہے،
آن ہوئے تھے کرب و بلا میں، خیمہ زن دلدار،

دیکھ تو کیسے پوری کر گئے، رب کی رضا اے یار!
کرب و بلا میں کرنے آئے، اپنی جان نثار،
کیسے کالے بادل چھائے، ہر سُو ہے اندھکار،
دیکھ کے اِن کے دکھڑے روئے، نبی بھی زار و قطار،
فلک، ملائک، دھرتی روئی، عرش بھی رویا یار!

تیسری داستان

(۱)

کل دیکھی تھی کس نے واں پہ، بلوانوں کی جنگ،
خون میں لت پت ہاتھی تھے اور، دھرتی تھی گلرنگ،
عجب ہیں اِن کے ڈھنگ، راہِ عشق میں واریں سر کو۔

(۲)

اس بدلی کی چھاؤں میں اِن کو، لڑتا چھوڑ میں آئی،
ران کے نیچے سرکش گھوڑے، تیغ تھی خوب سجائی،
اِن سے پریت لگائی، جو لوٹ کے آنا طعنہ سمجھیں۔

(۳)

تیغیں چمکانے کو اب تو، آئے ہیں صیقل گر،
اتنی فرصت کس کو ہے کہ، جنگ رُکے پل بھر،
کھڑے ہیں دیکھ دلاور، میداں میں سر دینے کو۔

④

وار کریں، ہر اک کا پوچھیں، اور بندھائیں ہمت،
سر دینے کے کھیل سے ان کو، ذرا نہیں ہے فرصت۔

⑤

کوندیں تیغیں آن ملے جب، سر کے سوداگر،
نعروں سے رن کانپ رہا تھا، برپا تھا محشر،
کٹ کے ناچے سر، پڑا غضب کا رن۔

⑥

دائیں بھی ہیں وہ نعرہ زن اور، بائیں بھی ہیں بلوان،
طبل، نغارے باج رہے ہیں، گونجے سب میدان،
دولہا بنے جوان، خون ہے جیسے رنگِ حنا۔

⑦

دولھوں، گھوڑوں کا اس جگ میں، جینا ہے دن چار،
یا تو قلعہ بند ہیں یا پھر، رن میں جان دیں وار،

⑧

آج سجا کے گھوڑوں کو وہ، چلے ہیں سب اسوار،
اپنی اور بلائے ان کو، شیرِ خدا اے یار!
ٹلنا ہے دشوار، قسمت کے لکھے کا۔

(۹)

میداں سے مجروحوں کو جب، خیموں میں لے آئیں
جن کی مانگیں اُجڑ رہی وہ، رورو ڈھول اڑائیں،
روئیں اور رُلائیں، ہر سو اک کہرام مچا ہے۔

(۱۰)

پہن کے سرخ سہاگ کا جوڑا، بن تو دولہا آج،
جہاں پہ بھالے برس رہے وہاں، بیری کر تاراج،
زخم سجا سرتاج!، موت سے بیاہ رچالے۔

(۱۱)

یوں نہ کہو کہ بھاگ کے آیا، جنگ سے میرا ساجن،
زخم سجے ہوں چہرے پہ اور، ہنس ہنس سینکے برہن،
جھک جائے گی گردن، گر پیٹھ میں ہوں گے زخم اے ساجن!

(۱۲) (۱۳)

لوٹ کے آئے میداں سے تم، مجھ کو آئے لاج،
جن کے پیارے گذر گئے وہ، طعنے دیں گی آج۔

(۱۴)

جن کے سر اُونچے وہ سکھیاں، کہتی ہیں ہر بار،
مر کر ہم کو اُجلا کر گیا، جس سے اپنا پیار۔

(۱۵)

مر جائے تو لوٹ نہ آئے، روؤں میں تیرے کارن،
صدیوں تک کے طعنے ہوں گے، دو دن کا ہے جیون۔

(۱۶)

مر جائے پر میداں سے تو، لوٹ نہ آئے یار،
تیرے بچ آنے کا طعنہ، دے گا سب سنسار۔

وائی

دیکھ علی! تیری آل پہ اب تو، مشکل آن پڑی،
موت بچھوڑا جیون بھر کا، مشکل ہجر گھڑی،
دستر خوان بچھا کر بی بی، تکے ہے راہ کھڑی،
جن کی راہ تکے ہے ان پر، مشکل آن پڑی۔

چوتھی داستان

(۱)

ایسی چلی ہوا اور ایسی، اوس پڑی پر بھات،
حیدر شیر کے بیٹے تھے اور، رن کی کالی رات۔

(۲)

کر نہ جنگ تو آلِ علی سے، سن لے بات یزید،

تیرے آگے دکھ ہیں ان کو، خوشیوں کی ہے نوید۔

(۳)

جس جس نے کی جنگ، آلِ علی سے کل،
آج یزید کے ساتھی، ہاتھ رہے ہیں مل۔

(۴)

اب بھی آلِ علی سے، کرتے ہیں جو جنگ،
وہ ہیں یار یزید کے، رہ نہ ان کے سنگ۔

(۵)

کوفی بھی تھے یزید کے ساتھی، کیسا تھا یہ اندھیر،
دولہا کو میدان میں لاکر، سب نے لیا تھا گھیر،
بیری، دیکھ اندھیر، کہ آپ نے پائی شہادت۔

(۶)

سب نے خط لکھ بھیجے تھے کہ، آیئے اب لِلّٰہ،
ہم نے آپ کی بیعت کرلی، آپ ہمارے شاہ،
کوفے کی لیں راہ، تو تخت و تاج ہو قدموں میں۔

(۷)

قطرۂ آب کو ترسایا تھا، کیسی تھی بیداد،
کرب و بلا میں کرتے تھے وہ، شاہ علی کو یاد،
تو ہی کر امداد، سن یثرب کے مالک۔

(۸)

رات ڈھلی تو کرب و بلا سے، اڑ کر آیا پنچھی،
روضۂ پاک کے پاس وہ بیٹھ کے، بولا تھا یہ بولی،
پہنچو محمدؐ جلدی، پڑا غضب کا رن ہے۔

(۹)

رات ڈھلی تو کرب و بلا سے، پنچھی آیا آنگن،
روضۂ پاک کے پاس وہ بیٹھ کے، بولا جھکا کے گردن،
پڑا غضب کا رن، اب پہنچو محمدؐ عربی۔

(۱۰)

رات ڈھلی تو کرب و بلا سے، پنچھی آیا کل،
خون میں لت پت شہزادے ہیں، انگ ہوئے گھائل،
آگئی ان کو اَجل، جو میر حسین کے ساتھی تھے۔

(۱۱)

آہ و بکا سے کرب و بلا میں، برپا تھا اک محشر،
ان پر تیغ تھی جو تھے سارے، جگ میں سب سے سندر۔

وائی

رن میں بیت چلا تھا دن، رن میں رہے امام،
جا نانا کی اور اے کونج!، کہہ تو میرا سلام۔

مولا! برکھا برسا دے اب، بیری ہیں ہر گام۔

پانچویں داستان

(۱)

حسن حسین کے سنگ نہیں جو، کرتے جان نثار،
دوجا جگ وہ منزل ہے جہاں، جانا آخر کار،
جبھی تو وار پہ وار، کرتا تھا تو یزید!

(۲)

حسن حسین کے سنگ جو ہوتے، چھڑی تھی جب یہ جنگ،
شمعِ رخ پہ یوں جل جاتے، جلتا ہے جوں پتنگ،
پروانوں کے ڈھنگ، کب ہیں اور کسی میں۔

(۳)

جنگ لگے تو جان بچائیں، بڑے بڑے بلوان،
لوٹ کے آنا طعنہ جانیں، کریں وہ جاں قربان۔

(۴)

جس نے پہنی زرہ تو سمجھو، اس کو جان ہے پیاری،
کرے گا کیا وہ سر کا سودا، جس پہ خوف ہو طاری،
اس کی میں بلہاری، جو جیتے ہے جنگ کی خاطر،

(۵)

جیت اگر تو جنگ میں چاہے، سارے وہم بسار،
بھالے مار اور بھڑ جا، لے تو، سینے پہ سب وار،
بیری پہ یلغار، کر تو مان تو پائے۔

(۶)

دیکھو کیسے چل کر آیا، "حُر" مردانہ وار،
تیرا مکھ ہے شمع اور میں ہوں، پروانہ سرکار!
تیرے نانا راضی ہوں بس، یہ ہے مجھے درکار،
کردوں جان نثار، اے دولہا میں تو تجھ پر۔

(۷)

روزِ اول سے ہی پائی تھی، حر نے سیدھی راہ،
کرب و بلا میں چل کر آیا، بیری کے ہمراہ،
کہہ اُٹھا کہ واروں خود کو، دیکھا جب ناگاہ،
لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا، یہ ہے میری چاہ،
عشق کی رسم و راہ، دے کر جان نبھائی اس نے۔

(۸)

رن میں تھا بلوان کھڑا اور یوں، کرتا تھا وار،
خود و زرہ کٹ کٹ کر گرتے، چلتی جب تلوار،
موتی اور جواہر والی، سر پر تھی دستار،

جیسے پھول انار، زخم کھلے تھے تن پر۔

⑨

خون رنگی تھی ریش مبارک، دانت جوں پھول انار،
رن میں ماہ منیر کی صورت، رخشندہ دستار،
تھی خاموش وہ بی بی جن کے، احمد تھے غم خوار،
یوں جو سر دے وار، آ تو اس کی عظمت گائیں۔

⑩

خون رنگی تھی ریش مبارک، دانت جڑے تھے موتی،
دمک رہی تھی پیشانی جوں، چمکے چندا جوتی،
اللہ نور سماوات، دمک رہی تھی دھرتی،
چن لیتی تھی دامن میں ماں، قطرہ خون کے موتی،
سہلاتے تھے زخم علی اور، دھرتی بھی تھی روتی،
ہو گئی پاک یہ دھرتی، دھل کر پاک لہو سے۔

⑪

قدم تھے خون میں دلدل کے اور، کرب و بلا گل رنگ،
سچ کا بول ہوا تھا بالا، کی تھی ایسی جنگ۔

⑫

تلواریں تھے کمر سے باندھے، سر پر تھی دستار،
خوب بڑوں کی ریت نبھائی، ایسی کی یلغار۔

وائی

آئے نہیں وہ امام، جن کی اعلیٰ ذات،
آؤ کریں اب ماتم،
ختم ہوا تھا دانہ پانی، برسی نہ برسات،
دس دن بیت چلے تھے رن میں، بیتی آخری رات،
دلدل کو آراستہ کر کے، تھام لی آپ نے راس،
لاد چلا ہے شہزادہ اب، سیج نہ آئی راس۔

چھٹی داستان

(۱)

سن شہزادے جنگجو، جب تک جسم میں جان ہو،
لڑ جا نیزے سے اور کھیل، تلواروں سے تو،
بہا تو خوب لہو، تو کرگس کھائیں ماس۔

(۲)

کبھی نہ سیج پلنگ سے اُترے، پیر تھے جن کے پاک،
کٹ کر گرے وہ گھوڑوں سے اور، سیج بنی تب خاک،
ہائے بنے خوراک، وہ پربت کے کرگس کے۔

(۳)

پربت پر جوں ریوڑ ایسے، ٹیلوں پر کرگس،

ملے بہادر آپس میں کب، جینے کی تھی ہوس،
نین رہے تھے برس، اِن کی بیواہوں کے۔

④

خوش خوش کرگس منڈلاتے تھے، عجب تھا اِن کا حال،
ان سے ملن کو آئے تھے جو، رنگ حنا سے لال،
آن سنواریں بال، جن کے سر دستار بندھی تھی۔

⑤

اُڑ کر آئیں میداں میں جب، ماس کی آئے باس،
پڑے گا ایسا رن کہ ان کی، پوری ہوگی آس،
جو ہیں بہادر اور دلاور، انہیں کا کھائیں ماس،
بزدل کی گر لاش، سڑ بھی جائے تو پاس نہ پھٹکیں۔

⑥

کرگس ایسے سرکش ہیں کہ، اور نہ کھائیں ماس،
جس کے سر دستار بندھی ہو، اس کی ڈھونڈے لاش۔

⑦

یہ نیناں مت کھاے کرگس، بسا ہے اِن میں پیار،
دیکھ کہ کیسے لیٹا ہے اب، خاک پہ وہ دلدار،
اپنا پوت سجا کے ماں نے، کہا کہ لے ستار!
جڑے ہیں گھاؤ ہزار، اس کے نازک تن پر۔

(۸)

تجھ کو روگ لگے اے کرگس!، جھڑیں یہ بال و پر،
پھولوں کی برکھائیں کرتی، تو شہزادوں پر۔

(۹)

صحراؤں کے سارے کرگس، ماس کو تھے حیران،
خوش تھے جب وہ جوان ہوئے تھے، زور آور بلوان،
کریں گے جنگ جوان، پڑے گا اب تو رن۔

(۱۰)

جنگ بِنا کب شہزادوں کو، آتا ہے آرام،
اس دم سب نے جان فدا کی، آئے تھے جب وہ امام،
یجاهدون فی سبیل الله، اور کریں نہ کام،
حوریں گل اندام، باندھیں سہرے شہزادوں کو۔

(۱۱)

سدا سے ہی شہزور تھے سارے، جنگ کو ہیں تیار،
سنگ تھے بھائی اور بھتیجے، سنگ تھے جانی یار،
دیکھ تو کیسے دشمن سے وہ، جیت گئے سردار،
حوریں ڈالیں ہار، سہرے یار شہیدوں کو۔

(۱۲)

پہنچے جنت میں تو پایا، تھا فردوس مقام،

فنا فی اللہ ہو کر سارے، ایک ہوئے گلفام،
ملا تھا یہ انعام، کہ پایا درشن رب کا۔

(۱۳)

اہلِ بیت کی جنگ کو جب یہ، جان گیا تھا جہان،
جیسے غول ہوں پنچھی کے یوں، اڑ کر آئے بان،
رکھی انہوں نے شان، اپنے آباواجداد کی۔

(۱۴)

اہلِ بیت کی خاطر سائیں، روئے سب کے دل،
سارے ذی روح اور ملک بھی، ہو گئے اس میں شامل،
پر پھیلا کر پنچھی چیخے، لاد چلے جب کامل،
فتح ہو ان کو حاصل، یہ جو شہزادے ہیں۔

(۱۵)

اہلِ بیت کی خاطر سائیں، روئے نہ جس کا دل،
کبھی نہ ہو گئی حاصل، ان کو رب کی خوشنودی۔

وائی

آؤ کریں ماتم اے سائیں! آؤ کریں ماتم،
کیوں نہ خون کے آنسو روئیں، آنکھیں ہوں پر نم،
جو کچھ ان پر بیتی وہ تو، پہلے سے تھی رقم،
قسمت کا ہی کھیل ہے سائیں! دکھڑے، رنج والم۔

سُر سارنگ

سُر سارنگ

پہلی داستان

①

کہے لطیف کہ دیکھ تو بادل، چھائی کالی بدرا،
ریوڑ لاؤ ڈھلوانوں پہ، چھم چھم برسی برکھا،
چھوڑ کے کٹیا میدانوں میں، لاؤ سامان سارا،
والی ہے جو سب کا، آس رکھو اس مولا کی۔

②

کہے لطیف کہ دیکھ گھٹائیں، اللہ لایا بادل،
کیا کیا رنگ زمین نے بدلے، میداں ہیں جل تھل،
مولا کی یہ مہر کی ہر سُو، گھاس اُگی ہے نرمل،
سانگی تھے جو بے کل، ٹوٹ کے اِن پر بادل برسا۔

③

بادل! پی درشن سے سُندر، نہیں یہ تیرے انگ،
کہے لطیف کہ بن پریتم کے، کوئی نہ بھائے رنگ،
سج دھج ہے سارنگ، جانی آیا جگ میں۔

④

جانی آیا جگ میں، من کو ملا قرار،
ڈھل گئے دل کے دکھڑے سائیں!، دیکھا جب دلدار،
آج ہوا دیدار، اپنے سھنل یار کا۔

⑤

پھر اُتر کی اور سکھی ری!، بادل بُرج بنائے،
ساون رت میں لوٹ کے آیا، بادل مینہ برسائے،
دکھیاری ہے دیس کی دھرتی، دکھ سب کامٹ جائے،
ایسا جل برسائے، کہ پیاس بجھے پیاسوں کی۔

⑥

پھر اُتر کی اور سکھی ری!، بُرج بنائے بادل،
برکھا برسی ہے راہوں پر، جگ سارا ہے جل تھل،
آئے کبھی نہ وہ پل، کہ پیا بدیس کو جائیں۔

⑦

پھر اُتر کی اور سکھی ری، ’’تاڑے‘‘ کی چھکار،

ہل اپنا ہاری نے تھاما، خوش ہوئے سنگھار،
اوڑھ کے بدلی یار، آج برسنے آیا۔

(۸)

پھر اُتر کی اور سے آئی، جھوم کے بدلی کالی،
رم جھم رم جھم بوندیں برسیں، کھل کھل جائے ڈالی،
ریوڑ تھے سب بھوکے پیاسے، ہر سُو اب ہریالی،
بھر کر پیٹ اب خالی، ریوڑ آنگن آئے۔

(۹)

پھر اُتر کی اور سکھی ری!، آج بدریا چھائی،
ساون رت کی بجلی دیکھو، چمک کے بدرا لائی،
ملن کی رت ہے آئی، لوٹ کے آجا ساجن۔

(۱۰)

پھر اُتر سے آئے بادل، جیسے کالے کیس،
رُت ساون کی آئی سجنی!، پہن کے بدرا بھیس،
پریتم تھے پردیس، برکھا رت میں آن ملے ہیں۔

(۱۱)

پھر اُتر کی اور سے دیکھ، اللہ بادل لایا،
بارہ برس جو بیت چلے تو، ساون برس آیا،
ایسا مینہ برسایا، کہ سکھ سے سوئے سانگی۔

(۱۲)

پھر سے آس بندھی کہ بادل، دل سے دھوئے نراس،
بادل دیکھ کے من میں جاگی، پیا ملن کی آس،
برس برس کر آج بجھادے، اس دھرتی کی پیاس،
ساجن جب ہو پاس، تو ہر رت میگھ ملہار ہے۔

(۱۳)

پھر اُتر کی اور سکھی ری!، چھائی بدلی کالی،
روضہ پاک رسول پہ دیکھو، گرج گرج کے برسی،
چمک چمک کے بجلی، آئے تو دور ہوں دکھڑے۔

(۱۴)

پھر اُتر کی اور سکھی ری!، جھومے مست سحاب،
لہر لہر تالاب، چھّیج گئی تھی پیاسی دھرتی۔

(۱۵)

پھر اُتر کی اور سے بادل، گرج گرج کر آیا،
بھر دیں ساری تال تلیاں، ایسا مینہ برسایا،
ہر سُو کستوری کی خوشبو، ایسا رنگ جمایا،
جھوم کے مینہ برسایا، روضۂ پاک رسول پر۔

(۱۶)

روضۂ پاک رسول پر، بجلی چمکن لاگی،

بھر گیا سارا سوکھا "نارا"، ایک نظر جو ڈالی،
اب تو سائیں! پیاس بجھادے، یہ دھرتی ہے پیاسی،
پی نے آج دکھا دی، اپنی نرمل صورت۔

(۱۷)

آج دکھائی میرے پی نے، اپنی صورت نرمل،
دل سے اُترا زنگ سکھی ری!، اب میں جھوموں پل پل،
منوا تو تھا بیکل، درشن پیاس بجھی ہے۔

(۱۸)

بادل آئے، بجلی چمکی، سارنگ کرے سنگھار،
پیاس بجھائی لاکھوں کی جب، برسے میگھ ملہار،
کعبہ پہ اے یار!، ٹوٹ کے برکھا برسی۔

(۱۹)

برس برس کر برسے بدرا، رُت آئی ہے برکھا کی،
دودھ تھنوں میں اُترا جو بھی، دودھ نہیں تھی دیتی!
رُت آئی ہے اب ایسی، کہ خوش رہیں گے ریوڑ۔

(۲۰)

بادل! گر تو برسے، جیسے میرے نین،
پھر کب پائے چین، برسے تو دن رات۔

(۲۱)

زلفیں جیسے کالے بادل، اکھیاں میگھ ملہار،
جیسے سندر میگھ ہیں سائیں، ایسا سندر یار،
آنکھ اُٹھا دلدار، مُسکا تو دکھ دور ہوں۔

(۲۲)

ساون ہو یا اور کوئی رُت، پل پل برسیں نین،
یاد کروں پریتم کو اپنے، اور نہ پاؤں چین،
روتے ہیں دن رین، جن سے بچھڑے ساجن۔

(۲۳)

بجلی چمکی غلے کے ہیں، آنگن میں اب ڈھیر،
دیکھ روش اس پریتم کی اب، من میں باجے چھیر[1]،
برسے سانجھ سویر، برکھا برہ کے ماروں پر۔

(۲۴)

برکھا ہجر کے ماروں پر، ٹوٹ کے برسی آج،
بھاگ ذخیرہ کرنے والے، آنگن بھرے اناج۔

(۲۵)

آنگن گھوڑے، باہر ریوڑ، جھلمل جھمکے کٹیا،
پریتم سنگ میں سیج پہ سوؤں، چھم چھم برسے برکھا،
سنگ میرے ہو پیارا، پیار بھری ہوں راتیں!

---

[1] پائل

(۲۶)

میداں صحرا جل تھل جل تھل، جل تھل آج ترائی،
صبح ہوئی تو دہی بلونے کی، آواز ہے آئی،
ہاتھ بھرے ہیں ماکھن سے یہ، برکھا کی بجنائی،
ہنستی گاتی بجنی بجنی، دودھ بھی دوہ کے آئی،
ہر ناری مُسکائی، کھِل کھِل جائیں آنگن۔

(۲۷)

میداں، صحرا بھیگ چلے ہیں، بھیگا جیسلمیر،
آج سکھی! بادل نے تھر میں، آن رکھا ہے پیر،
مسکائی وہ برہن جس سے، خوشیوں کو تھا بیر،
"تھر" کی کرے ہے سیر، سکھ سے ہیں سنگھار۔

(۲۸)

میداں، صحرا بادل برسا، بھردی "کچھ" کنار،
سانجھ بھئی تو برسن لاگا، کھل کر بادل یار،
دیس ہوا گلزار، رب نے دکھڑے دور کیے۔

(۲۹)

سارنگ! ہم سے پیاسوں کو، کبھی تو یاد کرو،
پیارے دیس میں ارزانی ہو، خالی تال بھرو،
رم جھم تم برسو، پیاس بجھے پیاسوں کی۔

(۳۰)

سب ہی یاد کریں سارنگ کو، پیاسے پنچھی انساں،
''آڑی''''تاڑے''ترس رہے ہیں،کب ہو بادو باراں،
پیاسی سیپ سمندر میں ہے،پل پل بوند کو حیراں،
خوشی سے دھڑکیں چھتیاں، پیاس بجھے پیاسوں کی۔

(۳۱)

پریتم بیچ نہ ریوڑ، یہی ہمارا مال،
بھوکے پیاسے ریوڑ کو تو، ساجن آن سنبھال،
ریوڑ لے کر چل اب سائیں!، ہر سو ہے ملہار،
جھوم کے یار! بہار، آئے ہمارے انگنا۔

(۳۲)

رُت ساون کی لوٹ کے آئی، ساجن لوٹ نہ آیا،
گرج رہا ہے دھیان میں سکھیو، آیا دیکھ وہ آیا،
نم ہے ساری پیاسی دھرتی، بادی برکھا لایا،
مینہ جو برسایا، یوں نہ سمجھو تھم جائے گا۔

(۳۳)

دیکھ سجا کے سارنگ کو، بجلی چمکی آج،
برسیں چھاج کے چھاج، بھر گئے سارے تال۔

(۳۴)

دیکھ سجا کے سارنگ کو، بجلی چمکن لاگی،
جھوم اُٹھی میں دیکھ کے بادل، کڑ کڑ کرتی بجلی،
مُیل دلوں کی اُتری، دیکھ کے گاتے بادل۔

وائی

مشکل کو آسان کریں گے، سید و سردار،
سجدے میں ساجن سے سائیں، منت آپ کریں گے،
احمد اپنی اُمت خاطر، کیا کیا جتن کریں گے،
صور اسرافیل سے سائیں!، ارض و سما لرزیں گے،
مسکائیں گے میر محمدؐ، مومن آن ملیں گے،
پاپوں مارے بھاگ کے سارے، کملی کو تھامیں گے،
بخشیں گے سب گنہہ ہمارے، ہم بھی مان کریں گے۔

دوسری داستان

(۱)

جیسے لاکھ کا رنگ، شفق کھلی بدرا میں،
جیسے رنگ چُڑیا چمکیں، چمکے بادل انگ،
"بھِٹ" پر ہے سارنگ، بھردی جھیل "کراڑ"۔

(۲)

جھوم جھوم کر "بھٹ" پر آئیں، آج گھٹائیں کالی،
جیسے "کھٹن ہار" کھلیں یوں، کھِل کھِل جائے بجلی،
صحرا صحرا پھول کھلے ہیں، ہر سُو خوشبو بکھری،
میدانوں پہ برسی، بھر دی جھیل "کراڑ"۔

(۳)

جھوم کے جھیل کراڑ پہ برسی، ریت ہوئی ہے نم،
کیسی ہے گنوان بدریا، برسے ہے چھم چھم،
"ماکانی" سے لوٹ کے آئی، "پب" پر گئی ہے تھم،
پی کا ہوا کرم، دیکھ "چکھی" پر "چیہا" پھُوٹا۔

(۴)

دیکھ "چکھی" پر چیہا پھُوٹا، "گرنگ" پہ پھول کھلے،
تال تلیاں بھر کر بادل، چلا ہے "ہڈکٹ" سے،
ٹوٹ کے بادل برسے، باغ بہار ہے صحرا۔

(۵)

بادل کے برجوں میں چمکے، آج رسیلے رنگ،
کیا کیا ساز سرندے باجے، باج رہے ہیں چنگ،
مینائیں سارنگ، اُلٹ دی ہیں "پدام" پر۔

(٦)

مینہہ بھی وہ ہی نینہہ بھی وہ ہی، دونوں ایک سے اکھر،
برسن کا جب بھیس کریں تو، روئیں آہیں بھر بھر،
میں تو بدلی بن کر، برسوں پیا جو آئیں۔

(٧)

بادل یاد دلائے ساجن، برہن گھل گھل جائے،
ہائے ری سکھیو! بن پریتم یہ، کٹیا بہہ نہ جائے،
کس کو دوشی ٹھہرائے گی، کٹیا جو گر جائے،
اب تو وارث آئے، ڈھانپ دے جو برہن کو۔

(٨)

گرج گرج کر بادل آئے، کرے وہ پی کو یاد،
خوف سے برہن کانپ اُٹھے ہے، گرج چمک کے بعد،
کون سنے فریاد، بن تیرے اے ساجن!

(٩)

تیرے پہلو بن سردی میں، ٹھٹھریں میرے انگ،
پل بھر کو بھی آنکھ نہ جھپکوں، تو جو نہیں ہے سنگ،
من میں ہے یہ اُمنگ، کہ مولا پریتم لائے۔

وائی

ہووے راکھ رقیب، میں جاؤں سجن کے دوار،
جیسے جیسے دنیا روکے، پریتم آئے قریب،
پریت کی پایل، ناچے دلہن، تیرے دوار حبیب

تیسری داستان

(۱)

ہاتھی حیرت سے دیکھے ہے، میرے پی کی چال،
لال گلاب بھی شرمائے ہے، ہونٹ پیا کے لال،
چندا، بجلی چمک کے دیکھیں، روشن حسن جمال،
کہے لطیف کہ دیکھن کارن، دونوں ہیں بے حال،
خوشبو رنگ، گلال، ساجن سنگ ہے لایا۔

(۲)

ساون رُت کے ساز بجے ہیں، جھن جھن جھن جل تھل،
بھرے ہیں سارے تال سکھی ری!، ریوڑ ہیں چنچل،
آج پروئے ہار دلہنیا، کل تک تھی بے کل،
برکھا کی رت ساتھ میں لائی، طرح طرح کے پھل،
برکھا رت یہ بادل، بیت گئے دن دکھ کے۔

(۳)

ساون رت کے ساز چھڑے سن، ”تاڑے“ کی چھکار،
ہاری کھیت کی اور چلے ہیں، ہل کاندھوں پر ڈار،
بادل میرا یار، آج برسنے آیا۔

(۴)

ساون رت کے ساز چھڑے ہیں، بادل برسنے آیا،
ماکھن کی بہتات ہوئی اور، غلہ ہوگیا سستا،
کلمہ پاک سے دھویا، زنگ دلوں کا سارا سکھیو!

(۵)

بھیگا ”رانک“ ”لوتڑی“ بھی، آج ہوئی سیر اب،
چیخ گئی تھی دھرتی اب ہے، لہر لہر تالاب،
لایا بے حد آب، بادل بھیجے پی نے۔

(۶)

اب مت لاد کے چل اے ساجن!، گھر آئے ہیں بادل،
بجلی چمکی، بدرا کے اب، نین سے برسے جل،
میدانوں کو چل، تو وہاں بنائیں کٹیا۔

(۷)

ساون، ملن کی رت ہے لایا، اب تو آجا پریتم،
برسیں نیناں چھم چھم، تیری یاد میں ساجن۔

(۸)

بیت چلی ہے رت ساون کی، اور بھی برسی برکھا،
میں درشن کی پیاسی ہوں یہ، بدرا لایا مولا۔

(۹)

جیسے جھوم کے بادل آئے، جھوم کے آیا ساجن،
کھل کھل جائے برہن، جو تھی ہجر کی ماری۔

(۱۰)

سردی سہی نہ جائے سائیں!، ڈال دے اپنی شال،٭
بدرا! میرا حال سنا دے، اسے جو لالن لال،
ساجن آن سنبھال، ٹھٹھر رہی ہے برہن۔

(۱۱)

ساجن! تجھ بن ٹھنڈی ہوائیں، ٹھٹھر رہا ہے تن،
ٹھنڈی تیز ہوا کے جھونکے، نیند نہیں نین،
تپ جائے پھر تن، بھیگی رات کو جو آئے پریتم۔

(۱۲)

زلفیں بھیگ چلیں تو مکھ پر، بوندیوں کی پھوار،
میرے آنگن رحمت برسی، برسا میگھ ملہار،
دور تھا میرا یار، ساون رت میں آن ملا ہے۔

وائی

اکھیاں میگھ ملہار، صورت نے جگ موہ لیا ہے،

مُطلب کی پیشانی سے، نور کا تھا اظہار،

فیل نے سجدہ جسے کیا تھا، مُطلب وہ سردار،

آپ وجود میں جس دم آئے، کانپ اُٹھے کفار،

عرشِ بریں پر قدم دھرا تو، سامنے تھا دلدار،

احمد پی پر رحمت کی ہے، جس کا انت نہ پار،

قادر جس کی قسمیں کھائے، احمدؐ سے ہے پیار،

ترسی اکھیاں بدرا دیکھیں، مسکائیں "سنگھار"،

رم جھم رحمت برسن لاگی، کرم ہوا دلدار۔

چوتھی داستان

(۱)

بادل اب ساجن کی صورت، گرجے "جھوک" کی اور،

دھرتی بدلے رنگ نرالے، چھائی گھٹا گھنگھور،

"دلس" پر برکھا شور، اکھیوں جل برسائے۔

(۲)

کھلی "کھمبھات" پہ بجلی اور اب، چلی ہے سرد ہوا،

ریوڑ ہانک کے باہر لاؤ، سبزہ ہے ہر جا،

پیاس بجھی ہے سنگھاروں کی، پیاسا تھا صحرا،
یوں برسی ہے بدرا، کہ صحرا بھیگ چلا ہے۔

(۳)

آج لجاتا سورج اُبھرا، دھندلی دھوپ سجائی،
چمک چمک کر بجلی بجنی! سکھ سندیسہ لائی،
آنکھ یہ کیوں بھر آئی، ملیں گے اب تو ساجن۔

(۴)

''ڈھٹ'' سے ڈھلی تو لہراتی وہ، چلی ہے تھر کی اور،
برس برس کی تال بھرے ہے، آج گھٹا گھنگھور۔

(۵)

بل کھاتے لہراتے بادل، ''ڈھٹ'' سے آئے لوٹ،
پیاس کا صحرا، چھم چھم بوندیں، برسے ''عمرکوٹ''
چُھپ بادل کی اوٹ، بجلی ''سامارو'' پہ چمکی۔

(۶)

ڈھٹ سے چُھٹ کر جھوم کے بادل، چھائے ہیں ''کامارے''،
''پران'' پہ گرجے، کُھل کر برسے، چلے ہیں ''سامارے''،
دیکھو بدرا کالے، بجلی کا ہیں بھیس سکھی!

(۷)

''ڈھٹ'' سے آئے میدانوں میں، وادی وادی سبزہ،

سورج چاند بھی ماند ہوئے جب، دیکھا سُھنل میرا،
آج وہ آیا پیارا، جس کی آس تھی من میں۔

(۸)

"ڈھٹ" سے چلے ہیں سن بادل کی، دھیمی دھیمی آہٹ،
پی کی خاطر آج سجالی، اپنے گھر کی چوکھٹ،
رات نے بدلی کروٹ، تو پریتم انگنا آئے۔

(۹)

"ڈھٹ" سے لہرا کے میداں کو، آئے بدرا آج،
ان پر کیا کیا کرم ہوا جو، کل تک تھیں محتاج،
سنگھاروں کی لاج، تو ہی رکھیو مولا!

(۱۰)

صبح سانس لیا بادل نے، برس کے ساری رات،
گر ہو من میں پریت تو ہووے، باطن میں برسات،
رات ہو یا پربھات، برسے بادل ہر دم۔

(۱۱)

گرج چمک اور جھوم کے آئے، بدرا اب کی بار،
چم چم چمکے، گھن گھن گرجے، برسے میگھ ملہار،
جائیں استنبول کو بدرا، برسے مغرب پار،
چین دیس اور سمرقند پہ، برکھا کی یلغار،

برس رہے ہیں روم پہ بادل، کابل اور قندھار،
بھیگ چلے ہیں دہلی دکھن، بھیگ چلا "گرنار"
جھوم کے جیسلمیر سے آئے، بیکانیر "بکار"
بھیگا بھیگا "بھج" ہے سارا، "بھٹ" پہ بوند بہار،
ٹوٹ کے عمر کوٹ پہ برسی، ہر سو ہے ولہار،
میری سندھڑی پر بھی سائیں! رحمت ہو ہر بار،
دوست میرا دلدار، عالم سب آباد کرے۔

(۱۲)

پھر سے بدرا برسن آئے، دھرتی ہے سیراب،
سارنگ سج کر سیج پر سویا، بجلی ہے بے تاب،
برہن کے گھر داج خوشی کا، لایا مست سحاب،
ہر سو بیج بکھیریں ہاری، کھلا خوشی کا باب،
خوشیاں چنگ رباب، عالم سب آباد ہوا۔

(۱۳)

پھر سے بدرا گھر کر آئے، برسن کے ہیں ڈھنگ،
چم چم چمکے، گھن گھن گرجے، دیکھ تو کیا کیا رنگ،
ڈھیر اناج کے آنگن آنگن، باج رہے ہیں چنگ،
بھوک سے تھے جو تنگ، ان کے روشن آنگن ہیں۔

(۱۴)

پھر سے بادل گھر کر آئے، آج گھٹا پھر چھائی،
برسن کارن چمکے بجلی، پل پل لے انگڑائی،
دودھ تھنوں میں چھلکاتی ہر، بھینس اب لوٹ کے آئی،
سبزہ دیکھ کے میدانوں میں، بھینس ہے بچھڑے لائی،
برہن ہے اِٹھلائی، پیا منانے آیا۔

(۱۵)

رب کا حکم ہوا ہے اب تو، سارنگ کرے سنگھار،
بجلی چمکے، گرج گرج کر، برسے بادل یار،
مہنگا بیچنے والے سارے، ہوئے ذلیل و خوار،
پانچ کا پندرہ میں جو بیچیں، کریں یہ کاروبار،
قحط کا کاروبار، کریں جو مولا! ان کو مار،

(۱۶)

مفلس ہاری ہنس ہنس بولے، خوش ہوا گھر بار،
تیری ہے آدھار، مولا! مفلسوں کو۔

(۱۷)

من کے بیچ تو برکھا رُت ہے، باہر کہاں ہے بدرا،
اس من میں تو سدا ہے ساون، جس من پریت بسیرا،
جن کے گھر میں پیارا، ان کے نین سدا مسکائیں۔

(۱۹)

من کے بیچ بھی برکھا رت ہے، باہر بھی ہے برکھا،
جن کے من میں پیارا، ان کی روشن آنکھیں۔

(۲۰)

گرج گرج کے بادل آئے، اُترے پھر آج،
میرا وہ سرتاج، آج میرے گھر آیا۔

وائی

آئے میگھ ملہار، میں سرخ رنگونگی بھیس،
کالے بدرا تن پہ ڈھانپے، برسن لاگا یار،
چرواہن کی کالی لٹ پر، بوندنیوں کی پھوار،
کہے لطیف کہ مہر کرو اب، انگنا آکر یار۔

سُر آسا

سُر آسا

پہلی داستان

(۱)

ڈھونڈ رہی ہوں لاحد میں اور، پی کی کوئی نہ حد،
ایسا حسن و جمال ہے جس کا، کوئی نہ قد و مد،
پریت یہاں بے حد، واں پریتم اپنا بے پروا۔

(۲)

خودداری اور خودبینی سے، کون گیا اس پار،
ان للہ وتر ویحب الوتر، دوئی آگ میں ڈار،
یکتائی کے دوار، جا تو خودداری کو تج کر۔

(۳)

دوئی جھونکوں آگ میں سائیں!، انا سے کر تو بلند،

بھولوں اپنی خودداری کو، پاؤں تجھے دلبند،

④

کب ہے اور کہاں ہے کسی میں، اس سا حسن جمال،
اے شارک! سب وہم بھلادے، چھوڑ دے اور خیال۔

⑤

"خود" سے کروے بلند اے سائیں!، بھولوں اور بچار،
شرک میں ساری عمر بتائی!، میں نے اے ستار!

⑥

خود کو شرک پرست نہ سمجھے، یہ بھی شرک پرستی،
اپنا آپ گنوا دے سائیں!، چھوڑ خودی کی مستی،
تیرا وجود و ہستی، اس کی ہے ہستی سے قائم۔

⑦

یہ وہ اور وہ یہ ہے پیارے، دونوں نہیں جدا،
الانسان سری وانا سرہ، جان لے بات ذرا،
عارف گئے بتا، رمز کی ساری باتیں۔

⑧

نہ تو عبد کی انتہا ہے، نہ ہی ابتدا،
پی کو جو پہچان گئے، خود سے ہوئے جدا۔

(۹)

طلب نہیں تعظیم کی، ہجر نہ انتظار،
جہاں نہیں ہے کوئی حد، پہنچ گئے اس پار۔

(۱۰)

میں ہوں عبد اور تو معبود، اس میں شرک نہ شک،
کرتے ہیں وہ یاد پیا کو، جیتے ہیں جب تک،
وہ ہی راہِ حق، جس میں ساجن مل جائے۔

(۱۱)

خود کا ہے اور اک اگر تو، پھر کیا یار! نماز،
چھوڑ دے حیلے ساز، پھر تو کہہ تکبیر۔

(۱۲)

خود کا ہے اور اک اگر تو، پھر کیا یار! سجود،
جب ہو فنا وجود، تب تو کہہ تکبیر۔

(۱۳)

عبد ہوئے وہ اعلیٰ، ہو گئے جو نابود،
مخفی ہیں مورت میں، صورت میں موجود،
عقل ہوئی مفقود، بات کریں کیا پی کی۔

(۱۴)

بات پیا کے بھید کی ہے، بھید ہے ساری بات،

الجھ نہ اب ان باتوں میں، چھوٹ نہ جائے ساتھ۔

(۱۵)

جو ہے تیرا پریتم پیارا، بوجھ نہ اس کی صورت،
کر نہ ایسی بات کبھی جو، کل کو جائے اکارت۔

(۱۶)

بن مورت پہچان نہ پائیں، سوجھ نہ پائیں صورت،
اک معصوم سی حیرت، پالے خود کو گنوا کر۔

(۱۷)

فانی وہ فی اللہ ہیں، جن کا فنا وجود،
نہ ہی قیام قعود ہے، نہ وہ کریں سجود،
جب سے ہیں نابود، تب سے ملے ہیں بود سے۔

دوسری داستان

(۱)

صبح صبح ہی نین ہمارے، جب نہ دیکھیں پریتم،
دونوں نین نکال کے سائیں، دیں کاگا کو ہم۔

(۲)

صبح صبح جب آنکھ کھلے اور، دیکھ نہ پائیں ساجن،
اپنے دونوں نین نکال کے، دے کاگا کو برہن۔

(۳)

مجھ پر میرے نین کے، احساں ہیں کیا کیا،
نظر پڑے رقیب پہ تو، سمجھیں پی دیکھا۔

(۴)

پریتم بن گر اور کو دیکھیں، ملن کی پیاسی آنکھیں،
صبح صبح ہی کاگا کو ہم، نین نکال کے دیں۔

(۵)

صبح صبح گر نین ہمارے، دیکھیں پی کی صورت،
ہوجائیں یوں سیر رہے نہ، اور کوئی ضرورت۔

(۶)

صبحدم ساجن کو دیکھا، ہوگئے نین نہال،
جیسے حج کر آئے ہوں، دل کا ہے یہ حال۔

(۷)

آنکھیں علی الصباح، دوست کی دید کو آئیں،
ان میں پی کی بندگی ہے، اِن میں پی کی چاہ،
چڑھے گا رنگ اتھاہ، ساجن سے من جائیں گی۔

(۸)

جانے کیا، کس اور، دیکھ کے آئے نین،
پائیں اُدھر ہی چین، میرے سرکش نیناں۔

(۹)

جانے کیا اس پار، دیکھ کے آئے نین،
ہوگئے دیوانے یہ نیناں، پریت کا ہے آزار،
کھویا صبر قرار، چین سے سو نہ پائیں۔

(۱۰)

آج نہ جانے نین نے، کی ہے کس کی زیارت،
پریت کی ایک نظر نے دے دی، سرمستی اور راحت۔

(۱۱)

آنکھیں دیکھ کے آئیں، جانے کل کیا حال،
لالن لعل کی لالی سے اب، رچ کر ہو گئیں لال،
وہ ہی نین نہال، جو دیکھیں اپنا ساجن۔

(۱۲)

پی درشن کو ترسیں نیناں، ترس ترس کر برسیں،
جوں جوں پی کو دیکھیں، توں توں مستی پریم کی۔

(۱۳)

روئیں پی درشن کو، درشن سے مُسکائیں،
دیکھ کے آئیں پی کو، پھر درشن کو جائیں،
پیاس بُجھا نہ پائیں، نیناں پی درشن سے۔

(۱۴)

پل پل پی کا درشن ہے، پل پل پی کا دھیان،
کر آئے ہیں نین ہمارے، پریتم کی پہچان۔

(۱۵)

نیناں نینن سنگ، غصے ہو لڑ جائیں!
جب سے سیکھی پریت ہے، جانے کیوں اڑ جائیں،
خود سے خود من آئیں، روٹھیں اپنے آپ سے۔

(۱۶)

دیکھ ذرا ان نینن کی، کیسی انوکھی ریت!
غیروں کے دکھ اپنائیں، سب ہی کو جانیں میت،
اس سے کی ہے پریت، چلے نہ جس پہ بس برہن کا۔

(۱۷)

کیا کیا میرے نینن کے، لڑنے کے ہیں ڈھنگ،
دیکھ جھگڑتے نینن کو، عجب ہے ان کی جنگ،
ایسے چھائے کارے بدرا، جیسے رُت سارنگ،
برسیں ساون سنگ، پل پل نیر بہائیں۔

(۱۸)

جوں جوں روکیں نینن کو، پیا ملن کو جائیں،
سپنوں میں جگ روند کر، ساجن سے مل آئیں،

پریتم سے من جائیں، مجھ کو روتا چھوڑ کر۔

(۱۹)

آنکھوں نے بن پوچھے ہی، پی سے کی ہے پریت،
اُس جا لاگے نیناں جس جا، سر دینے کی ریت،
تب پائیں وہ میت، جب اپنا آپ گنوائیں۔

(۲۰)

آنکھوں نے بن مجھ سے پوچھے، ڈھونڈا ایک سہارا،
اس جا پہ یہ نیناں لاگے، جس جا اور نہ چارہ،
اب تو من بے چارہ، رو رو ڈھونڈے راہ پیا کی۔

(۲۱)

اُلٹی روش ہو آنکھ کی، اُلٹی سمت کو دیکھے،
اور تو دیکھیں پچھّم میں یہ، پورب سمت میں ڈھونڈے،
پی کی راہ اب لے لے، اور چل تو آنکھیں موند کر۔

(۲۲)

کھڑا ہے وہ منہ پھیر کر، پھر بھی سندر لاگے،
پلٹ کے گر اک بار وہ پریتم، میری اور کو دیکھے،
انگ انگ میرا ناچے، جھوم اٹھے تن من۔

(۲۳)

نین ہوں ایسے یار، دیکھ سکیں جو ساجن،

ادھر ادھر نہ نہار، پی بڑا ہی حاسد ہے۔

وائی۔۱

کیا ہے میرے ہاتھ، سب کچھ ہے ساجن کے بس میں،
جہاں بھی چاہے وہ لے جائے، کر پائیں نہ بات،
تم میری قسمت کے مالک، تم ہی میرے ناتھ،
کیسے اونٹ ہانکوں سکھیو!، باگ بجن کے ہاتھ،
کاگ اڑاؤں پریتم آئیں، کب ہوں گے وہ ساتھ،
آس بندھی ہے ساجن آکر، لیں گے ہاتھ میں ہاتھ۔

وائی۔۲

اے میاں ساجن! کیسے رہیں گے نین میرے،
تجھ بن، تجھ بن، تجھ بن،
جن کا تو ہو سہارا، پائیں وہی کنارا،
سانجھ جہاں نہ سویرے، اس جا بھی ہوں ڈیرے،
پھر بھی نین یہ میرے، پاس ہی جائیں تیرے۔

تیسری داستان

(۱)

یہ جو تیرے نین ہیں، اِن سے دیکھ نہ یار!
پی کو کب پہچانیں نیناں، دیکھیں گر سو بار،
کریں وہ ہی دیدار، موند لیں جو آنکھوں کو۔

(۲)

تجھ کو موہ کے بے پرواہ پھر، ہو جائیں گے نیناں،
سن سجنی! ان نینن پر تو، کبھی یقین نہ کرنا۔

(۳)

جس سے تیرا عشق مجازی، جس کو سمجھی ساجن،
ڈھونڈ لے سچا پریتم دوجے، سارے جھوٹے بندھن۔

(۴)

کر نہ عشق مجازی گوری!، جھوٹے ہیں سب میت،
جو ہے سچا پریتم اس سے، کر تو سچی پریت۔

(۵)

عشق نے اک دھنیے کی مانند، یوں مجھ کو دھن ڈالا،
جان نہیں ہے تن من میں اب، بے جاں ہے یہ جیئرا۔

(۶)

کر دی عشق حقیقی نے ہے، جسم سے جان جدا،

سانس نہیں اب آتی سائیں!، اپنے پی کے سوا،
اب تو ایک خدا، بسا ہے میری روح میں۔

⑦

کوئی مجھے بھٹکائے سائیں!، راہ بجھائیں سب،
اب کوئی ہے آس ملن کی، اور نہ ہی کوئی طلب،
وہاں ہے منزل اب، جہاں وجود و عدم نہیں۔

⑧

جہاں وجود و عدم نہیں ہے، یہ بھی محض خیال،
ہے ادراک سے آگے سائیں!، پی کا حسن جمال۔

⑨

جہاں وجود و عدم نہیں، وہم ہے یہ انسانی،
دور گماں کی سرحد سے ہے، پاک پوتر جانی۔

⑩

جہاں پہ ان نینن کو بجنی، عشق کے لاگیں نیزے،
کاٹ لے انگ انگ اپنا تو، جان کو قرباں کر دے،
اپنے پی کے کارن سائیں!، سب کچھ کر اب صدقے،
دل بھی میں قرباں کروں اور، جان بھی واروں پی پہ،
دل اور نیناں میرے، چڑھے ہیں اب سولی پہ۔

(۱۱)

پریت نہیں ہے نینن میں اور، دل میں نہیں ہے ساجن،
ان کا جیون ایسے ہے جوں، ٹوٹا خالی برتن۔

(۱۲)

مورکھ بھید نہ جان سکیں اور، کریں وہ کیا کیا باتیں،
میل بھری ہو آنکھوں میں تو، کیسے پریتم تاکیں۔

(۱۳)

پریت میں گھل کر تن، بنے سلائی جب،
تجھ کو اپنے نینن میں، پی ڈالیں گے تب۔

(۱۴)

آن بسو نینن میں توہے، پلکوں سے میں ڈھانپوں،
نہ خود دیکھوں اور کو نہ میں، توہے دیکھن دوں۔

(۱۵)

توہے ڈاروں نینن میں تو، نینن میں بس جا،
بس کر میرے نینن میں تو، کر دے مجھ کو اُجلا۔

(۱۶)

مت کہہ یار! رقیب سے، میرے پیار کی بات،
پیار بنا ہی بیت نہ جائے، کہیں ملن کی رات۔

(۱۷)

پریت چھپانا جگ سے پیارے، پریت نہیں ہے آساں،
جان نہ جائے غیر کہیں یہ، میرے پیار کی بتیاں۔

(۱۸)

جان گیا وہ رقیب تو، کرے گا میرا کیا،
صورت دیکھی یار کی تو، جرم کیا ہے کیا،
ایسا تیر لگا، کہ ٹپکیں خون کے آنسو۔

(۱۹)

چاہا برا جو یار کا، ہوا وہ خوار رقیب،
غرق ہو غیبت کرنے والا، سدا جیئے وہ حبیب۔

(۲۰)

سدا جیئے وہ رقیب، جس کا میلا من،
خود اپنی آنکھوں سے دیکھے، مجھ سے پی کا ملن،
ہووے پھر وہ دفن، جل کر اپنی اگنی میں۔

(۲۱)

وہ ہی رقیب کی بات میں آئیں، جن کی کچی پریت،
جن کو پریت کی آگ جلائے، وہ ہی پائیں میت۔

(۲۲)

ڈسے رقیب کو ناگ اور، رہے نہ اس کا نام،

اس ساجن کی باتوں کو جو، کر دیتا ہے عام۔

(۲۳)

رقیب ہو خوار خراب، اس پر خدا کی مار،
روکے راہ وہ پریتم کی اور، ملن کو ہم بے تاب،
جل کر ہو وہ کباب، اپنے من کی آگ میں۔

(۲۴)

سمجھے جسے ستم، وہ ہے مہر پیا کی،
جان سکے نہ ہم، یار کی راز کی باتیں۔

(۲۵)

کیسی روش ہے پی کی، کوئی سمجھ نہ پائے،
ایسی مہر دکھائے، کہ حیراں ہو جگ سارا۔

(۲۶)

نہ تو طول نہ عرض نہ صورت، نقش نہ اس کا چہرہ،
کیسے اس کو بوجھ سکے گا، عقل کا کوئی اندھا۔

(۲۷)

حیراں ہے جگ سارا، کر نہ سکے ادراک،
اندھا دیکھ نہ پائے، حسن پوتر پاک۔

(۲۸)

حیراں ہے جگ سارا، ذرا نہیں ہے ہوش،

اندھا بوجھ نہ پائے، پریت کا جوش و خروش۔

(۲۹)

حیراں ہے جگ سارا، دیکھ کے عقل لجائی،
ساجن! دیکھ جو پائے، کہاں ہے وہ بینائی۔

(۳۰)

کون بھلا سمجھائے، حیراں ہے جگ سارا،
اندھا بوجھ نہ پائے، پریت ہے ایک پہیلی۔

(۳۱)

چُھو چُھو کر ہاتھی کو سارے، اندھے تھے حیران،
خوب ٹٹول کر دیکھا لیکن، کوئی سکا نہ جان،
وہ ہی پرکھ سکیں ہاتھی کو، جن کو ہو پہچان،
ان سے پائیں گیان، جو دانا و بینا ہیں۔

وائی۔۱

صورت سے ہے خلیل، باطن میں آذر ہے،
جسم کی صحت مانگ رہا ہے، تیری روح علیل،
صورت مسلمان کی ہے اور، قلب تیرا قلیل،
یکتائی ہی یکتائی ہے، یکتا رب جلیل،
وصل اگر والی کا چاہے، چھوڑ دے اور دلیل،

کہے لطیف کہ لاج سبھی کی، رکھیو رب جلیل۔

وائی۔ ۲

کرنی پہ پچھتاؤ، موت کھڑی ہے تاک میں سکھیو،

موت سے پہلے، توبہ کرلو، یوں نہ وقت گنواؤ،

پیا ملن کو جانا ہوگا، اپنا آپ سجاؤ،

سب کو ہانک کے لے جائے گی، موت کو مت بسراؤ

لٹکی ہے تلوار اجل کی، اور نہ اب اتراؤ،

تن مٹی میں مٹی ہوگا، دل کو یہ بتلاؤ،

بن ٹھن کر بیٹھی ہے دلہن، ڈولی یار اٹھاؤ،

شاہ لطیف سہاگ کا جوڑا، کفنی اب سلواؤ۔

وائی۔ ۳

پریتم سے مت دور، رکھیو اللہ سائیں،

وہ ہی ایک سہارا،

پریتم میرا دور بسے ہے، ملن سے ہوں مجبور،

ساجن پر منڈلائیں نیناں، بن ساجن بے نور،

تو قادر یکتا ہے سائیں!، سر تاپا میں قصور،

دھودے پاپ میرے سب سائیں!، سن لے عرض حضور

چوتھی داستان

(۱)

دیکھیں دیکھ نہ پائیں سائیں، حسنِ کل کو یار،
جیسے کوئی قیدی حیواں، جہل کے ہیں وہ شکار،
جنہوں نے دیکھا یار، ان کو فکر کہاں محشر کی۔

(۲)

حسنِ کل کو دیکھ نہ پائیں، کیسے ہو دیدار،
کُوچ کیا دنیا سے سائیں!، بن دیکھے ہی یار۔

(۳)

کوچ کیا دنیا سے جب تو، ایسے تھے محروم،
جیسے چڑیا دانہ چُگ لے، پڑھے تھے علم علوم،
اِن کو کیا معلوم، کہ وہ حباب کی مانند تھے۔

(۴)

تیاگ کو بھی اب تیاگ، جا نابود سے آگے،
راہ دکھا اوروں کو سائیں، بھید ملن کا پاکے۔

(۵)

حاصل کر نابود کی منزل، جا نابود سے آگے،
خود سے بھی تو چُھپ جا سائیں! جگ سے خود کو چھپالے۔

⑥

چھپتے ہیں سب جگ سے، خود سے چھپے نہ کوئی،
ہر پل تجھ کو ہوئی، فکر اس اُلٹی بات کی۔

⑦

ہاتھ دھرے ہوں کام میں، نینن میں ہو ساجن،
تیرا یار بسے ہے سائیں، دیکھ تو تیرے آنگن۔

⑧

جس پی کے ہم درشن پیاسے، ہم ہی ہیں وہ ساجن،
ڈھل گئے وہم وگماں اب سارے، دیکھا اپنا درشن۔

⑨

جس پی کے ہم درشن پیاسے، ہم ہی ہیں وہ پریتم،
لم یلد ولم یولد، اس کا بن جا محرم،
اس سے تو اے ہمدم، حق کی بات سمجھ لے۔

⑩

دیکھے دل کی آنکھ سے تو، کہے کہ سارا حق ہے،
کھول دے گر تو دل کی آنکھیں، پھر کیا شرک و شک ہے۔

⑪

ڈھونڈ لے یار کو اپنے اندر، باہر ڈھونڈیں حیواں،
پالیتی ہیں بھید اے سائیں!، پیار بھری ہی اکھیاں۔

(۱۲)

وہ اثباتی شرک کہ جس سے، دور ہو وہم و گمان،
جس میں جھلکی حق کی ہو اس، نفی کو اعلیٰ جان۔

(۱۳)

جیون کی اس راہ میں، دوئی ہو جب ساتھ،
روشن شرک سے مل جائے گی، تاریکی سے نجات،
سمجھ میں آئے بات، جب لگائے الف کی عینک۔

(۱۴)

کہاں کا یہ ایمان، کہ کلمہ گو کہلائے،
دل میں تیرے میل بھری ہے، من میں ہے شیطان،
ظاہر مسلمان، باطن میں آذر ہے۔

(۱۵)

کفر بھی تیرا جھوٹ ہے، کافر مت کہلا،
ہندو بھی تو کب ہے پیارے، جینو تو نہ سچا،
اس کو تلک لگا، سچا ہے جو شرک میں۔

(۱۶)

صورت میں موسیٰ کی مانند، من میں ہے ابلیس،
اس کو من سے ٹال اے سائیں!، بڑا ہی ہے یہ خبیث۔

(۱۷)

صورت میں موسیٰ کی مانند، سیرت ہے شیطانی،
وصف ہے یہ حیوانی، اسے مٹاوے دل سے۔

(۱۸)

چہرہ اُجلا آئینہ سا، قلب ہے سارا کالا،
دل میں تیرے کھوٹ بھرا ہے، بول تیرا ہے میٹھا،
کیسے وصل ہو پی کا، جب یہ تیرا حال ہے۔

(۱۹)

کاجل یار کے وصل کا، تو نینوں میں ڈار،
"دوبینی" سب دور ہو، اور ہو عرفاں یار،
پی کی کیسی سندرتا ہے، جھلمل سب سنسار،
آنکھیں اشہد یار!، کھول تو ہووے مومن۔

(۲۰)

ناری ڈارے نین میں، کارا کاجل یار!
کارے یہ کجرارے نیناں، تیرا نہیں سنگھار،
تو اکھین میں ڈار، لالی اپنے لالن کی۔

(۲۱)

ڈالا جب آنکھوں میں، سُرمہ سُرخی مائل،
یار کی سُرخی جھلمل، جھلمل ہوتے دیکھی۔

(۲۲)

ڈالا جب نینوں میں، سرمہ یار! سفید،
اُجلا سارا عالم دیکھا، پایا سارا بھید۔

(۲۳)

سیکھے علم و علوم، پھر بھی رہا غلام،
باتوں میں جو اُلجھ گیا، کیسے بنے وہ "جام"
پیاسا ہو تو پانی مانگے، بھوکا ہو تو طعام،
وہ ہے انساں عام، خاص نہ اس کو جان۔

(۲۴)

اوگن سے تو ہر کوئی روٹھے، گنوں سے روٹھا پریتم،
قلب سے جو اقرار کیے تھے، اِن کا رہا نہ محرم،
اپنا آپ بھلایا میں نے، بھولا احساں ہم دم،
اپنا سر نہوڑا کر سائیں!، منت کی ہے ہر دم،
بھولا "میں" کو جس دم!، اس دم پی کو پایا۔

(۲۵)

اوگن سے تو ہر کوئی روٹھے، گنوں سے روٹھا ساجن،
ناسمجھی میں پاپ کمائے، جھوٹ بنا سب جیون،
سکھیوری! اس کارن، میں نے سہے ہیں دکھڑے۔

(۲۶)

دلڑی نے جو بات کہی تھی، خود سے بھی وہ چھپائی،
اپنے پی کی پیار کہانی، اور کو کب بتلائی،
سب کی سمجھ میں آئی، روٹھ گیا جب پریتم۔

(۲۷)

میں نے پریت چھپائی، سب نے دیکھی حالت،
پل پل روتی آنکھیں، پیلی پیلی رنگت،
چھپتی پھر کیا چاہت، جان گیا جگ سارا۔

(۲۸)

پریت کے مارے پریت چھپائیں، اور چھپا نہ پائیں،
اکھیاں سب بتلائیں، سلگتے من کی باتیں!

(۲۹)

پریت چھپا نہ پائیں، جانے یار جہان،
بپھرے جب مہران، تو توڑے موج کنارا۔

(۳۰)

سکھیو! دل میں درد کے، لاکھوں ہیں مہران،
سلگ رہی ہے جان، باہر بھاپ نہ نکلے۔

(۳۱)

خود ہی پردہ خود کا، سن اے طالب یار!

"میں" کی سب گفتار، چھوڑ تو یار ملے گا۔

(۳۲)

تیرے اور ساجن کے بیچ، خودداری ہے پردہ،
ملن پیا کا ہوگا، بسرا خودداری کو۔

(۳۳)

"میں" ہی پنپ رہی ہے مجھ میں، مجھ کو "میں" ہی سُھائے۔
"میں" ہی کی پہچان اے سائیں!، مجھ کو "میں" بنوائے،
یار ہی "میں" کہلائے، تو کیوں "میں" کہتا ہے۔

(۳۴) (۳۵)

ذات کے تانے بانے میں، بُنا ہوا ہے یار،
ماس کا بھوسے کی اگنی میں، جلنا ہے دشوار،
پریت اگن تن من میں سلگے، جب ساجن کے کار،
تب ہو وصلِ یار، پریت ہو پک کر کندن۔

(۳۶)

اپنے پی کی ایک جھلک بھی، میں تو دیکھ نہ پاؤں،
دور ملن کی منزل ہے میں، نام سے گھل گھل جاؤں۔

(۳۷)

عادت پوری ہو جائے تو، آتا ہے آرام،
سچ کا حسن جو دیکھ نہ پائیں، پریت ہے ان کی خام،

نام ہوا اسلام، کفر و کافر باہم ہو کر۔

(۳۸)

پی نے باندھ کے موہے، بیچ بھنور میں ڈالا،
کہے اب مجھ سے پیارا، پلو بھیگ نہ پائے۔

(۳۹)

ڈالا بیچ بھنور میں اب میں، کیسے بھیگ نہ پاؤں،
کوئی ایسی رمز بتا دے، پلو یار! بچاؤں۔

(۴۰)

کر تکیہ طریقت پر، شریعت کو پہچان،
دل کو ہو عرفانِ حقیقت، معرفت کو جان،
پختہ ہو ایمان، تو پلو بھیگ نہ پائے گا۔

(۴۱)

جھوٹ کا ہے یہ حال کے جیسے، بن پھل سوکھی ڈالی،
جس نے بھی سنیاسی بن کر، نفس کو ڈوری ڈالی،
بھیگیں کبھی نہ پیاری، پلو چار پچریا کے۔

(۴۲)

تعریف و تعظیم کی کوئی، بات نہ ان کو بھائی،
صدا ہے جس جا صاحب کی، وہاں تو ہے یکتائی،
ساحل دے نہ بجھائی، ایسے بحر عشق میں ڈوبے۔

(۴۳)

نینن میں تو نیند بھری ہے، کیسے بنے سہاگن،
جب وہ پریتم چاہے گا، تب ہی ہوگا درشن۔

(۴۴)

سوتے مانگے سیج سکھی ری!، کرے نہ کوئی کشٹ،
کیونکر اپنے پی مرضی بن، کاڑھے گی گھونگھٹ۔

(۴۵)

ان کے بھاگ میں سیج ہے، پریت کے ہیں جو اسیر،
الذین امنو وکانو ینفقون، اس کی ہیں تفسیر،
کیسی ہے تقدیر، گھونگھٹ کاڑھ کے بیٹھی ہیں۔

(۴۶)

ہوگئے حل جو حبیب میں، ان کی نیند ثواب،
نیند کے ماتے نیناں دیکھیں، پل پل پی کے خواب،
ہجر کا یار عذاب، دور ہے ان کے دل سے۔

(۴۷)

تن تسبیح اور من منکا، جن کا دل طنبور،
تار طلب کے، سُر وحدت کے، وحدت سے معمور،
وحدہٗ لاشریک لہٗ پھوٹے سُر کا نور،
سوئیں پی کے حضور، ان کی نیند ثواب۔

(۴۸)

کیسے بنے سہاگن گوری، پریتم سے جو روٹھی،
کھیل رقیب نے ایسا کھیلا، پریت کی ڈوری ٹوٹی۔

(۴۹)

یہ تو پریت کی ریت نہیں کہ، پی سے روٹھا جائے،
پریت کے دم سے جگ ہے قائم، پریت اعجاز دکھائے۔

وائی

فرسودہ خس خانے، ان میں بات کوئی ہے نیاری،
وہی ہیں مقبول یہاں جو، دنیا میں انجانے،
وہ ہی پی کو پیارے جن کو، سمجھیں سب بیگانے،
انّ اولیائی تحت قبائی، جو پی کے دیوانے،
لا یعرفهم غیری، کون انہیں پہچانے،
چھوڑ یہ اپنی من مانی تو، بات سمجھ فرزانے،
کر تو خلق خدا کی خدمت، پی کی بات جو مانے،
کہے لطیف کہ انکے دوارے، آجا سب کچھ پانے۔

سُرپ

سُر رِپ

پہلی داستان

(۱)

تن یوں غم میں غرق ہوا کہ، رہی نہ جسم میں جان،
یہ ہی عشق کا مان، کہ یار کی راہ پہ چلتے جائیں۔

(۲)

دل کو درد کا روگ دیا اور، کر گئے وہ بیمار،
دیا فراق نے مار، پل پل دردِ ہجر ہے میا!

(۳)

درد کی کوئی شکل نہ صورت، دل میں درد ہے پنہاں،
انگ انگ میں اب رچا ہوا ہے، تیرا درد اے جاناں!
تنہا اور یوں حیراں، کون ہے مجھ سا جگ میں۔

(۴)

برکھا رت میں صحرا صحرا، ہو جائے گلزار،
دل میں ایسے پھوٹ پڑا ہے، سبزۂ غم اے یار!

(۵)

دل میں آگ جلائی تھی وہ، اور بھڑکتی جائے،
اس کو کون بجھائے، جس کو بھڑکائے وہ ساجن۔

(۶)

درد بتانا کچاپن ہے، اور چھپانا مشکل،
تو ہی بتا اب اے دل، کیسے ہجر کا درد سہے گا۔

(۷)

جلتی بھٹی کی مانند تھا، تاپ رہا تھا تن،
پریت کی مے کا پیالا دے گیا، مجھ کو میرا سجن،
تاپ کی یار جلن، ہجرِ یار سے بہتر ہے۔

(۸)

تڑپ کے اُٹھی نیند سے ساجن!، آئی جو تیری یاد،
ہر اک انگ میں درد تھا تیرا، لب پر تھی فریاد۔

(۹)

حال نہ کہہ تو اور کسی سے، میرے دل رنجور!
درد کریں جو دور، ان کو اپنا درد بتا تو۔

(۱۰)

درد بتا نہ اور کسی کو، چھپ چھپ رو اے دل!
درد کی موجیں چڑھ چڑھ آئیں، ٹوٹ نہ پائے ساحل،

(۱۱)

آنکھ جھپک نہ پل کو اے دل، آئے نہ پل آرام،
اور بڑھا دے یار کا غم، ہو لب پر یار کا نام۔

(۱۲)

پل پل غم میں گھلتا ہے دل، پائے نہ پل آرام،
لب پہ اسی کا نام، جس بن پل بھی بیت نہ پائے۔

(۱۳)

جن کی طلب میں تن تڑپے اور، پل پل روئیں نین،
کیسے جیوؤں میں بن ان کے اور، کیسے پاؤں چین۔

(۱۴)

ایک جگہ پر بیٹھ نہ پائے، جوں اونٹوں کا گلہ،
دشتِ ہجر میں دل بھٹکے اور، پی سے درد کا رشتہ۔

(۱۵)

پل پل روکوں پر نہ رکے من، پی کی اور ہی جائے،
سمجھاؤں میں لاکھ مناؤں، منوا باز نہ آئے۔

(۱۶)

دھیان میں یاد کے کارے بدرا، اکھیاں میگھ ملہار،
جوں ساون کی بدلی برسے، دھیان میں برسا یار،
ساجن آ اکبار، میں تیرے عشق کی ماری ہوں!

(۱۷)

من میں ہے جل تھل، کیوں مانگوں میں ساون بدرا،
یادوں کے بادل، چھٹ نہ جائیں دل سے سائیں!

(۱۸)

یار کا گن کوئی یاد جو آیا، تڑپ اُٹھی برہن،
بھیگ چلا یہ تن کا چولا، روئے یوں نینن،
آیا یاد سجن، اس بن اب کیا جینا۔

(۱۹)

یار کی یاد جو آئی سکھیو، تڑپ اُٹھا یہ من،
اپنے یار کو بھول نہ پائی، بے چاری برہن،
روتے ہیں نینن، تن من میں اب جان نہیں ہے۔

(۲۰)

کر کر باتیں یاد میں تیری، روتی ہوں اے سجنا!
تیرے گن اور احساں، کیا کیا میں گنواؤں،

(۲۱)

یاد میں باتیں کرتا ہے، تجھ سے دل بیتاب،
جیسے تار رباب، درد سے رگ رگ باج رہی ہے۔

(۲۲)

پل کو بھی آرام نہیں ہے، بھٹکے من یہ ملول،
راہ کے پیڑ پہ دھول اُڑے جوں، اَٹی ہے درد کی دھول۔

(۲۳)

پل کو بھی آرام نہیں ہے، صبر کہاں، کب چین،
دن ہو یا کہ رین، دشتِ ہجر میں من بھٹکے ہے۔

(۲۴)

بہلا پُھسلا کر اس من کو، چلی میں صبح سویرے،
جہاں ہیں یار کے ڈیرے، چلی ہوں میں اس اور۔

(۲۵)

نقش ہوئی ہے دل پر سکھیو! میرے یار کی صورت،
جس سے میری اُلفت، یاد کروں تو دکھ اُٹھے دل۔

(۲۶)

یاد کروں تو دکھ اُٹھے دل، کیسے دوں میں بسار،
دکھتی ہے جوں ٹوٹ کے ہڈی، دکھتا ہے دل یار!

(۲۷)

سوچا تھا کہ کروں گی باتیں، ملے گا جب وہ یار،
ملا وہ جب دلدار، تو بھول گیا دل ساری باتیں۔

وائی

رکھ اس کی آس بھکاری، بے ہنر کا بھی جو داتا،
آ اُس داتا کے در پر، ہو پوری آس تمہاری،
وہ انگ انگ میں تیرے، پھر کیسی آہ و زاری،
دھتکارے کب پاس بلائے، اس کی شان نیاری،
اس سے کیسے عیب چھپائے، وہ جانے باتیں ساری،
آدم تو ہے قبر کی مٹی، ہے اصل یہی تمہاری،
تو لاج لطیف کی رکھ لے، میں برہن بپتا ماری۔

دوسری داستان

(۱)

من میں ایسی باتیں ہیں جوں، ساحلِ دریا جنگل،
ملا نہ میرا سہنل، اور غیر سے کیں نہ میں نے۔

(۲)

من میں ایسی باتیں ہیں جوں، ساحلِ دریا بن،
غیر سے میں تو کر نہ پائی، ملا نہ وہ ساجن۔

(۳)

کھینچ کے ہجر کی سولی پر، چھوڑ گیا وہ یار،
اشکوں سے سیراب ہوئے ہیں، راہوں کے اشجار۔

(۴)

چھائے رہیں اے ساجن!، تیرے نین کے بادل،
دھودے میرے وہم تو سارے، برسا بادل جل تھل،
دیکھوں یار وہ سہنل، جس کے درس سے دور ہوں دکھڑے۔

(۵)

نیناں لیں انگڑائی، نین نیند نہیں ہے،
یاد تیری جب آئی، بجھ کر جل اُٹھے یہ نیناں۔

(۶)

روش ہے سیدھی یار کی، اسے نہ اُلٹا جان،
سہہ طعنے ہر آن، بن ان کی تو جی پائے گی؟

(۷)

یار ہے جیسے رنگیں چولا، جس پہ کشیدہ کاری،
اس کو بھول نہ پاؤں جس کے، پیار کی ہوں میں ماری۔

(۸)

سکھیو! بانس کے اندر، ہوتی ہیں جوں گانٹھیں!
دل میں درد کی گرہیں، کب ہوگا ملن پیا کا؟

(۹)

رہٹ چلے اور ڈول میں آئے، ریت بھی پانی سنگ،
اشک ملی مُسکان ہے سکھیو، دل کے عجب ہیں ڈھنگ۔

(۱۰)

ہائے ٹھٹھرتی تنہا راتیں، اور یہ تنہا برہن،
سونی کھاٹ اور پریتم دور، اور یہ ظالم جوبن،
جن سے دور ہے ساجن، وہ کیسے رات بتائیں۔

(۱۱)

ہائے ٹھٹھرتی تنہا راتیں، یار نہیں ہے سنگ،
تھر تھر کانپیں انگ، رینگ کے گذری رات۔

(۱۲)

چلی ہیں سرد ہوائیں، اور یہ تنہا برھن،
جن کے سنگ ہے ساجن، ان کو پالا پیارا لاگے۔

(۱۳) (۱۴)

کیوں نہ آوے کی صورت ہے، اپنی پریت چھپاتا،
ٹھنڈی ہوگئی آگ اگر تو، پک نہ سکے گا آوا،
سیکھ تو آگ چھپانا، جاکر کمہار سے سائیں۔

(۱۵)

تو آوے سے سیکھ اے سجنی!، من کی آگ چھپانا،

پل پل کا ہو جلنا، باہر بھاپ ذرا نہ نکلے۔

۱۶

کس کے جسم کی مٹی کو یہ، گوندھ رہا کمہار،
جانے گر کمہار تو وہ بھی، روئے زار قطار،
جو ہیں سنگدل یار، وہ بھی آنسو روک نہ پائیں۔

۱۷

آوے کی اس آگ کی مانند، ڈھانپ لوں اپنے نین،
تجھ بن کہاں ہے چین، بجھ بجھ کر پھر جل جاتی ہوں۔

وائی

سکھیوری! میں ڈھونڈ رہی ہوں، یار کا نقشِ پا،
تنہائی میں کروں گی باتیں، ملے اگر وہ پیا،
من میں پیار کی باتوں کا ہے، گھنا بیڑ اگا،
تنہائی میں ملا نہ ساجن، غیر سے کچھ نہ کہا،
بخش دے میری جو بھی ہو گئیں، مجھ سے یار خطا،
میرے سامنے مت لانا تو، میرے عیب خدا!
خون کے آنسو روئیں اکھیاں، اکھین میں برکھا،
اوروں کے ہیں اور سہارے، میرا ایک پیا،
کہے لطیف کہ کرم کرے گا، صاحب وہ میرا۔

سُر کھاہوڑی

سُر کھاہوڑی

پہلی داستان

(۱)

ذکرِ خفی سے ”کھاہوڑی“ نے، پایا ہے سبحان،
لاحد میں وہ خیمہ زن ہیں، وِرد کریں ہر آن،
ایک سے مل کر ایک ہوئے ہیں، بابو وہ بریان،
ہر سُو ہی سبحان، اِن کو نظر آیا ہے۔

(۲)

میں نے ایسے سالک دیکھے، جنہوں نے دیکھا ساجن،
کہہ نہ سکے کچھ برہمن، کیا اوصاف ہیں ان کے۔

(۳)

میں نے ایسے سالک دیکھے، جنہوں نے دیکھا ساجن،

چلو تو چل کر رات بتائیں، سکھیو! اِن کے آنگن،
جن کا ذرا سا درشن، سب کو سیدھی راہ دکھائے۔

④

چلے ہیں "پب" کو ٹولے، پربت پر ہیں قدم،
ان کے نقشِ قدم تو دیکھوں، میں بھی اے ہمدم،
چھانیں جو ہردم، دشت سراب وہ سالک۔

⑤

پوچھ لے تو "کھاہوڑی" سے، دوجے جگ کا حال،
کیسے ڈھونڈ کے لے آئے ہیں، دشت سے "ڈتھ" کمال۔

⑥

سانجھ بھئی کچھ کر، کیوں بیٹھا ہے غافل،
صبح سویرے چلے ہیں سارے، دشت ہے اُن کی منزل،
کرے گا کیسے حاصل، ثمر تو دوجے جگ کا۔

⑦

بِتے دن یہ دہکتے پربت، سالک دشت نورد،
لو سے چہرے زرد، دل میں عشق کی آگ ہے۔

⑧

اَن دیکھی اَن جانی منزل، ڈھونڈیں دشت نورد،
ٹیلوں سے وہ ٹیک لگائیں، تن پر جمی ہے گرد،

دل میں ایسا درد، کہ گیان پائیں لاحد سے۔

(۹)

محنت کش کو غافل دیکھ کے، کھائیں پیچ و تاب!
گھوم رہے ہیں دشت و جبل میں، چھان رہے ہیں سراب،
سمجھتے ہیں نایاب، میرے یار کی بات بات کو۔

(۱۰)

خاک جمی ہے تن پر، انگ اٹی ہے دھوں،
کبھی نہ پی کا بھید بتائیں، ان کا ہے یہ اصول،
ہنس کر کریں قبول، پریتم کی ہر بات کو۔

(۱۱)

کبھی تو جاکر دیکھ، "کھاہوڑیوں" کے آنگن،
چھپ کر سارے جگ سے، جلائیں جو تن من،
من میں ایسی دُکھن، جاگ کے رین بتائیں۔

(۱۲)

کھاہوڑی! پربت سے، آتی ہے آواز،
کیا تو اس کا راز، پہلے جان نہ پایا۔

(۱۳)

دھن دولت اس جگ میں، کرتے ہیں سب حاصل،
دوجے جگ کی منزل، کھاہوڑی پاتے ہیں۔

(۱۴)

جو ڈھونڈے سو پائے، ثمر کی ہے بہتات،
جانے کون سے عالم سے وہ، لاتے ہیں سوغات،
آن بتائیں بات، وہ اپنے پریتم کی۔

(۱۵)

بڑا کٹھن ہے کام، ثمر کا دشت سے لانا،
جنہیں نہیں آرام، ثمر تو وہ پاتے ہیں۔

(۱۶)

دیکھے ایسے کھاہوڑی جو، چین سے بیٹھ نہ پائیں!
رب کے کارن دکھڑے سہہ کر، نین سے نیر بہائیں،
جاگ کے رین بتائیں، جبھی ثمر وہ پائیں،

(۱۷)

دیکھے ایسے کھاہوڑی، جنہیں نہیں آرام،
فنا ہو جسم تمام، ثمر ملے تب اِن کو۔

(۱۸)

دیکھے ایسے کھاہوڑی جو، سدا ہیں بے آرام،
لو اور تپتی ریت میں اکثر، بھٹکیں صبح و شام،
سہتے ہیں آلام، تبھی ثمر پاتے ہیں۔

۱۹

دیکھے ایسے کھاہوڑی جو، آنکھ نہ موندیں پل بھر،
چھان کے پربت، ویرانوں سے، لاتے ہیں وہ ثمر،
پہنچیں منزل پر، جہاں پہ لاحد لامکاں ہے۔

۲۰

پربت ڈھول سراب، وہیں ہے پریت کی منزل،
دشت و جبل میں چلتے چلتے، پاؤں گئے ہیں چھل،
پریتم جائے مل، ترس پیا کو آئے۔

۲۱

پو پھوٹی تو چلے سفر کو، کھاہوڑی بے باک،
چھان کے جنگل پربت سارے، ہوگئے خاک میں خاک،
ہوا ہے تب ادراک، پربت کے اس پار کا۔

۲۲

آج رما کے دھونی، چھانیں پربت پربت،
ثمر کی من میں چاہت، سفر ہی ان کا جیون ہے۔

۲۳

پاس نہیں ہیں گھوڑے، دور سفر کا دھیان،
ثمر کی خاطر چھان رہے ہیں، دشت جبل ویران،
ان کی یہ پہچان، کہ تن پر اک گدڑی ہے۔

(۲۴)

چین نہیں ہے پل بھر، ذرا نہیں آرام،
کرتے نہیں قیام، دور دیس ہے جانا۔

(۲۵)

پھٹا پرانا بھیس ہے ان کا، چہرے ہیں مغموم،
وہ پائی ہے منزل جس سے، سیانے ہیں محروم،
بھید ہیں سب معلوم، اِن کو پار سفر کے۔

(۲۶)

پھٹا پرانا بھیس ہے، چہرے پیلے زرد،
ایسے دشت نورد، جن کو فکر ہے دوجے جگ کی۔

(۲۷)

پھٹا پرانا بھیس ہے، خالی مشکیں ساتھ،
اشکوں کی برسات، دیکھے ایسے کھاہوڑی۔

وائی

برکھائیں برساؤں، شاید پی کو پاؤں،
بن بھٹک کر ڈھونڈوں، پی کو گلے لگاؤں،
مینہ میں ہرن ملیں جوں، پی سے یوں مل جاؤں،
رم جھم برسیں اکھیاں، بن بادل جل برساؤں،

برہا ماری تڑپوں، پی بن چین نہ پاؤں،
سکھیو! شاہ لطیف کہے، پاس پیا کے جاؤں۔

دوسری داستان

(۱)

جنہیں ہوا عرفان، "گنجے" پربت گام کا،
چھوڑا جگ جہان، بنے ہیں اب لاہوتی۔

(۲)

جنہیں ہوا ادراک، گنجے پربت گام کا،
پڑھے جو تھے اوراق، بھولے، بنے لاہوتی۔

(۳)

جن پر پڑی ہے دھول، گنجے پربت گام کی،
نیند گئے ہیں بھول، بنے ہیں وہ لاہوتی۔

(۴)

جن کو آئی خوشبو، گنجے پربت گام کی،
چھان کے ساری بُو، بنے ہیں وہ لاہوتی۔

(۵)

جنہیں ہوئی پہچان، گنجے پربت گام کی،
سب کچھ کر قربان، بنے ہیں وہ لاہوتی۔

(۶)

آئی جنہیں بو باس، گنجے پربت گام کی،
کر کے ترک لباس، بنے ہیں وہ لاہوتی۔

(۷)

گئے جو گنجو گام، وہاں پرکھ کے دیکھا،
فنا ہے جسم تمام، بنے ہیں وہ لاہوتی

(۸)

گنجے پربت گام میں، تیرا ہے کیا کام،
دیکھ کے اس پربت کو، آئے نہ اب آرام،
وشت تو سارے چھان لیے، جگ سے رہا نہ کام،
سب کچھ کرے حرام، بنے گا تب لاہوتی۔

(۹)

گنجے گام میں گن ہیں کیا کیا، سوچ کے پیر تو دھر،
چلے ہیں اب کھاہوڑی ان کا، دور ہے یار سفر،
دیکھا وہ منظر، کہ لوٹ کے پھر نہ آئے!

(۱۰)

پنچھی پر نہ مار سکے، ایسا ہے وہ مقام،
اب نہ شکاری کتے ہیں نہ، پھانسنے والے جال،
پھنسنا اب ہے محال، کسی کا اس جنگل میں۔

(۱۱)

روتا ہے یہ جنگل اب تو، کہاں گئے وہ شکاری،
کتوں کی آوازیں نہ وہ، پھانسنے والی جالی،
اب تو مصیبت ساری، سب سے دور ہوئی ہے۔

(۱۲)

اب نہ شکاری کتے ہیں، اور نہ وہ صدائیں،
جنگل بھرے ہے آہیں، کر کے یاد شکاری کو۔

(۱۳)

جہاں پہ ایک ہی یار کا ڈیرا، اعلیٰ ہے وہ مقام،
جہاں بہت سے بھٹک گئے ہیں، کر نہ وہاں قیام۔

(۱۴)

اعلیٰ ہے وہ رات کہ جس میں، گم ہو جائے راہ،
رہے نہ کوئی خواہش باقی، رہے نہ کوئی چاہ۔

(۱۵)

کالی رین اور اُجلا دن، نور کے یہ بہروپ،
واں پہ رنگ نہ روپ، جس جا ہے وہ پریتم۔

(۱۶)

باندھ کے تو تحقیق کی گٹھڑی، اس کو سر پر دھر،
سن لے باتیں حق کی پھر تو، کھول دے دل کے در،

آنکھیں موند کے کر، درشن اپنے پی کے۔

(۱۷)

اُڑی ہے دشت میں دھول، قدم پڑے ہیں جہاں،
چلے ہیں "ڈوتھی" "ثمر کی خاطر، پربت کو ہیں رواں،
جانے گئے ہیں کہاں، ویراں ان کے ٹھکانے ہیں۔

(۱۸)

آج نہیں ہیں ڈوتھی، ویرانہ ہے پربت،
اب ہوگی کب زیارت، ڈوتھی کب آئیں گے۔

(۱۹)

سالک سچے کھاہوڑی کو، گئے تھے سب پہچان،
آئے وہ ان کے آنگن میں پھر، مشکل تھی آسان۔

وائی۔۱

خود کو تو پہچان کے کرتی، ان سنگ پریت کا رشتہ،
کس منہ سے جائے گی واں پر، ساجن تیرا جس جا،
اتنے دکھ نہ جھیلتی گر تو، جاتی سنگ پیا،
عشق کی آگ کو دیکھ کے لوٹی، آگ سے ڈر لاگا،
ریت کی صورت بکھر رہی ہوں، دل میں درد تیرا،
انگ انگ میں پریت کی اگنی، جلے ہے یہ جیرا،

دشت و جبل میں بھٹکوں شاید، مل جائے پیارا۔

وائی۔ ۲

نیند بھرے نینن، یہ نیناں نیند کے ماتے،
روئیں یاد کریں نیناں، برسیں جوں ساون،
نیند کے رسیا نین کہاں، پاتے ہیں ساجن،
نیند کی ماری بے گن، چلے بدیس سجن،
لالن لعل لطیف کہے، کب ہوگا یار ملن۔

وائی۔ ۳

تو اپنی دیکھ صفات، مجھ میں عیب ہزار،
بیراگی کی چاکری، کروں میں ساری رات،
باندی کہہ دیں پیار سے، کیسی اچھی بات،
جنگل پربت میں ڈھونڈوں، پو پھوٹے پربھات،
ہاتھ جوڑ کر روؤں میں، اُٹھ کر آدھی رات،
کہے لطیف کہ آخر ہوگی، پی سے پیار کی بات۔

تیسری داستان

(۱)

آن پڑے ہیں مشکل میں، سیدھی راہ نہ پائی،
اندھے بن کر بھٹک رہے کب، دل کی ہے بینائی،
کانوں پر تو مہر لگی ہے، کچھ بھی دے نہ سنائی،
وصل سے وہ محروم ہوئے، بات نہ کرنی آئی،
جگ سویا تو کھاہوڑی نے، اپنی منزل پائی،
پی کے ہیں شیدائی، پل پل درد فراق کا۔

(۲)

چھان لیا ہے پربت سارا، سیدھی راہ نہ پائی،
اُلٹی راہ پلٹ کر دیکھی، سیدھی راہ گنوائی،
دونوں جگ ہیں کھوئے پھر بھی، راہ نظر نہ آئی،
اپنے پی کے کارن یونہی، تن پر خاک سجائی،
بات سمجھ میں آئی، کھاہوڑی کو پی کی۔

(۳)

چھوڑ کے سیدھی راہ کو اب تو، ٹیڑھی راہ پہ چل،
اپنی آگ میں جل، بن کر یار اویسی۔

(۴)

چلے ہیں ٹیڑھی راہ پر، بال ہوئے ہیں بھور،

الجھ گئے جو باتوں میں وہ، ہوگئے پی سے دور،
اپنے پی کے حضور، وہ تو پہنچ نہ پائے۔

۵

چھوڑ دی ٹیڑھی راہ تو سن لی، ان جانی اک بات،
جن کی ہیں یہ صفات، ان کو دیکھ کے آئی ہوں میں

۶

نادانی میں سکھ ہے سائیں!، آگاہی ہے عذاب،
دور ہو یار حجاب، گر بھولے دانائی کو۔

۷

چھان کے دیس بدیس، آئے ہیں کھاہوڑی،
دھول اٹا ہے بھیس، جانے کہاں سے آئے ہیں۔

۸

چلے ہیں بن جنگل کو، تیاگ دیا ہے جہان،
پائیں وہ سچا گیان، دونوں جگ جو تیاگیں۔

۹

آگ لگی ہے جنگل کو، کہاں چھپیں گے رہزن،
طالب اور مطلوب کا آخر، ہوگیا یار ملن۔

۱۰

روتا ہے یہ جنگل، ہوا ہے جو پامال،

اب نہ شکاری کتے ہیں نہ، پھانسنے والے جال،
پھنسنا اب ہے محال، کسی کا اس جنگل میں۔

سُر برو و

سُر بروو

پہلی داستان

(۱)

کس کارن تو غیر کا، بنا ہے یار! غلام،
جو ہے والی جگ کا، اس کا دامن تھام،
وہ پائیں آرام، جن کا عشق اللہ سے۔

(۲)

جیسے آگ کی لپٹوں میں، سسکے ہے سرکنڈا،
ایسے یار کے عشق میں، منوا سلگ رہا،
داغ نہ یوں تن میرا، درد ہے دل میں بید.جی!

(۳)

جان نکال کے لے گئے، کیا ہے یار ستم،
لوٹ لیا جب دل کو، ہوگئے پھر برہم،

کیا کیا ظلم کیے نربل پہ، تو نے اے ہمدم!
جان تو لی جانم!، جسم یہاں پر چھوڑا۔

(۴)

میں ہوں بس بے چاری، پی کے بس میں جان،
ان کے ہجر کا درد اے سکھیو!، دل میں ہے ہر آن،
لب پہ تھی مسکان، خواب میں جب وہ صورت دیکھی۔

(۵)

جیسے دھرتی پر ہاتھی کی، جُھکی ہے سونڈ سدا،
کہے لطیف کہ ایسے ہی تن، پی کی سمت جُھکا،
شاید پیار پیا کا، یوں مجھ کو مل جائے۔

(۶)

پل پل تیری یاد ہے گر، آئے تو اکبار،
پلکیں راہ میں فرش کروں اور، سیج بچھاؤں بال،
بن کے خدمت گار، قدموں میں بچھ جاؤں۔

(۷)

آجائے گر پریتم، پل پل جس کی یاد،
ہو جائے دل شاد، کروں میں پیار کی باتیں۔

(۸)

کیسے دل کا حال کہیں جب، لاگے عشق کا تیر،

عاشق کی تقدیر یہی ہے، نین بہائیں نیر،
منوا! ہو تو سُدھیر، پریتم تو پردیس چلے ہیں۔

⑨

اچھی پریت نبھائی تو نے، دل کو دے گئے غم،
کیسے دل کو بہلا کر ہم، ہاتھ سے دیں جانم!
بتلائیں کیا ہم، اپنے دل کا حال۔

⑩

یہ تو اچھی بات نہیں کہ، ساجن چھوڑ چلے،
پہلے پریت جتائی ہم سے، پھر منہ موڑ چلے،
دل کیوں توڑ چلے، پریت نہیں جب ساجن۔

⑪

تجھ کو پھر نینن نے، کیا ہے یاد اے یار،
پل پل نین سے آنسو ٹپکیں، پل پل نیر کی دھار،
دیکھیں یہ سنسار، پر پیاس بجھے نہ نینن کی۔

⑫

کچھ تو پاس ہیں پھر بھی، دل سے ہیں وہ دور،
کچھ ایسے جو یاد نہ آئیں، کچھ دل میں مستور،
جیسے "کنڈھی[1] پور[2]"، لپٹا ہے پی من سے۔

---

[1] بل دار سینگوں والی بھینس [2] آپس میں لپٹے ہوئے سنگ

(۱۳)

قتل کیا نینوں سے، مجھ کو پاس بلا کر،
ماس تو سارا بانٹا، چھوڑ دیا بس پنجر،
وتوا صو باالحق وتوا صو بالصبر، پی نے یوں فرما کر،
دیکھا جب مسکا کر، تو مجھ کو مار ہی ڈالا۔

(۱۴)

میں بس مانگوں پریتم، دنیا مانگے مال،
دونوں عالم یار پر، فدا کروں فی الحال،
نام سے ہوں میں نہال، دور ہے وصل کی بات۔

(۱۵)

پریت کی ریت سکھائی، لوٹ لیا پھر من،
باندھ کے پریت کا دھاگہ، لے گئے سنگ سجن،
باندھا ہے بندھن، کیا ہے دل کو قابو۔

(۱۶)

جب سے میرے ساجن سائیں، تم پردیس سدھارے،
راتوں کو آرام نہیں اور، دن بے تاب گذارے،
اپنا آپ میں واروں تم پر، میرے یار دلارے،
کھوٹے بھاگ ہمارے، ملے نہ لاکھ جتن پر۔

(۱۷)

جب سے اس پریتم کی، ہوگئی میں شیدائی،
اس دم سے ساجن کو، ایک پل بھول نہ پائی،
جس کی ہوں سودائی، رچا ہے میری روح میں۔

(۱۸)

کبھی تو کھلتے ہیں دروازے، کبھی ہیں بند دوار،
کبھی تو پاس بلائے پریتم، کبھی وہ دے دھتکار،
گاہے ترسوں درشن کو بھی، گاہے ہم اسرار،
ایسا ہے دلدار، میرا صاحب سائیں۔

(۱۹)

تو صاحبزادہ سائیں ہے اور، میں ہوں تیرا غلام،
کروں سدا میں خدمت تیری، رہے نہ اور سے کام،
بیٹھ کے تیرے در پر ہر دم، تیرا ہی لوں نام،
تیری مہر مدام، مجھ پر ہووے ساجن۔

(۲۰)

صورت سندر لیکن، ادائیں کڑوے "ٹوہ"[۱]
کھنچے دیکھ کے روح، جو کھائے وہ جل مرے۔

(۲۱)

تو صاحب تو سائیں، دمکے تیرا جمال،

---

[۱] ایک خوبصورت لیکن کڑوا زہریلا پھل

جڑے ہیں تیرے مکھ پر، نوری نین نہال،
تیرا خواب و خیال، کرے ہے من مستانہ۔

(۲۲)

ان جانا تھا منوا میرا، کبھی نہ کی تھی پریت،
خود ہی آن کے پریتم نے، سکھائی پریت کی ریت،
تب دیکھا وہ میت، جب پریت تھی من میں جاگی

(۲۳)

چھوڑ کے ضد وہ اپنی، آجائے گر ساجن!
کرلوں دل کی باتیں، جب ہو پی کا درشن،
حال سنائے برہن، جب ہو ملن پیا کا۔

وائی

ہوت وہ نینوں کا دلبند، الو میاں!
ہر جا اپنا پریتم دیکھوں، وہ ہی گل وہ قند،
راہ تکوں ساجن کی ہر دم، مشکل ہے ہر چند،
پریتم میرا سب سے سندر، سائیں کی سوگند،
سکھیو! شاہ لطیف کہے ہے، ملے گا وہ دلبند۔

دوسری داستان

(۱)

سن اے شعورِ کامل! تیری، جیسی اعلیٰ شان،
اتنا ہی اے پریتم سائیں!، مجھ پر کر احسان،
بات ذرا سی مان، دیکھ ذرا مُسکا کر۔

(۲)

پل پل میرے جی میں، تڑپے یار تمنا،
تھام کٹاری کاٹ لے تن کو، رحم ذرا نہ کرنا،
ہو احسان اے سجناں، گر مہر کی ایک نظر ہو۔

(۳)

قتل کرے اور حال نہ پوچھے، کیسی ہے یہ ریت،
رتی بھر بھی لہو نہیں ہے، من میں پریت ہی پریت،
چھپ چھپ کر اے میت، ہم نے تجھ کو پوجا۔

(۴)

تیرا قرب اور وصل، جب جب آئے یاد،
کرتا ہے فریاد، میرا بے کل من۔

(۵)

کڑیوں میں جو کڑیاں مل کر، بن جائے زنجیر،
من سے من کو جوڑ کے پی نے، ہم کو کیا اسیر۔

(٦)

ناز سے جب اٹھلا کر سائیں، چلے ہے میرا یار،
دھرتی بسم اللہ کہے ہے، چومے راہ گذار،
حوریں دیکھیں حیرت سے، مچی ہے ہاہا کار،
قسم تیری کلتار، میرا ساجن سب سے سندر۔

(٧)

میرا تن اور من، تیری مِلک ہیں سائیں!
پل پل تیرے دوار پہ آؤں، جھکا کے اپنی گردن،
اپنے یار کے کارن، غیر بھی من کو بھائے۔

(٨)

فانی ہے یہ جہان، دنیا پل دو پل کی،
دھریں گے تجھ کو دھول میں، دھول تیرا استھان،
فانی سب انسان، دھول ہی سب کا مسکن ہے۔

(٩)

تیرے چشم و ابرو، خنجر ہیں خوں خوار،
دل میں فرقت کا گھاؤ ہے، عشق بنا آزار،
مل جائے وہ یار، جس کے ملن کو ترسیں۔

(١٠)

آج بھی میرا یار نہ آیا، دیکھ رہا ہوں راہ،

جس کے کارن جیڑا ترسے، جس کی من میں چاہ،
لائے اُسے اللہ، تو جگ مگ چمکے آنگن۔

(۱۱)

ہجرِ یار ہے سولی، آئے اگر وہ یار،
دُھل جائیں سب دکھڑے، دور ہوں سب آزار۔

(۱۲)

آس ہوئی ہے پوری میرے، ساجن انگنا آئے،
کھل اُٹھا ہے سارا آنگن، دکھڑے آن مٹائے،
ہر اک دکھ دُھل جائے، من ہو اُجلا اُجلا۔

وائی۔۱

مہر کرے گا یار، میری مولا مدد کرے گا،
ہادی! تھام لے ہاتھ، مجھ کو پار اُتار،
ڈول رہی ہے ناؤ، تو ہی کھیون ہار،
مجھ کو یار کے دیس کا، کروا دے دیدار،
تیرے کرم سے سائیں، جائیں گے سب پار۔

وائی۔۲

ساجن اک دن آئے گا، مجھ کو سنگ لے جائے گا،

مجھ اندھی کا ہاتھ پکڑ کر، سیدھی راہ دکھائے گا،
مجھ برہن کی کٹیا میں وہ، ساجن اک دن آئے گا،
اندھیارے رستے ہیں ساجن، جگ مگ دیپ جلائے گا،
سب کا کھیون ہار محمدؐ، بیڑا پار لگائے گا،
آکر آپ لطیف کو جی!، تیری دھیر بندھائے گا۔

تیسری داستان

(۱)

عشق ہے ایسازور آور کہ، سب کے ہوش گنوائے،
دن میں دشت و جبل میں بھٹکیں، رات کو چین نہ آئے،
پل پل یاد ستائے، اپنے بچھڑے پریتم کی۔

(۲)

تجھ بن شہر بھنبھور میں جس کی، اور نہیں ہے سہار،
جاتے جاتے پوچھا ہوتا، اس کا حال زار،
عالم کے سردار!، آ برہن کے آنگن میں۔

(۳)

یوں تو جگ میں ہر اک سائیں، کہلاتا ہے یار،
وقت پڑے تو کام نہ آئے، کوئی نہیں غم خوار۔

④

آج کے انسانوں میں یارو، کہاں ہے وہ اخلاص،
انسانوں کو کھاتے دیکھا، انسانوں کا ماس،
جگ میں نیک عمل کی دائم، رہتی ہے بو باس،
سب کچھ ہے یہ لباس، ہرجا میں وہ ایک ہے۔

⑤

اچھا ہے کہ جیتے جی ہی، دیکھ لیا وہ یار،
جس کے پہلو میں بیٹھیں تو، من کو ملے قرار،
اب تو اے ستار!، پریتم دور نہ جائے۔

⑥

ساجن پریت لگائی ہے تو، اب نہ رشتہ توڑ،
آنکھیں درشن پیاسی ہیں اب، ان سے منہ مت موڑ،
مجھ میں عیب کروڑ!، تو ہی عیب چھپا دے۔

⑦

دل کا دلبر ایک ہو، اور نہ ہوں درکار،
دل تو دے اس ایک کو، ترسیں اور ہزار،
جائیں جو ہر دوار، وہ تو ہیں ہرجائی۔

⑧

گو میرے عیبوں کو، جان گیا دلبر،

کبھی نہ عیب جتائے، وہ طعنہ دے کر،
مہر ہوئی مجھ پر، ڈھانپ دیئے سب عیب۔

(۹)

داتا اب پہنچا دے، مجھ کو پی کے حضور،
مَن جانے کی بات چلی ہے، میرا تھا مذکور،
دوست کا یہ دستور، کبھی نہ رشتہ توڑے۔

(۱۰)

کس سے سیکھے یار!، قتل کے یہ انداز،
ایسی تھام کٹاری سائیں!، جس کی تیز ہو دھار،
کھول کے زخم نہار، رِستا ہے ہر گھاوَ۔

وائی۔ ا

پی کی اعلیٰ ذات سکھی ری!، پی کی اعلیٰ ذات،
ہانک کے لے گئے اونٹوں کو اور، کی نہ کوئی بات،
جت تو پی کو لے گئے اب ہیں، پربت، کالی رات،
مل جائے وہ ساجن سائیں!، رات ڈھلے پر بھات،
سکھیو شاہ لطیف کہے ہے، داتا دے گا دات،

وائی۔ ۲

مجھ کو چھوڑ نہ جا، میرا ساتھ نبھا، کون میرا بن تیرے،
تب بھی وہ تھے سنگ ہمارے، کن فیکون صدا،
اندھیاری اس قبر میں احمدؐ! مشکل حل کر جا!
پہنچ وہاں پہ محمدؐ پیارے، رات نہ دن جس جا،
اُمت کا ہے کون سہارا، تجھ بن اور پیا!
اے طہور پلانا تم ہی، اے میرے آقا!

سُر رامکلی

سُر رامکلی

پہلی داستان

①

کیا کیا جوگی جگ میں ہیں، کچھ نوری کچھ ناری،
جن میں جوت نیاری، بن ان کے کیا جینا ری۔

②

دیکھ تو جوگی جگ میں، عشق سے ہیں بے تاب،
سکھ نہ مانگیں سوامی، دکھ کے ہیں اسباب،
جن کا ہجر عذاب، بن ان کے کیا جینا ری۔

③

لوٹ گئے لاکھوں کو، بول کے میٹھے بول،
جوگی وہ انمول، بن ان کے کیا جینا ری۔

(۴)

اُن کی مہک کو ڈھونڈ رہی ہوں، گئے جو یاں سے لاد،
پل پل ان کی یاد، بن ان کی کیا جینا ری!

(۵)

روؤں ماتھا پیٹوں، ڈھونڈوں پیاری اکھیاں،
ہائے رے اُن کی بتیاں، بن ان کے کیا جینا ری۔

(۶)

اس جوگی بیراگی کو، من سے مت بسرا،
جانے وہ کس اور گیا ہے، ڈھونڈ لے نقشِ پا،
سیدھی راہ ہے سوامی کی، راہ یہی اپنا،
ڈھونڈ اسے جیرا!، بن ان کے کیا جینا ری!

(۷)

بیراگی جب قدم اُٹھائیں، منزل ہے لاہوت،
گُدڑی میں یاقوت، بن ان کے کیا جینا ری!

(۸)

سر جو پُھوٹیں سنکھ سے سائیں!، یہ ہی میرا مال،
سونے کے یہ سنکھ ہیں اُن کو، کون کہے کنگال،
کس دم پورب اور چلیں وہ، اس کا رہے خیال،
اپنا آپ سنبھال، بن ان کے کیا جینا ری!

⑨

سوئی تھی میں سیج پر، چونکی سن کر آہ،
جگا گئے ناگاہ، بن ان کے کیا جینا ری!

⑩

کھینچ لے اپنی اور، باندھ کے پریت کی ڈوری،
سوامی کے سُر سنکھ نے، کھولے بھید ہیں گوری،
جن سے پریت ہے موری بن ان کے کیا جینا ری!

⑪

کھینچ لے اپنی اور، پریت کی ڈوری ڈال،
سُر سے باندھیں من کو، دور ہو رنج ملال۔

⑫

کھینچ لے اپنی اور، پریت کی ڈوری ڈال،
سُر سے باندھیں من کو، دور ہو رنج ملال،
دل کو لیں جو سنبھال، بن ان کے کیا جینا ری!

⑬

سنکھ بجا تو سُر نے، کہی کچھ ایسی بات،
من نے کھائی مات، بن ان کے کیا جینا ری،

⑭

تیرے سنکھ سُروں سے، ہوگئے دور حجاب،

سُر کاٹے ہے من کو، سُروں سے ہوں بیتاب،
ان کا ہجر عذاب، بن ان کے کیا جینا ری!

(۱۵)

سنکھ بجا کر لاد گئے، منوا ہے رنجور،
نینوں سے ہیں دور، بن ان کے کیا جینا ری!

(۱۶)

صبح سویرے سنکھ بجا کر، لاد گئے ہیں ساجن،
ان کو ڈھونڈتے تھکے ہیں نیناں، پا نہ سکی میں درشن،
مہکیں جن کے آسن، بن ان کے کیا جینا ری!

(۱۷)

سوامی آگ جلائیں، چن چن کے خاشاک،
خود بنی کو سنکھ سُروں سے، کریں جلا کے خاک،
ایک نظر تریاق، بن ان کے کیا جینا ری!

(۱۸)

دیکھ کے ویراں آسن، آئے نہ اب آرام،
سنکھ سروں سے چیر دیا دل، گھائل جسم تمام،
روؤں صبح و شام، بن ان کے کیا جینا ری۔

(۱۹)

دیکھ کے ویراں آسن، من میں ہوک اُٹھی،

صبح سویرے سنکھ نہ باجے، لاد گئے بیراگی،
ہیں جو رضا میں راضی، بن ان کے کیا جینا ری۔

(۲۰)

دیکھ کے ویراں آسن، روک سکوں نہ سسکی،
خود بنی کو خاک کیا ہے، ایسے ہیں بیراگی،
ہیں جو رضا میں راضی، بن ان کے کیا جینا ری!

(۲۱)

بیٹھ کے آسن پاس، کرتی ہوں فریاد،
سُروں سے چیرا من کو، گئے بیراگی لاد،
پل پل ان کی یاد، بن ان کے کیا جینا ری۔

(۲۲)

روؤں دیکھ کے ویراں آسن، دل پر رکھ کر ہاتھ،
چلے گئے قلات، بن ان کے کیا جینا ری!

(۲۳)

دیکھنا چاہوں، دیکھ نہ پاؤں، ہوں جن کی شیدائی،
کب ہے اور کسی میں سجنی، اُن جیسی رعنائی،
دیکھا دیکھ نہ پائی، بن ان کے کیا جینا ری!

(۲۴)

سوامی بنے بھکاری، ویراں ہیں سب آسن،

تج کر خود بینی کو، اور بنائیں مسکن،
جن کے ویراں آنگن، بن ان کے کیا جینا ری۔

(۲۵)

سوامی بنے بھکاری، توڑ گئے سب بندھن،
آپ سراپا عشق ہوئے اور، پریت بسی ہے تن من،
مہک رہے جوں چندن، بن ان کے کیا جینا ری!

(۲۶)

سوامی بنے بھکاری، ویراں آسن آج،
آپ سراپا عشق ہوئے، من میں عشق کا راج،
ان کی پریت معراج، بن ان کے کیا جینا ری!

(۲۷)

"نانگے" "نانی" اور چلے، سارے انگ بھبھوت،
چین گئے ہیں لُوٹ، بن ان کے کیا جینا ری۔

(۲۸)

نانگے نانی اور چلے، لاد گئے بے چارے،
رات ڈھلی تو سن نہ پائی، سکھ کے سُر وہ پیارے،
کل جو تھے اِس دوارے، بن ان کے کیا جینا ری۔

(۲۹)

نانگے نانی اور چلے، باندھے ہیں لنگوٹ،

کب آئیں گے لوٹ، بن ان کے کیا جینا ری۔

(۳۰)

نانگے نانی اور چلے، چھوڑ چلے ”ہنگلاج“،
کیے دوارکا درشن، ”مہیسیوں“ نے آج،
علیؑ ہے اب سر تاج، بن ان کے کیا جینا ری۔

(۳۱)

نانگے نانی اور چلے، دُکھڑے ہیں پل پل،
لاد گئے جو کل، بن ان کے کیا جینا ری!

(۳۲)

جوگی جگ سے چھپ کر، چلے ہیں نانی دوار،
پل بھر نہیں قرار، بن ان کے کیا جینا ری!

(۳۳)

جوگ بنا یہ جیون، مجھے نہیں درکار،
جن پر جان نثار، بن ان کے کیا جینا ری!

(۳۴)

کہاں گئے وہ کل، کہاں وہ جوش و خروش،
دیکھ کے ویراں آسن، رہا نہ پل بھر ہوش،
لاد گئے افسوس، بن ان کے کیا جینا ری!

(۳۵)

بھولے اپنا آپ، بھولے یار جہان،
جن کی یہ پہچان، بن ان کے کیا جینا ری!

(۳۶)

خود میں ڈوب کے خود سے، کرتے ہیں گفتار،
جن کے یہ اطوار، بن ان کے کیا جینا ری!

(۳۷)

اپنے آپ میں ڈوب کے، کریں جو باتیں خود سے،
چلے سوامی دور سفر کو، دھونی آج بُجھا کے،
جاتے ہیں وہ رُلا کے، بن ان کے کیا جینا ری!

(۳۸)

خود میں ڈوب کے خود سے، کرتے ہیں جو کلام،
ہر دم جن کے لب پر، دور سفر کا نام،
جیون تیاگ تمام، بن ان کے کیا جینا ری!

(۳۹)

دیکھیں دیکھ نہ پائیں اُن کی، جگمگ کرتی رنگت،
بہروں کی ہے بستی جس میں، چالاکی و حرفت،
ان سے کر نہ غفلت، بن ان کے کیا جینا ری!

(۴۰)

چھوڑ دیا ہے جُز کو، کُل سے ہے اب کام،
جن کا عدم مقام، بن ان کے کیا جینا ری!

(۴۱)

سنکھ بجا کر لاد گئے ہیں، جوگی جوگ کے کارن،
یہیں تھے ان کے آسن، بن ان کے کیا جینا ری!

وائی

سنکھ کی سن آواز، چھپا ہے کوئی راز،
میرے من کو کب موہے گا،
"جت" کے نڑ سے شیریں تر ہے، سنکھ کی یہ آواز،
مرلی کو بھی مات کرے ہے، اس کا سوز و گداز!
جس کے سُروں پہ سوہنی تیری، اس سے اعلیٰ ساز،
"بیجل" کے "کینر" سے گہرا، اس میں کوئی راز،
ہند و سندھ میں کس نے دیکھا، سُروں کا یہ انداز،
کانوں میں یوں رس گھولے کہ من کو کرے گداز،
سن پیارے! کیا سندر سُر ہیں، سُروں کا بن ہمراز،
منوا کب رہتا ہے بس میں، سنے جو یہ آواز،
مالک بھی خود جس کو سراہے، سنکھ کو یہ اعزاز،

ہر اک ساز سے اعلیٰ ہے جو، سنکھ تو ہے وہ ساز،
انساں حیواں سب کو موہ لے، ایسی ہے آواز،
مردوں کو بھی زندہ کر دے، سنکھ کا یہ اعجاز۔

دوسری داستان

(۱)

پہلے دن ہی پرکھ کے دیکھے، بیراگی پر نور،
ایسا کوئی روگ لگا ہے، انگ انگ ہے چور،
کہے لطیف کہ سنیاسی تو، سدا سے ہیں رنجور،
رمز ہے کوئی ضرور، کریں نہ خود کو ظاہر۔

(۲)

دوجے دن بیراگی کے، پوچھ لیے احوال،
گیروے کپڑے دھول اُٹے تھے، جوڑے خستہ حال،
جان بوجھ کر چھوڑ رکھے ہیں، لمبے لمبے بال،
دل میں کیسا درد بسا ہے، کہیں نہ دل کا حال،
خود میں ہیں خوشحال،، کریں نہ خود کو ظاہر۔

(۳)

تیجے دن وہ شوالوں میں، دھونی آن رمائیں،
لے آئیں خاشاک کہیں سے، مل کر آگ جلائیں،

دل میں درد کی دھونی ایسی، لوگ جو جان نہ پائیں،
بھید نہ وہ بتلائیں، کریں نہ خود کو ظاہر۔

(۴)

چوتھے دن سر ٹیک کے اپنا، ہوگئے یار مگن،
اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے، پریت نے کاٹا تن،
دل میں ہے اک درد کی دھونی، دہکے پریت اگن،
جل جل کر کندن، کریں نہ خود کو ظاہر۔

(۵)

جانے کس کے دھیان میں ڈوبے، پانچواں دن جب آیا،
سوامی کے اب انگ انگ میں، پریت نے درد جگایا،
تڑپ تڑپ کے رات بتائی، پل بھی چین نہ پایا،
چاہت کے میدان میں آکر، سب نے پیر جمایا،
پریتم کو اپنایا، کریں نہ خود کو ظاہر۔

(۶)

اور چھٹے دن تڑپ اُٹھے وہ، کر کے پی کا دھیان،
رگ ریشے میں رچا ہوا ہے، سب کے رب رحمان،
سُلگ سُلگ کر راکھ ہوئے ہیں، بیراگی گنوان،
در در مانگیں دان، کریں نہ خود کو ظاہر۔

(۷)

ساتواں دن آیا تو سب نے، دھوئیں خوب جتائیں،
پھر تو سارے الکھ کے آگے، جوڑ کے ہاتھ وہ آئیں،
کہے لطیف کہ یہ بیراگی، دور کی کوڑی لائیں،
چھپ کر سارے جگ سے سوامی، روح میں رام سجائیں،
گدڑی اوڑھ کے آئیں، کریں نہ خود کو ظاہر۔

(۸)

آٹھویں دن وہ لاد چلے اور، بھٹکے بستی بن،
جو ہے جوگ کی ریت پرانی، ان کا وہی چلن،
چھلکے پریت وجود سے ان کے، رام رچا تن من،
جانے کس کارن، کریں نہ خود کو ظاہر۔

(۹)

اور نویں دن جگر جگر ہیں، بن سوئے نیناں،
جوگی نے پہچانا رب کو، برسے رحمت باراں،
جس جا نظریں "ناتھ" جمائے، ڈیرے ڈالیں واں،
وہ ایسے انساں، کریں نہ خود کو ظاہر۔

(۱۰)

دسویں دن اب مہر ہوئی ہے، عجب ہے سج دھج آج،
وصل کی بس تحریر پڑھیں وہ، اور کریں نہ کاج،

ڈھونڈ نکالی راہ گرو کی، پائی منزل آج،
عشق کا یہ معراج، کریں نہ خود کو ظاہر۔

(۱۱)

گیارہویں دن کچھ ایسا اُن پر، پی کا ہوا کرم،
کشٹ کیے اور منزل پائی، چلے ہیں سوئے حرم،
روکیں اپنا دم، کریں نہ خود کو ظاہر،

(۱۲)

بارویں دن کو منزل پائی، ہوئے نہ یار نراس،
کرلی حرم کی زیارت اب تو، پوری ہوگئی آس،
پہنچے گر کے پاس، ان کو مان ملا ہے۔

وائی

ماں! بیراگی آئے، سوامی سنگ چلے ہیں،
حرص ہوا کو ترک کیا ہے، سکھ نہ ان کو بھائے،
تیاگ سے ایسی لذت پائی، سب کچھ چھوڑ کے آئے،
بند کریں وہ پٹ آسن کے، جن کو تیاگ لبھائے
ریشم اور کمخواب کے بستر، اپنا آپ لٹائے،
چل کر دیکھیں جوگی جو ہیں، انگ بھبھوت رمائے،
کہے لطیف کہ جوگی سوامی، آج میرے گھر آئے۔

تیسری داستان

(۱)

جانے کیسا درد ہے دل میں، نین بہائیں نیر،
آٹھ پہر ہی الکھ کا ان کے، چبھے ہے دل میں تیر،
دائم ہی اپنے صاحب کا، خوف ہے دامن گیر،
سفر میں ہیں بل بیر، چلو تو ان کے دوار چلیں۔

(۲)

ایسا کوئی درد ہے دل میں، سدا ہیں بے آرام،
کیا کیا گھاؤ جڑے ہیں جی میں، لب پر اور کلام،
دل میں درد مدام، چلو تو ان کے دوار چلیں۔

(۳)

بھٹکیں دیس بدیس، روندیں ہر اک راہ،
پورب پار چلے ہیں، دور دیس کی چاہ،
الکھ سے ہیں آگاہ، چلو تو ان کے دوار چلیں۔

(۴)

اپنا آپ بُھلا دے سوامی، رہ بے خود مدہوش،
اچھا بھیس لبھائے تجھ کو، ہائے رے صد افسوس،
جسے نہ خود کا ہوش، جوگی وہ کہلائے۔

⑤

اپنا آپ بھلا دے، رہ بے خود مدہوش،
کہے لطیف کہ لاہوتی کو، کہاں ہے اپنا ہوش،
فکر ناؤ نوش، پھر جوگی کیوں کہلائے۔

⑥

کیا کیا جوگی پنتھ ہیں جگ میں، کان کٹے، ”کن چیر“،
اُتر کی جب چلیں ہوائیں، صبر کی وہ تصویر،
ایسے کشٹ اُٹھائے، پنجر بھیو سریر،
ہوگئے فنا فقیر، چلو تو ان کے دوار چلیں۔

⑦

”کان کٹے“ ”کن چیر“، جو چھدوائیں کان،
ڈھونڈھیں ایک ہی منزل، بیراگی گنوان،
خود سے جو بے دھیان، چلو تو ان کی دوار چلیں۔

⑧

”کان کٹے“ ”کن چیر“، کانوں کو چھدوائیں،
آن کے بیٹھیں آسن میں، دھونی بیٹھ رمائیں،
مٹی پر سوجائیں، چلو تو ان کے دوار چلیں۔

⑨

باندھے ہیں لنگوٹ، رچ کر ہوئے ہیں لال،

کہے لطیف کہ بیراگی کو، موہ سکا نہ مال،
جن کا ہے یہ حال، چلو تو ان کے دوار چلیں۔

(۱۰)

"کان کٹے" "کن چیر، "کان چھدے" "کن ڈھار"
جاتے ہیں ہنگلاج کو، سارا بوجھ اُتار،
سب کچھ کیا نثار، چلو تو ان کے دوار چلیں۔

(۱۱)

چل کر وجد و مستی میں، دیکھیں ان کے آسن،
کیا کیا ان کے احساں مجھ پر، مہر بھرے ہیں ساجن،
طور طریقے احسن، دیکھ کے سیدھی راہ ملی۔

(۱۲)

ویراں کر کے سارے آسن، لی ہے رام کی راہ،
ڈگر ڈگر پہ ڈھونڈا ان کو، ڈھونڈ نہ پائی آہ،
ڈھونڈے آج نگاہ، جانے وہ کس اور گئے۔

(۱۳)

جل کر پریت کی آنچ میں، سوامی ہوئے کباب،
دونوں کو وہ ایک ہی جانیں، گناہ ہو یا کہ ثواب،
پل پل خون کی رنگت جیسا، ٹپکے نین سے آب،
مانگے کون حساب، ان سے اعمالوں کا۔

(۱۴)

سنکھ دھرا ہے کاندھوں پر اور، درد کی دولت ساتھ
لاد چلے وہ کابل کو، کوئی جو سُوجھی بات،
کرتے گئے کل رات، باتیں من مندر کی۔

(۱۵)

درد کی دولت ساتھ ہے اِن کے، اوڑھا درد کا بھیس،
نقش ہے ان کے دل پر ہر دم، پریتم کا سندیس،
صبح گئے پردیس، سوامی سنکھ بجا کر۔

(۱۶)

دیکھ کے ویراں کٹیا میرے، من میں ہوک اُٹھے،
کیوں تھی بنائی کٹیا جس کو، آخر چھوڑ چلے۔

وائی۔۱

وہ جوگی کہلائے، جس کا من ہی مالا،
وہ جوگی ہے وہ سوامی ہے، جس کے کان میں بالا،
چل مندر میں اِلااللہ، ست گر سنگ اُجالا۔

وائی۔۲

میری آس بندھا کے، دور گئے ہیں لوٹ آئیں گے،

اک دن آئیں گے بیراگی، دھونی خوب رما کے،
پل پل راہ تکوں جوگی کی، راہ میں نین بچھا کے،
دکھ سے موہے مکتی دیں گے، پیار کی بات سنا کے،
لے جائیں گے مجھ برہن کو، پریت کی ریت نبھا کے،
ایسا میرا ساجن سکھیو!، مہر کرے گھر آ کے۔

چوتھی داستان

(۱)

گر تو جوگی بننا چاہے، توڑ دے سارے رشتے،
کیوں گردن کو خم کر کے تو، جائے دوست کے آگے،
کیوں نہ ان سے مانگے، جو جان کے ہیں انجان۔

(۲)

گر تو جوگی بننا چاہے، رشتے ناتے توڑ،
لم یلد ولم یولد ہے، اس سے رشتہ جوڑ،
اس کی پریت کو اوڑھ، تو پہنچے پیار میں پار۔

(۳)

گر تو جوگی بننا چاہے، گرو کی ریت نبھا،
جائے جب ہنگلاج کو تو تو، رہے نہ حرص و ہوا،
من ہو پریت بھرا، تب درشن ہو ناتھ کا۔

(۴)

گر تو جوگی بننا چاہے، چھوڑ دے طمع تمام،
داسوں کے جو داس ہیں ان کا، بن جا یار غلام،
صبر کی لے شمشیر اور دل سے، کینہ کاٹ تمام،
جوگی تیرا نام، ہوگا تب لاہوتی۔

(۵)

گر تو جوگی بننا چاہے، لے تب گرو کی راہ،
دکھڑوں سے رکھ چاہ، ہنس ہنس دکھڑے جھیل۔

(۶)

گر تو جوگی بننا چاہے، اپنے نفس کو مار،
پیار سے پھیر تو مالہا سائیں!، من میں اگنی بار،
اس ساجن کے کار، رضا میں رہ تو راضی۔

(۷)

گر تو جوگی بننا چاہے، پی لے فنا کا پیالہ،
خودبینی و خودداری سے، کرلے یار کنارہ،
وحدت کا نظارہ، کرے گا تب اے سوامی!

(۸)

گر تو جوگی بننا چاہے، دائم رہ خاموش،
کیوں چھدوائے کان اے جوگی!، کانوں کا کیا دوش،

گیروا بھیس اب چھوڑ پہننا، پاؤں نہ ہو پاپوش،
کوئی نہ دے گا دوش!، تجھ کو گرو کے آگے۔

⑨

جوگ تو حسن ہے جوگی کا، جوگ کا حسن ہے جوگی،
جوگی! تیرے من میں ہے، بھید کی بات چھپی،
ہائے ری قسمت میری، میں نے جوگ نہ سیکھا۔

⑩

جوگی کے کب گن ہیں تجھ میں، لے نہ جوگ کا نام،
دور ہے منزل، راہ کٹھن ہے، ذرا نہیں آرام،
روتے گئے ہر گام، سوامی پی کی اور۔

⑪

جوگ لیا تو جان گنوائی، جینے سے کیا کام،
کان لگا کر سن لے جوگی!، جوگ کا یہ پیغام،
جوگ میں اپنا آپ گنوادے، لے نہ خودی کا نام،
خودی سے کیا ہے کام، ناداں! چھوڑ خودی کو۔

⑫

لوگ تو دکھ کو بپتا جانیں، دکھ جوگی کا جیون،
دکھ میں ہیں وہ مگن، دیکھ تو ان کو دھیان سے۔

(۱۳)

جوگ سے تیرا چاؤ، ابھی نہیں ہے کامل،
من میں پریت کی اگنی، انگ انگ ہو گھائل،
قطرہ قطرہ دل، جب آنسو بن بن ٹپکے۔

(۱۴)

یا تو کامل جوگی بن یا، لے مت جوگ کا نام،
کیوں چھدوائے کان اے جوگی!، صبر سے سہہ آلام،
کرتے ہو بدنام، تم تو سچے جوگی کو۔

(۱۵)

نہ تو کسی سے ناطہ جوڑیں، وہ نہ کسی کے یار،
ان سے پریت ہوئی ہے جن کو، پورب سے ہے پیار،
آٹھوں پہر ہی جوگی کو، "ناتی" کا ہے بچار،
کہے لطیف کہ سوامی من میں، جگا گئے ہیں پیار،
میں بھی اے ستار، رنگ جاؤں اس رنگ میں۔

(۱۶)

جن کے پیٹ بھرے ہیں ان کو، جوگ سے ہے کیا کام،
کرتے ہیں بدنام، جوگ کو بھر کر پیٹ۔

(۱۷)

اے دل! جھوٹا جوگ مت اپنا، جوگ بنا مت جی!

نہ تو سچی بات بتا اور، نہ کہہ تو جھوٹی،
کر لے رام کو راضی، سہے گا ورنہ دکھڑے۔

(۱۸)

کان تو ناری چھدواتی ہے، تو مت چھدوا کان،
جوگی سر کے سوداگر ہیں، تجھ کو پیاری جان،
پوچھنا ہے تو پوچھ لے سائیں، گونگے پائیں نہ گیان،
جان کے بن انجان، منزل تب پائے گا۔

(۱۹)

چھدوا اپنے کان، بن کر تو بل بیر،
دل میں عشق کا تیر، کھالے سوامی ہاتھوں۔

(۲۰)

دل میں عشق کی دھونی، اب تو یار رما،
لاکر پریت کی اگنی، اپنے من میں جلا،
اگنی وہ سلگا، جو پانی بن نینن سے ٹپکے۔

(۲۱)

یہ نسوانی جوگ ہے، چھدوائے گر کان،
تج دے جھوٹ کپٹ کو جوگی، سچ کو تو پہچان،
ٹھکرا یار جہان، تب پائے گا رام۔

(۲۲) (۲۳)

من سے سننا سیکھ اے جوگی، کان ہیں یہ بیکار،
یہ تو خر کے کان ہیں ان سے، سننا ہے دشوار،
من سے سن لے یار!، تو سندیس پیا کے۔

وائی

نیناں دیپ جلا کر، جاگ رجھا لے ساجن،
محبت کا میدان ہے مشکل، دیکھ یہاں تو آکر،
وہ بھی روتے ہی گئے جو، ملے ہیں جان گنوا کر،
وہ پریتم کو کیا پائیں گے، سوئیں جو ستا کر،
من میں رکھیں آس ملن کی، پوجا دیپ جلا کر،
ملن بدھائی دیں گے پریتم، میرے انگنا آکر۔

پانچویں داستان

(۱)

ایسے ہیں سنیاسی جن کے، زانو کوہِ طور،
سر زانو پر سجدے میں ہیں، اپنے پی کے حضور،
پی کے پاس جو پہنچے آقا، دو ہی کمان تھے دور،
روئے زمیں پڑ ہر شئے فانی، قدرت کا دستور،

مومن کو تو دوست رکھے اور، جھلک دکھائے نور،
موسیٰ تو بے ہوش ہوئے تھے، جلوہ کوہِ طور،
نافرماں نہ ہونا جانیں، کریں نہ کوئی قصور،
دیکھ لیا وہ ساجن اپنا، سب سے جو مستور،
دیکھ سکے نہ سن پائے ہیں، پھر بھی ہیں مسرور،
کچھ بولیں نہ آگے جائیں، ان کا یہ دستور،
ان کا حال حضور، کیا پوچھو ہو ہم سے۔

(۲)

جن کے زانو طورِ سینا، نظارہ ہے مدام،
چھوڑ چلے پورب کو سوامی، خودبینی کے دام،
ڈھانپا راز کی اک چادر سے، اپنا جسم تمام،
باندھے ہیں احرام، اُلفت کے سنیاسی۔

(۳)

جن کے زانو طورِ سینا، نظارہ ہے مدام،
طالب المولیٰ مذکر، ہر پل یہی کلام،
سکھ تو چھوڑ چکے ہیں سوامی، سکھ سے اب کیا کام،
ایک الف کا نام، دھیان میں ہے اب ہر دم۔

(۴)

جسم تو جامع مسجد ان کے، زانو ہیں محراب،

تن کا کریں طواف وہ سوامی، من قبلے کا باب،
لب پر ہیں تکبیریں حق کی، سارا جسم کباب،
کیسا روزِ حساب، رچا ہے روح میں ہادی۔

۵

پی کا منہ محراب، مسجد ہے یہ جہان،
دل پہ نقش ہوا ہے، سارا ہی قرآن،
ایسی منزل پائی، عقل جہاں حیران،
ہر سُو ہے سبحان، کریں کہاں پہ سجدہ۔

۶

زانو پر تو سر رکھا ہے، دل میں یقینِ کامل،
پی کے قرب کی منزل، ہر جوگی نے پائی۔

۷

پی کے قرب کے منزل پائی، گئے لاہوت سے آگے
مہر بلب ہیں سارے، لفظ بھی بول نہ پائیں۔

۸

من میں اگنی پریت کی، دھول اَٹے ہیں انگ،
بیٹھے ہیں ایکانت میں، جھوٹ کپٹ سے جنگ،
اوگن وہ نہ اپنائیں، گنوانوں کے ڈھنگ،
جلنے کی ہے ترنگ، جل جل ہوئے وہ کندن۔

(۹)

توڑ دے اب یہ دھاگے، دھونی تو نہ رما،
واذکر ربك فی نفسك، من میں آگ جلا،
جس نے پی دیکھا، وہ کیا خودی دکھائے۔

(۱۰)

یہ تو ریت امیروں کی کہ، چھدوائیں وہ کان،
سر کٹوا تو پاس بلائیں، جوگی وہ گنوان،
یھدی اللہ النورہ من یشاء، ان کی ایسی شان،
ان کا یہ استھان، دونوں جگ وہ تیاگ چلے۔

(۱۱)

جگ کو تیاگ کے جوگی، چلے ہیں پورب پار،
کہے لطیف کہ لاد چلے ہیں، اب لاہوتی یار،
واللہ یدعوالی دارالسلام، صاحب کی ہے پکار،
جھوٹا یہ سنسار، سب کو حیراں کر دے۔

(۱۲)

کیونکر ایسی ریت یہ سوامی، اپناتے ہیں یار،
نہ تو خوف ہو دوزخ کا نہ، جنت سے ہے پیار،
نہ اسلام سے کوئی ناتہ، کفر سے نہ تکرار،
ان کو پی درکار، اور نہ کچھ وہ مانگیں۔

(۱۳)

چلے گئے تو یوں لگتا ہے، کبھی نہ تھے وہ پاس،
آسن کیے اداس، سنکھ بجا کر لاد گئے۔

(۱۴)

دھیان میں ہے اندازِ طریقت، اور شریعت راہ،
پالیں جب وہ رمزِ حقیقت، معرفت کی چاہ،
ہیں انعام میں تینوں عالم، پھر بھی دور نگاہ،
لی ہاہوت کی راہ، ہیں لاہوت سے آگے۔

(۱۵)

نکلے ہیں ناسوت سے آگے، چلے ہیں اب ملکوت،
جوگی گئے جبروت، سنکھ بجا کر سارے۔

(۱۶)

بھٹکے تو ناکام ہوئے، بن بھٹکے پایا یار،
خود میں پایا کھول دیئے جب، دل تیرتھ کے دوار،
توڑیں جسم کی زنجیریں اور، ختم ہوا آزار،
کابل اور کشمیر گئے کب، ایسے جوگی یار،
جن کو سچ سے پیار، گھر بیٹھے پایا ہے گُر کو۔

(۱۷)

اب امید نہ آس ہے کوئی، یاس بھری ہے گدڑی،

عمر رضا میں گذری، من میں سکھ ہی سکھ ہے۔

(۱۸)

اب امید نہ آس ہے کوئی، خود کو یاس سے ڈھانپا،
کبھی تو ان کے سنگ ہیں گھوڑے، کبھی ہیں پاؤں پیادہ
یوں تیریں وہ ساگر میں جوں، تیرے کوئی تنکہ،
لائیں نہ لب پہ شکوہ، شکر ہے ان کا شیوہ سائیں۔

(۱۹)

رچ کر لال ہوئے ہیں سارے، پایا اپنا لال،
مُلکِ عدم مین ڈیرے ڈالیں، پایا ہے وہ کمال،
ساگر دیا کھنگال، گیان سے ہر جوگی نے۔

(۲۰)

سہتے ہیں سب جان پر، سردی، پالے، طوفاں،
کوئی نہیں ہے نگہباں، ان کا بن اللہ کے۔

(۲۱)

اب امید نہ آس ہے کوئی، عدم بنایا آسن،
مانگیں اور نہ نردھن، رضا کی دولت پائی۔

(۲۲)

کیوں جھجکتا ہے اب سوامی، اُٹھا تو یار قدم،
ان کی ہر اک سانس کا سائیں!، بن جا تو محرم،

دھیان سے چل ہمدم!، راہ اپنا لے رب کی۔

وائی

نین نیند گنوائی، کیا کیا جوگی کے گن دیکھے،
اپنا آپ مٹائیں جوگی، گر کی کریں گدائی،
اُن کی رمز ادا نے من میں، کیسی جوت جگائی،
کیسے نین میں نیندیا ہو جب، پی سے پریت لگائی،
ان کی بولی ایک پہیلی، کوئی بوجھ نہ پائی،
وحدت سے ہی ان کی ہستی، دوئی راس نہ آئی،
نیند کے ماتے نیناں جاگیں، دغا نہ دل میں آئی،
ان اللہ ویرحب الوتر، ان کی ہے سچائی،
رجھا کے مجھ کو رمز سے، مجھ کو راہ دکھائی،
سکھیو! شاہ لطیف کہے کہ، صاحب کرے بھلائی۔

چھٹی داستان

①

ایسی چُھری چلی ہے دل پر، ایسی اس کی کاٹ،
درد میں سارا دن بیتے اور، تڑپ تڑپ کر رات،
جوگی ہے وہ ذات، پل بھی جسے نہ چین۔

②

لب پہ باتیں اور ہیں، بسا ہے روح میں رام،
مے ازل کے پیالے بھر کر، پئیں وہ جام پہ جام،
کیے ہیں بند تمام، آسن کے دروازے۔

③

لب پہ باتیں اور ہیں، بسا ہے روح میں رام،
دُھول جمی ہے بالوں میں اور، سفر کے ہیں آلام،
میں تو صبح و شام، یاد کروں جوگی کو۔

④

دھول جمی ہے بالوں میں، ہر دم ہے ماتم،
کیسے کوئی جان سکے کہ، کیا ہے درد و الم،
جیون بھر کا غم، جیون غم میں کاٹیں۔

⑤

بیٹھے بیٹھے برسوں بیتے، دھول اَٹے ہیں بال،

پل کو الکھ سے آنکھ نہ پھیریں، عجب ہے ان کا حال،
من میں اگنی پریم کی ہے، بھورے ہو گئے بال،
ٹپ ٹپ ٹپکے نین سے، نیر لہو سا لال،
دکھڑوں میں خوشحال، جیون دکھ میں بتائیں۔

(۶)

اُلجھی اُلجھی سی ہیں جٹائیں، بیت گئے ہیں سال،
گیان تو جھونکا آگ کے اندر، بھورے ہو گئے بال،
توڑ دیئے ہیں خودبینی و خودداری کے جال،
ست گر وہ ننگ پال، اپنی گدڑی میں دیکھا ہے۔

(۷)

جوگی سے کب جھک سکتا ہے، عشق جھکائے ناتھ،
رم جھم ہے برسات، ان کے یار شوالوں پر۔

(۸)

ناتھ کے آگے خود جھکتے ہیں، اور نہ جھکائیں ناتھ،
نہ تو جوگ ہی ساتھ لیا نہ، وہ ہیں جوگ کے ساتھ،
بتلاتے ہیں بات، اَن دیکھے الماس کی۔

(۹)

روز وہ دھوئیں گدڑی، لب پر ہر کا نام،
جو نہ رِجھائیں رام، ناتھ جھکے کب ان کے آگے۔

(۱۰)

روز ہی دھوئیں گدڑی، لب پہ رام کا نام،
جو خواہش کے غلام، ناتھ جھکے کب ان کے آگے۔

(۱۱)

باندھ کے پریت کے دھاگے، رہتے ہیں سب ساتھ،
تن من پاک پوتر ہے، پاک ہیں یار صفات،
جاگیں وہ دن رات، روتے جائیں رام کی اور۔

(۱۲)

ان کے خس خاشاک ہیں، جیسے "جائن" پھول،
ان کی پریت نے مارا جن کی، مہک رہی ہے دھول،
کی ہے میل قبول، کیسا اُجلا باطن ہے۔

(۱۳)

کھڑے ہیں وہ بازار میں، لب پہ گُر کا نام،
سورہ پڑھیں سبحانؔ کی، کریں نہ اور کلام،
مُکھڑا مے کا جام، مست ہیں عشق کی مستی میں۔

(۱۴)

جوگی انگ بھبوت، چلے ہیں من تڑپا کر،
لاد چلے ہیں سوامی، جیئرا میرا جلا کر،
سوامی سنکھ بجا کر، چھوڑ گئے ہیں شوالے۔

وائی

ان نینن نے اُلجھایا، کروں کہاں فریاد،
درماں کی بے کار دوا نے، روگ کو اور بڑھایا،
بیراگی کی سندرتا نے، سرتاپا جرکایا،
پی کی پریت بنا اے سجنی!، دوجی پریت ہے مایا،
پی کی پریت ہے کامل جیسی، میگھ کی سندر چھایا،
کہے لطیف کوی وحدت نے، پلٹی من کی کایا۔

ساتویں داستان

(۱)

فاقوں میں سرمست ہیں، بھوک میں یار مگن،
صدا لگائیں ویرانوں میں، پھیلائیں نہ دامن،
سدا ہیں خوش نردھن، درد کی دولت پائی۔

(۲)

فاقوں میں سرمست ہیں، طعام سے ہیں بیزار،
صدا لگائیں ویرانوں میں، کسی کے نہ وہ یار،
ہے افلاس سے پیار، درد کی دولت پائی۔

(۳)

فاقوں میں سرمست ہیں، بھوک سے ہیں خوشحال،
خالی پیٹ ہی لاد چلے ہیں، اب تو سوئے شمال،
دور ہوا جنجال، درد کی دولت پائی۔

(۴)

نہ تو کاسوں میں کچھ مانگیں، نہ دامن پھیلائیں،
کیسے یار مہیسی جوگی، اور کے در پر جائیں،
فتویٰ کیوں دلوائیں، من میں لگی عدالت۔

(۵)

در در بھیک جو مانگیں ان کو، ذرا بھی ہو پہچان،
دشت میں پائیں دان، کبھی نہ مانگیں بھیک۔

(۶)

سانجھ سمے کو سوئیں سوامی، جاگیں آدھی رات،
کہے لطیف کہ تڑپ اُٹھیں جب، رات ڈھلے پر بھات،
جگ سوئے تو چلیں سفر کو، ایسی ہیں عادات،
ہر سُو اس کی ذات، پیر کدھر پھیلائیں۔

(۷)

سانجھ سمے کو سوئیں سوامی، رات ڈھلے تو جاگیں،
دیکھ تو انگ بھبھوت مہیسی، مکھ پر دھول سجائیں،

رات ڈھلے تو چوراہوں پر، بیٹھک آن جمائیں،
کسی کو نہ بتلائیں، کہ ہم ہیں جوگی سوامی۔

(۸)

دن کو جاگیں سانجھ سمئے کو، لیں وہ گُدڑی تان،
بھوک سے لب پر جان ہو لیکن، کبھی نہ مانگیں دان،
تن میں کوئی طلب نہیں ہے، فاقے ہیں ہر آن،
اِن کی یہ پہچان، لب پر مہر لگی ہے۔

(۹)

ایسے کس کر رسے باندھے، جسم ہوئے لاغر،
تن کو کوئی طلب نہیں ہے، لیں نہ زادِ سفر،
گئے وہ اس رہ پر، پہنچے کابل تیرتھ۔

(۱۰)

ایسے کس کر رسے باندھے، جسم ہوئے کمزور،
کھنچتا ہے کب من سوامی کا، کسی طعام کی اور،
بندھی ہے پریت کی ڈور، رام بنا کوئی اور نہ بھائے۔

(۱۱)

ایسے کس کر رسے باندھے، جسم ہوئے نربل،
ایسے کشٹ اُٹھائے سب نے، انگ ہوئے ہیں شل،
سارے کشٹ سُھپل، راہ نہ چھوڑیں گر کی۔

(۱۲)

جوگی آج یہاں سے، لاد گئے پردیس،
اب تو ان کے من میں، اور بسا ہے دیس،
نیا پہن کر بھیس، لاد چلے بیراگی۔

(۱۳)

ایسی شرم ہے آنکھوں میں، سب کا کریں ادب،
نہ تو ہیں ماں باپ ہی ان کے، نہ کوئی نام نسب،
آٹھوں پہر ہی جوگی کے، رہا ہے روح میں رب،
نہ کچھ اور طلب، ان کی گدڑی خالی۔

(۱۴)

چھوڑ دے یار لنگوٹ، جا جوگی کے پاس،
من میں پریت بسا لے، دکھوں کی لے میراث،
پہنائیں گے لباس، ڈھانپیں گے سب عیب۔

(۱۵)

ایسے پاک پوتر ہیں کہ، نہیں وضو کا دھیان،
جو اسلام کے پہلے گونجی، سن لی وہ آذان،
چھوڑے سوانگ اور گیان، ملے ہیں گورکھناتھ سے۔

(۱۶)

دل کی ہر اک خواہش کو، دیا ہے سب نے تیاگ،

دیکھ سروں پہ لہرائی ہے، سرخ سہاگ کی پاگ،
ہائے رے میرے بھاگ، سوامی مجھ کو چھوڑ گئے۔

(۱۷)

کاش کہ لوٹ کے آئیں، جوگی میرے آنگن،
دور کریں سب دکھڑے، انگنا آکر ساجن،
بیراگی دیں درشن، کریں وہ پیار کی باتیں۔

(۱۸)

ٹپ ٹپ ٹپکیں خون کے آنسو، نین بہائیں نیر،
جب سے پہن لیے ہیں بالے، کانوں میں ہیں چیر،
توبہ کی تاثیر، بنے ہیں سچے جوگی۔

(۱۹)

گیان سے کوئی کام نہیں ہے، ایسے ہیں وہ یار،
جن کے یہ اطوار، چھوڑ چلے ہیں آسن۔

(۲۰)

انگ جلائے اگنی، ماس جلے پل پل،
دیکھ کے من تڑپے گا، ویراں جوگ محل،
لاد گئے وہ کل، ترس نہ کھایا برھن پر۔

(۲۱)

اپنی پوجا کرواتے ہو، چھوڑو بالک چیلے،

کہے لطیف کہ کیوں پہنے ہیں، آخر گیروے کپڑے،
تب تیر تھ پہ پہنچے، جب تو مارے من کو۔

(۲۲)

تج دے اپنی خودبینی کو، جوگ کو اُتم مان،
تیرے بالک چیلے سارے، ہیں جنجالِ جان،
سب کچھ کر قربان، جوگی تیاگیں جگ کو۔

وائی

بیراگی بے کل، سنکھ بجا کر لاد چلے،
کبھی تو بھٹکیں پورب کو اور، بھٹکیں بن جنگل،
جوگی اگنی تاپ رہے، میرے نین سے برسے جل،
جوں چندن کی لکڑی سلگے، سلگوں میں پل پل،
کبھی نہ مانگیں بھیک وہ سوامی، نہ ہی چلائیں بل،
کہے لطیف کہ وہ بیراگی، آج آئیں یا کل۔

آٹھویں داستان

(۱)

صبح کو لاد چلیں گے صابر، رات کے ہیں مہمان،
کہے لطیف کہ جوگی کارن، تڑپ تو اب ہر آن،
جوگی ہیں مہمان، کب پھر مل پائیں گے تجھ سے۔

(۲)

صبح کو لاد چلیں گے صابر، رات کو ہیں اس آنگن،
جی بھر کے تو کر لے گوری!، اب جوگی کا درشن،
جانے کب ہو ملن، چوم لے ان کے پاؤں۔

(۳)

آج ہیں تیرے آنگن میں، جی بھر کر لے بتیاں،
دن میں دس دس بار اے گوری!، خود کو کر دے قرباں،
کب ملنے کا امکاں!، گئے اگر ھنگلاج کو جوگی۔

(۴)

جب تک ہیں وہ آنگن میں، بیٹھ تو ان کے پاس،
چلے ہیں دور سفر کو، دور دیس کی آس،
دیس نہ آیا راس، گنگا اور چلے ہیں۔

(۵)

جب تک ہیں آنگن میں، جا تو ان کے پاس،
سوامی چلے سفر کو، دھیان میں صحرا پیاس،
جوگی رمز شناس، مہر سے ہی ملتے ہیں۔

(۶)

جب تک ہیں وہ بیٹھک میں تو، جا ان کے آنگن،
دیکھ کہ اب لاہوت سے، ملا ہے ان کا من،

ہجر و فراق و درد و الم کے، عادی ان کے تن،
جائیں گے وہ نردھن، اک دن کابل تیرتھ کو۔

(۷)

آج نہ جوگی ہیں حُجروں میں، اور نہ شب بیداری،
اب تو بس ان کی یادیں ہیں، رولے ہجر کی ماری،
دیکھ تو تو اے پیاری!، تیرے پاس سے لاد چلے ہیں۔

(۸)

آج نہیں ہیں ان حُجروں میں، ان کے میٹھے بول،
دیکھ کے ویراں ویراں آسن، من ہے ڈانواڈول،
لاد گئے انمول، جن کو دیکھ کے جیتی تھی تو۔

(۹)

آج نہیں ہیں ان حُجروں میں، وہ باتیں وہ محفل،
ہجر کی آگ میں جل جل کر اب، راکھ ہوا ہے یہ دل،
جن کی تو ہے بسمل، لاد گئے وہ جوگی،

(۱۰)

آج نہیں ہے ان حُجروں میں، بیراگی کی ذات،
یار کے ہجر میں روتے روتے، رات ڈھلی پر بھات،
لاد گئے وہ رات، جن سے پریت لگی ہے۔

(۱۱)

آج نہیں ہے ان حُجروں میں، وہ خس اور خاشاک،
بیراگی تو لاد گئے ہیں، اُڑتی ہے اب خاک،
جن کا پنتھ ہے تیاگ، لاد گئے وہ جوگی۔

(۱۲)

آج نہ روئیں حُجروں میں، جوگی زار قطار،
ہائے وہ بے کل جوگی جن سے، مندر میں مہکار،
اب نہ سنکھ صدائیں ہیں نہ، کھلے ہیں بند دوار،
لاد گئے وہ بیراگی اور، مٹ گئے سب آثار،
سنیاسی کی یاد سے من میں، ہُوک اُٹھے ہر بار،
پریت کا بندھن یار، باندھ کے لاد گئے ہیں۔

(۱۳)

آج نہیں ان حجروں میں، دھونی دھواں اور باٹی،
میرے من کو مست بنا کر، لاد گئے بیراگی،
جن سے پریت ہے لاگی، وہ مجھ کو روتا چھوڑ گئے۔

(۱۴)

ملن ہوا تو جی اُٹھی میں، دور ہوا آزار،
دیکھا پورب پار، اندھی نے جوگی کے دم سے۔

⑮

ملن ہوا تو جی اُٹھی میں، جوگی میں ہے جان،
اُن سے ہوئی پہچان، سنگ تھے جن کے ساتھ۔

⑯

ملن ہوا تو جی اُٹھی میں، دیکھے پورن جوگی،
من کی بند کلی تھی وہ، کھل کر پھول ہوئی۔

⑰

ان پر میرا حق تھا جب تک، جوگی تھے مہمان،
منکے، صورت، گیان، بھول نہ پاؤں ان کے۔

⑱

ان پر میا! حق تھا جب تک، یہاں تھے وہ گنوان،
آسن اب ویران، دیکھ کے جیڑا روئے۔

وائی۔۱

جن کے کان میں چیر، لاد گئے بیراگی،
قبا کی دھج سے منوا لوٹیں، لوٹیں یار فقیر،
ان کے حلم کی دھیمی آگ میں، سُلگ رہا ہے سریر۔

وائی۔ ۲

کیا کیا جوگی جگ میں، میری پریت ہے بیراگی سے،
پونجی پاس نہیں ہے، خالی دامن، کاسے،
دھول اَٹے ہیں انگ سکھی اور، سدا ہیں بھوکے پیاسے،
بیٹھی ہوں میں راہوں میں، گاتی ہوں گیت برھا کے،
بیراگی کو یاد کروں میں، نین سے نیر بہا کے،
سکھیو مجھ برہن پر کیا کیا، احساں بیراگی کے،
کہے لطیف کہ بیراگی میں، کیا کیا گن ہیں دیکھے۔

نویں داستان

(۱)

بھوک بھری ہے گدڑی، مکھ پر عجب نکھار،
طلب نہ ان کو طعام کی، پیاسے ہی سرشار،
کہے لطیف کہ خواہش کو، سمجھیں وہ آزار،
پہنچے پی کے دوار، روند کے ویرانوں کو۔

(۲)

گدڑی ہے نہ چادر، تن پر نہیں لنگوٹ،
ہر صورت کی اوٹ، دیکھیں اپنا صاحب۔

(۳)

گدڑی ہے نہ چادر، اور لنگوٹ نہ باندھیں،
جس جانب بھی دیکھیں، دیکھیں اپنا صاحب۔

(۴)

تن پر نہیں لنگوٹ، گدڑی ہے نہ چادر،
سب کچھ کریں نچھاور، وہ ہی دیکھیں صاحب۔

(۵)

نہ لنگوٹ نہ چادر ہے نہ، گدڑی ہے تن پر،
وہیں پہ آگ جلائیں جوگی، جہاں ہو ویراں کھنڈر،
جبروتی وہ رہبر، سنکھ بجا کر لاد چلے۔

(۶)

جوگی سوامی عشق کا، باندھے ہیں لنگوٹ،
جیسے آئے جگ میں، ویسے گئے وہ لوٹ،
ذرا نہیں ہے کھوٹ، دیکھ انہیں اب پورب میں۔

(۷)

جیسی چاہ طعام سی، منزل کی ہو چاہ،
پا جائیں وہ راہ، دور ہوں سارے دُکھڑے۔

(۸)

جیسی چاہ طعام کی ہے، مانگیں گر اللہ،

مل جاتی تب راہ، دور ہوں سارے دُکھڑے۔

⑨

نیند سے اُٹھتے ہی جو جوگی، لیں طعام کا نام،
ان کا جوگ ہے خام، کیوں جوگی کہلائیں۔

⑩

پیٹ بھرے ہیں اوروں کے اور، ان کو بھوک اور پیاس
عید نہ آئے راس، سدا ہیں وہ روزے سے۔

⑪

بھیس نیا جو مانگے، رکھے طعام سے چاہ،
پائے نہ وہ اللہ، دور ہے وصل کی منزل۔

⑫

کیسی باتیں لے بیٹھا ہے، ہو جا اب تیار،
آج تو مر جا یار!، کل تو سب کو مرنا ہے۔

⑬

چلے ہیں اور بھی آگے، چھوڑ کے "گنجو" گام،
اپنے گر کی راہ میں، فنا ہے جسم تمام،
کریں کبھی نہ راہوں میں، بیراگی آرام،
ملا ہے راہ میں رام، اب کیا کشٹ سفر کے۔

(۱۴)

سدا ہیں پُر نم آنکھیں، سدا سے ہیں بے چین،
جاگ بتائیں رین، بے کل یہ بیراگی۔

(۱۵)

سوئیں نہ وہ سنیاسی، نیند بھی ہے کم کم،
آنکھیں ہیں پُر نم، جاگ کے رات بتائیں۔

(۱۶)

اب بھی ایسے سنیاسی ہیں، بیٹھے سنکھ بجائیں،
سُر سے راز بتائیں، گر تو دھیان سے سن لے۔

(۱۷)

جوگی یار نفی کی، دھونی من میں رما،
لے آ اگنی عشق کی، تن من تو سلگا؛
ایسی منزل پا، آگ جہاں ہو پانی۔

(۱۸)

کیسے رب کو بسرائیں جو، جانیں موت اٹل،
جائیں دور سفر کو سوامی، چین نہیں اک پل،
سارے کشٹ سپھل، دھلے ہیں نیند سے نیناں۔

(۱۹)

جو ہے ہر جا حاضر ناظر، اس سے پریت نبھا،

جو نہ پریت نبھانا جانیں، ان سے کیا رشتہ،
اس کو مت بسرا، توڑ دے دوجے رشتے۔

(۲۰)

آنکھیں کر لے بند اے جوگی، بھٹک نہ جنگل بن،
پریت کی جوت سے روشن ہو من، بھڑکے پریت اگن،
من میں ہو یہ لگن، کہ جانا ہے ہنگلاج

(۲۱)

مندر میں جب جھانک کے دیکھا، آسن تھے ویراں،
جوگی تو "جامیر" سدھارے، دھونی، دھوپ کہاں۔

(۲۲)

دیپ بنا مت ڈھونڈ اے جوگی، ڈھونڈنا ہے دشوار،
تب تک چھوڑ نہ آسن جب تک، کہے نہ خود وہ یار،
تب وہ چھوڑ دوار، لاد چلے جب سنیاسی۔

(۲۳)

دیپ بنا مت ڈھونڈ اے جوگی، ڈھونڈنا ہے دشوار،
جوگی لاکھ ہزار، اندھیارے میں بھٹک گئے ہیں۔

(۲۴)

جس کو سمجھا دیپ ہے، وہ ہے سورج جوتی،
کیسے آنکھیں اندھی، دیکھیں چڑھتا سورج۔

(۲۵)

واں تو ناتھ کو ڈھونڈ نہ پائیں، جہاں ہے اس کا ڈیرہ،
دور دیس میں بھٹک گئے ہیں، جن کو وہم نے گھیرا،
یہاں ہے "ناتھ" بسیرا، یونہی وہ ہنگلاج چلے ہیں۔

(۲۶)

کچھ جوگی تو جان گئے ہیں، کہاں ہے ناتھ کا ڈیرا،
دل میں یقینِ کامل ہے اور، لگائیں یوں ہی پھیرا،
یہاں بھی ناتھ بسیرا، انہوں نے تو ہنگلاج میں پایا۔

(۲۷)

راہ سلوک کی چھوڑ نہ سوامی، سیکھ لے اتنی بات،
جا تو ان کے ساتھ، جو جاتے ہیں دور سفر کو۔

(۲۸)

جن میں خودبینی خودداری، کیسے پائیں منزل،
من له المولی فله الکل، یہ منزل کر حاصل۔

(۲۹)

عاشق یار فقیر یہ جوگی، صدا لگائیں سائل،
من عرف الله کل لسانه، اس کے امین کامل،
نفی کی پائیں منزل، عدم میں ڈالیں ڈیرے۔

(۳۰)

گذر گئی جو گذر رہی ہے، اس کو کر نہ قبول،
علیؑ کا مان اصول، تو سکھ پائے سنیاسی۔

(۳۱)

لیں وہ علیؑ کی راہ، دھول ہے جن کی دولت،
تیاگ دیئے ہیں سارے آسن، جمی ہے دور نگاہ،
ان کو کیا پرواہ، دنیا گر دے طعنے۔

(۳۲)

کیوں تو رمائے دھونی رکھ لاہوت سے آگے گام،
غیر کا کیوں ڈھونڈے ہے سہارا، غیر سے کیا ہے کام،
اس کا دامن تھام، جو ہے زماں و مکاں سے آگے۔

(۳۳)

توڑ دے سارے دھاگے، کیوں تو رمائے دھونی،
واذکر ربک فی نفسک، من میں جلالے اگنی،

(۳۴)

بھڑکی اگنی بیراگی کی، بھیگ چلی جب رات،
آؤ تو ہم بھی چل کر سینکیں، اس اگنی پر ہاتھ،
ملے وہ جوگی ذات، جس سے پریت ہوئی ہے۔

(۳۵)

ہری کے رنگ میں رنگ گئے ہیں، مانگیں نہ پوشاک،
پھٹے پرانے بھیس میں خوش ہیں، لاہوتی عشاق۔

(۳۶)

بھوک ہی ان کی بھیک ہے، دھول ہی ان کی دھوپ،
دھاریں ایسا روپ، کہ دیکھ کے اچرج ہوئے۔

(۳۷)

گدڑی، سنکھ اور جنیو، تینوں ہیں بے کار،
سب نے اپنے اپنے کاسے، توڑ دیئے ہیں یار،
جب لاہوت سے پیار، پھر کیا رشتہ جگ سے۔

(۳۸)

بھاڑ میں جائے گدڑی، سنکھ بھی ہوں سب خاک،
جوگی پنتھ جو سچا ہے، اس کا رکھ ادراک،
ناداں سمجھیں پاک، شومت کے سنکھوں کو۔

(۳۹)

پہن لے گدڑی اور اوڑھ لے چادر، ان کو اب مت تیاگ،
اے دل! آج رچا لے تو بھی، جوگ کے سنگ سہاگ،
اس کا رکھ ادراک، یہ سنکھ نہیں شومت کے۔

(۴۰)

گرو نے دی جو گدڑی، وہ ہی میری شان،
لے آسن، کر دھیان، عجز سے اوڑھ کے گدڑی۔

(۴۱)

اگر اُتاروں گرو کی گدڑی، مجھ کو آئے لاج،
گدڑی بن مہراج!، چیلا کون کہے گا۔

(۴۲)

گرو نے دی جو گدڑی، مجھے وہ بہت سہائے،
پریتم تک پہنچائے، اوڑھے گر تو عجز سے۔

(۴۳)

جن کا باطن پھٹا پرانا، ظاہر میں گلفام،
گدھوں کے ہیں وہ غلام، جگ میں ایسے جوگی۔

(۴۴)

تن پر پھٹی پرانی گدڑی، باطن سارا ریشم،
جو ہے ان کا پریتم، اس کے ہیں وہ غلام،

(۴۵)

کثرت جان نہ دیکھ کے، طرح طرح کے پھول،
جوگی! یہ مت بھول، بس وہ ایک ہی ہے ہر جا۔

(۴۶)

چھوڑ دیئے ہیں سکھ، توڑ دیئے ہیں کاسے،
سارے دُھل کر پاک ہوئے، تن من میں اُجیارے،
توڑ کے بندھن سارے، گل سے مل کر گل ہوئے۔

(۴۷)

بھید پہیلی ان کی بولی، ایسی جوگی ذات،
دور ڈگر پہ چلیں سفر کو، کیسی مشکل بات،
ان کی یہ عادات، کوئی سمجھ نہ پائے۔

(۴۸)

جس کے کارن جوگ لیا جب، اس کو دیکھ نہ پائیں،
تڑپ کر رات بتائیں، پی درشن کے پیاسے۔

(۴۹)

نہ مسکائیں نہ کچھ کھائیں، نہ ہی کریں وہ بات،
ان کی یہ عادات، جانے وہ کس دھیان میں گم ہیں۔

(۵۰)

پوچھ پتا جوگی کا، اس کے آسن آ کر،
حق کا ہو جو خوگر، پردے اُٹھ جائیں گے۔

(۵۱)

ن کو تو اشنان کریں اور، رات رِجھائیں رام،

ان کا جوگ ہے خام، لذت سے ہے کام جنہیں۔

(۵۲)

دیکھا کچھ لاریب، ڈر کر ہو گئے دور،
جوگی سمجھیں عیب، پوجا کے ہر اک آسن کو۔

(۵۳)

جن کی گدڑی بھی خالی ہے، اور ہیں خالی ہاتھ،
دے جائیں وہ دات، حاصل حال و مستی ہو۔

(۵۴)

باطن میں تو جوگی بن جا، ظاہر پہن لباس،
درد کی آنچ سے سُلگے جوگی، سارا تیرا ماس،
ہر سُو ہو بو باس، تیری مہکتی جان کی۔

(۵۵)

جس جا عرش نہ آسماں، نہ ہی زمین ذرا سی،
پونم کی نہیں پورنماشی، سورج کی نہیں جوتی،
کہے لطیف کہ اس منزل پر، پہنچے ہیں سنیاسی،
ناتھ نشانی دیکھی، دیکھا ناتھ نفی میں۔

وائی۔۱

جوگی کیسی ذات، زور آور یہ ذات، جوگی من کو بھائے

ان کی یاد ہے دل میں، دن ہو چاہے رات،
آئیں گے وہ ساجن، رات ڈھلے پربھات،
من میں ملن کی آس، پل پل پی کی بات،
ملنے کارن کروں عبادت، بھیگ چلے جب رات،
شاہ لطیف کہے ہے یوں، داتا دے گا دات۔

وائی۔ ۲

راول رہے نہ رات، سکھی ری! راول رہے نہ رات،
پی بن پل نہ بیتے سکھیو! کیسے بیتے رات،
بیراگی نہ میت کسی کے، ایسی جوگی ذات،
سنکھ نے من کو چیر دیا ہے، لاد گئے پربھات۔

سُر کاپائتی

سُر کاپائتی

پہلی داستان

(۱)

تنہا سوت نہ کات اگر تو، ماہر ہے کاتار[1]،
لوٹا دیں نہ سوت کہیں وہ، دیکھ کے اُلجھا تار۔

(۲)

تنہا کاتنے والیاں سب، پاتی ہیں دولت،
وہ تو تار نہ نکلے مجھ سے، جس کی ہو قیمت۔

(۳)

پل پل بیتا جائے سکھی ری!، جتنا کاتے کات،
یوں تو سب ہی کاتیں لیکن، کسی کے سندر ہاتھ،
سمجھیں جو یہ بات، وہ چین سے بیٹھ نہ پائیں۔

---

[1] کاتنے والی

(۴)

پل پل بیتا جائے اے گوری!، جتنا کاتے کات،
کل آئے جب عید تو تیرے، خالی ہوں نہ ہاتھ،
روئے نہ ہیہات!، کل سکھیوں کے جھرمٹ میں۔

(۵)

سمئے گذرتا جائے سجنی!، کرلے کل کا دھیان،
کا ہے وقت گنوائے بیٹھی، کات تو اے نادان!
جن کو ہے پہچان، لوٹا دیں نہ سوت کہیں وہ،

(۶)

ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہے، سہلاتی ہے انگ،
کل آئے گی عید تو ناداں!، ہوگی ننگ دھڑنگ،
ہوگا روپ نہ رنگ، سب سکھیوں کے جھرمٹ میں

(۷)

دھاگہ ڈال کے چرخے میں تو، کیوں نہ کاتے آج،
کل کو ہار سنگھار کرے اور، سب کی ہو سرتاج،
جن کا ہے یہ کاج، وہ تو سکھ سے سو نہ پائیں۔

(۸)

آج بھی نین نیند بھری ہے، اور نہ کاتا کل،
تجھ پر مہر کرے گا کب تک، تیرا وہ سھنل۔

(۹)

آج بھی نین نیند بھری ہے، اور نہ کاتا کل،
ٹوٹ گئی چرخے کی ڈوری، دھاگے میں ہے بل،
کاتیں نہ پل پل، ان کے یہ کرتوت ہیں۔

(۱۰)

کاہل بن کے وقت گنوایا، کیا نہ کوئی کاج،
کل بھی کات نہ پائی سجنی!، اور نہ کاتا آج،
کل آئے گی لاج!، تجھ کو پی انگنا میں۔

(۱۱)

دیکھ عمریا بیت چلی ہے، اب بھی کات لے تار،
ماہر کاتنے والیاں ہیں، ان کی لے تو سہار،
کہلائے "کاتار"، کل صراف کے سامنے۔

(۱۲)

کندن تیرے ہاتھ ہیں، کیوں نہ کاتے سوت،
تنہا بیٹھ کے کات نہ پائی، کیسے یہ کرتوت،
کہیں نہ ہو مبہوت، کل صراف کے سامنے۔

(۱۳)

ٹوٹا چرخہ کاتے جا تو، جب تک نیا نہ آئے،
کاہل بیٹھ کے وقت گنوانا، تجھ کو کب یہ سہائے،

جانے کون چلائے، نیا نیا کل چرخہ۔

(۱۴)

خود کو چاہا، وقت گنوایا، پریتم ہوئے خفا،
ڈال چھریا گردن میں تو، چرخہ آن چلا،
جان کہ مول ملا، جیسا سوت بھی کاتے۔

(۱۵)

بھاگ کو مت ٹھکرا، کانپ کانپ کے کات،
وہ تو پل پل کاتیں جن کے، سندر سندر ہاتھ۔

(۱۶)

من میں رکھ کر میل، ستھرا سوت بھی کاتیں،
سوت پرکھنے والے، سوت کو ٹھکرا دیں۔

(۱۷)

من میں رکھ کر پریت وہ چاہے، جیسا سوت بھی کاتیں،
تول بنا دیں مول کریں نہ، ٹھکرانے کی باتیں۔

(۱۸)

جانے کیسی پریت ہے من میں، کاتیں پل پل کانپیں،
سوچیں مول ملے گا اچھا!، چرخہ آن چلائیں،
سُوت پرکھنے والے ان کی، سندرتا کو چاہیں،
سُوت نہ وہ لوٹائیں، تول بنا ہی مول دیں۔

(۱۹)

سوت انہی کا ستھرا سکھیو!، چھپ چھپ کر جو کاتیں،
چرخے کی آواز ہے ایسی، خود بھی سن نہ پائیں،
کہے لطیف کہ جگ سے چھپ کر، کاتیں پل پل کانپیں،
ہیرے بھی لوٹائیں، سوت بڑا انمول ہے انکا۔

(۲۰)

دھیان سے دھنوا کر لے آئیں، رُوئی اب کی بار،
کہے لطیف کہ ان کے ہاتھوں، نکلے سندر تار،
موتی، ہیرے یار!، مول ملا ہے ململ کا۔

(۲۱)

کچھ تو کاتیں عرب میں، کابل کچھ قندھار،
ستھرے سوت کے بدلے پائیں، ہیروں کا انبار،
ان کو مت دُھتکار، جن کا دھاگہ اُلجھ گیا ہے۔

(۲۲)

پونی ڈال کے جھولی میں، در در صدا لگائے،
میں ہوں کاتنے والی کوئی، مجھ سے بھی کتوائے۔

(۲۳)

چرخہ ٹیڑھا اُلجھا دھاگہ، میں تو کات نہ پاؤں۔
آخر کب تک سکھیوں سے میں، سوت اُدھار لے آؤں،

سکھیوں میں مسکاؤں، جب ہو مہر پیا کی۔

(۲۴)

گر ہے اصلی کاتنے والی، کبھی نہ ہو مغرور،
جو کاتا بے کار گیا اب، چرخہ چکنا چور،
کانپیں پی کے حضور!، جو ہیں کاتنے والیاں۔

(۲۵)

کہاں وہ کاتنے والیاں، چرخے ہیں ویران،
دھول دھری ہیں پونیاں، کہاں گئیں گنوان۔

(۲۶)

آج گئیں کس اور، جو کات رہی تھیں کل،
ٹوٹی چرخے ڈور، اُجڑے اُجڑے آسن ہیں۔

(۲۷)

نہ وہ کاتنے والیاں، نہ وہ رُوئی کے کھیت،
روتی ہیں اب اکھیاں، دیکھ کے اُجڑے ہاٹ۔

(۲۸)

جھولی میں بھر لائیں، کات کے سندر تار،
ان کا پلڑا بھاری ہے، جن کے من میں پیار،
ن کے پونی یار، من کو چین ملا ہے۔

(۲۹)

ستھرا سُوت نہ کات سکیں، وہ لائیں اُلجھا دھاگہ،
ان کے سوت کو ستھرا جان کے، کب صراف نے تولا،
سوت اگر ہو تھوڑا، پھر بھی ان پر مہر پیا کی۔

(۳۰)

کات رہی تھیں کل، آج ہیں وہ حیران،
جن کے سوت میں بل، وہ پیاری ہیں صراف کو۔

(۳۱)

چلی ہے چرخے اور، بھر کر اپنی جھولی،
سوئی ہے سکھ چین سے، اس کی ہر ہمجولی۔

(۳۲)

چرخہ دھر کر دھیان میں، کاتیں آدھی رات،
ان پر مہر پیا کی ہے، کیا کیا احسانات۔

(۳۳)

پرکھا جب یہ سُوت، تو نکلے عیب ہزار،
اک اک کو تب پاس بلا کر، پوچھا دے کر پیار،
بے گن میں کاتار، اچھا سُوت نہ کاتا۔

وائی

من میں سوچ بچار اے ناداں! من میں سوچ بچار،
دھیاں سے دُھنوا کر تو رکھ لے، ہر پونی تیار،
پھر یہ تیرے ہاتھ بُنینگے، سندر سندر تار،
تیری پونی پنچھی لے گئے، چرخہ گرد و غبار،
نین نیند ہے کیسے کاتے، تجھ کو نیند سے پیار،
کہے لطیف کہ رات ڈھلے تو، کات تو من کے تار۔

سُر پورب

سُر پورب

پہلی داستان

(۱)

چھوکر پیر پیا کے، کیجیو یار سلام،
یاد سے دیجیو یار کو، کاگا یہ پیغام،
سائیں کی سوگند ہے، دھیرے لیجیو نام،
جو میں کروں کلام، یاد سے کہیو یار سے۔

(۲)

سائیں کی سوگند ہے، کاگا رے! اڑ جا،
میں جو دوں پیغام پیا کو، سانس میں اس کو سما،
میرے پی کے سوا، اور سے جا مت کہیو۔

(۳)

کاگا رے! لے آ، پریتم کا سندیس،
آن بتا کب آئیں گے، پریتم میرے دیس،
پیا گئے پردیس، ان کو پھر ملوا دے۔

(۴)

کاگا! بیٹھ تو ڈالی پر، پی کا دے سندیس،
لاتا ہے سندیس تو سب کا، سب کا خیر اندیش،
پیا گئے پردیس، ان کو پھر ملوا دے۔

(۵)

میرے پیا ہیں آنے والے، کاگا اُڑ کر جا،
پریتم جو پردیس گئے ہیں، سنگ اُنہیں لے آ۔

(۶)

میرے پی ہیں آنے والے، آن سُنا یہ بات،
ان کو لے آ پاس اے کاگا!، وہ جو گئے قلات،

(۷)

جائے بسے جو دور، ان کو لے آ پاس،
جن کے کارن نیر بہاتے، نین ہوئے بے نور،
آن کے ایسی بات سنا کہ، منوا ہو مسرور،
کر دیں معاف قصور، اڑ کر لا پریتم کو۔

(۸)

پریتم ہیں پردیس میں لے تو، ان کی خیر خبر،
پنکھ ترے سونا جڑواؤں، جھلمل ہر اک پر،
گھوم پیا کے گھر، آکر دے سندیس پیا کا۔

(۹)

آن کے بیٹھ تو ڈالی پر، دیس کے کہہ احوال،
کیسے تھے وہ ساجن میرے، دیس تو تھا خوشحال،
اب تو یہ ہے حال، کہ پل پل راہ تکوں پریتم کی۔

(۱۰)

آن اٹریا بیٹھا کاگا، لایا ہے پیغام،
میں آنگن میں چرخہ کاتوں، وہ لے پی کا نام،
من پائے آرام، سن کر اس کی باتیں۔

(۱۱)

سکھیو! آج اٹریا پر سے، کاگ اڑایا کس نے،
میٹھی بولی بول رہا تھا، آکر دیس پیا سے،
ڈھل جاتے سب دکھڑے، سنتی پی کی باتیں۔

(۱۲)

کاگا! دوں میں نکال کے، تجھ کو اپنا من،
چُن چُن من کو کھائیو، سجنا کی آنگن،

کہے وہ میرا ساجن، ”وار دی جاں برہن نے“۔

(۱۳)

آن اُتریا بیٹھا کاگا، بولا ایسے بول،
ہُوک اُٹھی برہن کے من میں، سوت دیا سب رول
چرخہ ڈانواں ڈول، کات نہ پائے برہن۔

(۱۴)

آن اُتریا بیٹھا کاگا، دیکھو جوش و خروش،
لایا ہے سندیس سجن کا، خوشی سے ہے مدہوش،
سکھی! تو رہ خاموش، سننے دے سندیس پیا کا۔

(۱۵)

آن اُتریا بیٹھا کاگا، کی کچھ ایسی بات،
آنکھ میں چھائی تاریکی، کات نہ پائیں ہاتھ،
سن کر اس کی بات، تڑپن لاگی برہن۔

(۱۶)

آن اُتریا بیٹھا کاگا، بولے ایسے بول،
کیا کیا باتیں کرے پیا کی، بول ہر اک انمول،
چرخے ڈوری کھول، تو سنوں سکھی میں باتیں۔

(۱۷)

آ بیٹھیں وہ پیڑوں پر اور، کاگا بولن لاگیں،

ڈالی ڈالی آج پیا کا، وہ سندیس سنائیں،
جھوٹ تو بول نہ پائیں، کاگا پریتم دیس کے۔

(۱۸)

کاگا پریتم دیس کا، جھوٹ تو بول نہ پائے،
پریتم کا سندیس کبھی وہ، لے آئے لے جائے،
دل کا درد مٹائے، بول کے ڈالی ڈالی۔

(۱۹)

اُڑ کر پی کے دیس سے آیا، جھول رہا ہے ڈال،
پنکھ ہیں اس کے مہکے مہکے، کیسی سندر چال،
آکر بیٹھ میرے آنگن میں تو، کہہ پی کے احوال،
من کا یار ملال، ڈھل جائے اک پل میں۔

(۲۰)

کاگا لایا آج، پریتم کا سندیس،
آئیں گے وہ انگنا میں، پورے ہوں گے کاج،
گھر آیا سرتاج، آس میری بر آئی۔

(۲۱)

کیسا روگ لگا ہے، کیوں ہے آج اداس،
پل کو دھوپ نہ سہہ سکتا تھا، آج آئی کیوں راس،
تجھ کو دیکھ اداس، کاگے کاں کاں بولیں۔

(۲۲)

میرے اور پی کے رشتے کا، تو تھا یار وسیلہ،
پی تک نہ پہنچایا تونے، جو سندیس دیا تھا،
راہ سے لوٹ کے آیا، لایا ہے سندیس پیا کا۔

(۲۳)

تو جو آن کے ڈال پہ بیٹھا، جھوم اُٹھا ہے جی،
ٹہنی ٹہنی ڈول کے تونے، بات پیا کی کی،
اُڑ جا جہاں ہے پی، تو ساجن انگنا آئے۔

(۲۴)

کاگا میری چٹھی تو، ساجن کو جا دے،
پریتم کیوں پردیس میں جاکر، برہن کو بھولے،
ساجن! من ترپے، تجھ بن اب برھا میں۔

(۲۵)

جب سے پی پردیس گئے ہیں، اور بڑھی ہے چاہ،
میرے پی جس اور گئے اس، اور تکوں ہر گاہ،
دیکھ رہی ہوں راہ، آئے تو سندیس کبھی۔

(۲۶)

کاگا مجھ برہن پر، تیرے ہیں احسان،
صبح سویرے اُڑ جا کاگا، تجھ پہ واروں جان،

منت کرنا پریتم کی، کہنا "اے" گنوان!
چھانا ایک جہان، تجھ سا اور نہ جگ میں۔

(۲۷)

آیا پی کے اور سے، جھول رہا ہے ڈال،
دیتا ہے سندیس پیا کا، چونچ پروں میں ڈال،
پہنچائی ہے بات پیا کی، جو ہے لالن لال،
ٹھک ٹھک ہے چال، آیا پی نگری سے۔

(۲۸)

کتا ہو یا کاگا، آئے جو پریتم دیس سے،
قرباں ہو جا منوا، اس پر لاکھوں بار۔

(۲۹)

کاگا کو قاصد نہ بنا جو، کھاتا ہے مُردار،
جس کو پیٹ کی فکر لگی ہو، جائے نہ پی کے دوار،
کاں کاں ہے گفتار، کیسے دے سندیس پیا کو۔

وائی

ناتہ ٹوٹ نہ پائے، جوگی سنگ ہے پریت کا ناتہ،
"چل تیرتھ ہنگلاج چلیں"، جوگی یوں فرمائے،
سکھیو پورب پار مجھے، جوگی خود لے آئے،

خود ہی پنتھ اور خود ہی تیرتھ، جوگی جو کہلائے،
اس تیرتھ کی اور سکھی ری!، جوگی راہ دکھائے۔

دوسری داستان

(۱)

پریت سے ہوں سرشار، جوگن بن کر بھٹک رہی ہوں،
مارے تیر ہے یار، وہ اپنے نینن سے۔

(۲)

مُسکاتے وہ نین سجن کے، کرتے ہیں سرشار،
اس کی ایک مسکان سے میرے، دور ہوئے آزار،
فاقوں سے کب یار، ہجر سے ہیں ہلکان یہ سوامی۔

(۳)

سانجھ بھئی تو جوگی من میں، سُلگی درد کی دُھونی،
پریت اگن میں سجنی!، جل کر راکھ ہوئے ہیں۔

(۴)

سکھ مانگے، سوامی کہلائے، کیے نہ کشٹ، جتن،
تھک کر تم تو بیٹھ گئے جب، دیکھی راہ کٹھن،
یوں تو جوگی نام ہے لیکن، کیے نہ پی کے درشن،
جوگی! پریت کا بندھن، کبھی نہ ٹوٹے ساجن سے۔

⑤

سکھ مانگے سوامی کہلائے، تن کو دے آرام،
چھپ چھپ کر اور در در جا کر، مانگے بھیک طعام،
خواہش کا ہے غلام، پہن رکھے ہیں بالے۔

⑥

ویراں کر گئے آسن، بھیگ چلی جب رات،
سن نہ پائی سنیاسی کی، باتیں میں پربھات،
سنیاسی کی ذات، میت نہیں برہن کی۔

⑦

آج سویرے لاد گئے، ویراں کر گئے آسن،
مہکیں ان کے تن من، کستوری خوشبو سے۔

⑧

ویراں کر گئے آسن، چلے وہ پورب پار،
چھوڑ کے یہ سنسار، ڈھونڈ رہے جگ دو جا۔

⑨

من نے پورب پار میں، ڈھونڈا ہے ہر بار،
جوگی نے سندیس نہ بھیجا، دل سے دیا بسار،
پردیسی تھے یار، سنکھ بجا کر لاد گئے۔

(۱۰)

کس سے کروں شکایت، پورب کی ہوں گھائل،
سارے جگ کو سمجھاتے ہیں، آپ ہوئی ہوں پاگل،
اس کا درد ہے پل پل، جس جیسی میں ہو نہ پائی۔

(۱۱)

پورب پورب تب کریں جب، پل پل یاد ہو پورب،
سکھیو! پریت کے مارے نیناں، روئیں ہر صبح ہر شب،
جس کا مشکل ملن اب، اس کی طلب میں جیئرا ترسے۔

وائی

نیناں روک نہ پاؤں، آپ سجن میرے نین کے وارث
جگ مگ نیل گگن یہ کیسا، کیسی سندر "بھوں[۱]"
سرجن ہار کی سندرتا یہ، صدا ہے کن فیکوں،
جھوٹے جگ میں جیون ہے یوں، رین بسیرا جوں،
الف سہارا، احمد پی کی، میں تو داسی ہوں،
آپ سجن میرے نین کے وارث۔

---

[۱] زمین
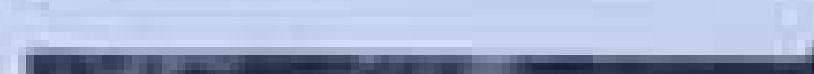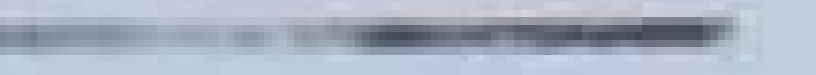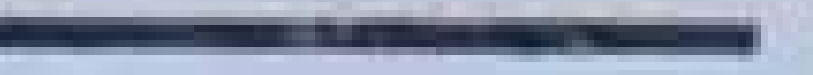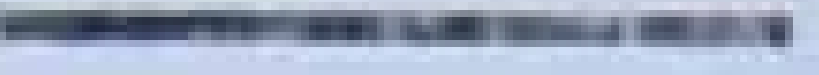
سُرکار ایل

سُر کارایل

پہلی داستان

①

بولی بول کے وحدت کی، دیکھو ہنس اُڑا،
اڑ کر پار گیا، راہ کے ہر اندھیارے سے۔

②

سب بگلوں کو چھوڑ کر، ہنس اُڑا آکاس،
تال وہ آیا راس، جس میں پرتو یار کا۔

③

نظروں میں گہرائی، دیکھ رہا ہے تال،
ان کا ہے شیدائی، جو موتی ہیں پاتال میں۔

(۴)

تال کنارے کیوں بیٹھا ہے، جا تو تال کے اندر،
موتی پائے اکثر، تال کی گہرائی میں۔

(۵)

ہنس وہیں پہ تیرے، جہاں ہے گہرا تال،
کیچ میں ہیں خوشحال، اور طرح کے پنچھی۔

(۶)

آج حضوری ہنس نے، ڈھونڈ لیا ہے تال،
دیکھے وہ پاتال، جہاں پہ موتی ہی موتی ہیں۔

(۷)

کوے میلا کر گئے، تال کا پانی آج،
ہنس کو آئے لاج، آئے نہ میلے تال پر۔

(۸)

کس کارن ہے حیراں، کاہے پھرے اُداس،
چھوڑ دے دنیاداری، جھوٹ کا ہے یہ لباس،
جو "میں" "ہم" کے پھیر میں، جانہ اس کے پاس،
ڈھونڈ وہ رمز شناس، جو وصل کی راہ دکھلائیں۔

(۹)

کیسی فکر لگائی تونے، کاہے پھرے اداس،

اُجلا اُجلا تال جہاں پہ، موتی ہیں الماس،
کیوں ساحل کے پاس، آج پھرے تو کیچ میں۔

(۱۰)

کیسی فکر لگائی تو نے، کیا ہے یار ملال،
بگلے بیٹھے ہیں ساحل پر، کیچ میں چونچیں ڈال،
کیچ میں ہیں خوشحال، مِلا ہے ہنس حبیب سے۔

(۱۱)

اُجلے تال پہ اُجلے پنچھی، سارے اُڑ کر آئے،
کچھ نے پنکھ رنگے تو کچھ نے، چن چن موتی کھائے،
سب کو راہ دکھائے، مِلا ہے ہنس حبیب سے۔

(۱۲)

کبھی جو دیکھے دھیان سے، ہنس کو تو اک بار،
کرے نہ پھر تو پیار، کبھی کسی بگلے سے۔

(۱۳)

کیوں بگلوں کے سنگ پھرے، کیسی ہے یہ عادت،
میلے تال کو بھول کے اُجلے، تال کی رکھ تو چاہت،
کل کو ہو نہ لت پت، کیچ میں بگلوں سنگ۔

(۱۴)

پی کر اُجلے تال کا پانی، جا ساگر کے پار،

کیوں بیٹھا ہے تال کنارے، کیسا خوف ہے یار،
جان وہاں پر وار، یہ بگلوں کا مرگھٹ ہے۔

(۱۵)

یہ تو بگلوں کا مرگھٹ ہے، اُجلے تال کو جا،
اُجلے تال کا بھید کبھی مت، بگلوں کو بتلا،
واں سے لوٹ کے آ، بات نہ کر بگلوں سے۔

(۱۶)

سوکھ کے تال ہوا ہے ویراں، لیکن ہنس نہ جائے،
بگلا بوجھ نہ پائے، تال اور ہنس کے بھید کو۔

(۱۷)

کرتے ہیں سب یاد، اُڑ کر آجا ہنس،
جائے کہیں نہ پھنس، صیادوں کے جال میں۔

(۱۸)

ہنس اکیلا تال میں، جال ہیں بیس پچاس،
مولا کی ہے آس، تیر رہا ہے تال میں۔

(۱۹)

پنچھی اڑ کر آئیں، دیکھ کے اُجلا تال،
دیکھ نہ پائیں جال، جو ڈالے صیاد نے۔

(۲۰)

اک مصنوعی پنچھی دیکھو، دیتا ہے کیا دھوکے،
تن لکڑی کا گھاس پھونس کے، پنکھ بنے ہیں جس کے،
پنچھی دھوکہ کھا کے، آن پھنسے ہیں جال میں۔

(۲۱)

قطرہ قطرہ تال کا پانی، ہر قطرہ ہے بندھن،
موتی اس مہران سے پانچوں، چن لے تو اے ساجن،
یہ تیرا اُجلا تن من، کل کو ہوگا جال میں۔

(۲۲)

کنول کھلا تالاب میں، بھنورا اُڑے آکاس،
مولا کی یہ مہر ہے سائیں، دونوں آگئے پاس،
اُلفت آگئی راس، عشق کا یہ اعجاز ہے۔

(۲۳)

کنول کھلا تالاب میں، بھنورا اُڑا آکاس،
پریت کی ریت نرالی بھنورا، اڑ کر آیا پاس،
کبھی بجھے نہ پیاس، اک دوجے کے پیار سے۔

(۲۴)

کیوں بیٹھا ہے تو ساحل پر، چھوڑ دے، راہ گذار،
جا اب وحدت کی وادی میں، مت کر سوچ بچار،

تال شریعت کا ہے سائیں، جا تو تیر کے پار،
من کو ہو عرفانِ حقیقت، سیکھ طریقت یار،
من کو دھولے معرفت سے، من میں ہوں مہکار،
موتی تال ہدایت سے، چن چن کر چہکار،
خوف ہو پھر کیا یار، ہنس تجھے کسی جال کا۔

(۲۵)

جب سوئے جگ سارا، ہنس اُڑ اُڑ کر آئیں،
سارے مل کر تال سے، موتی چن چن کھائیں،
ان کو پھانس نہ پائیں، تال میں یار شکاری۔

(۲۶)

وہ ہے ہنس حضوری، موتی چن چن کھائے،
مچھلی کے وہ پاس نہ پھٹکے، بھوک سے گو مر جائے،
پہچانا نہ جائے، چُھپا پھرے بگلوں میں۔

(۲۷)

اُجلے اُجلے ہنس ہیں، میلا ہنس نہ کوئی،
مہک وہیں پہ ہوئی، جہاں پہ رات بتائی۔

(۲۸)

پنچھی طرح طرح کے آئیں، وہ ہی ہے تالاب،
میٹھی بولی بولنے والے، جن کا نہیں جواب،

اب تو ہیں نایاب، اُڑ گئے سارے "کینجھر" کو۔

(۲۹)

ہنس رہا نہ کوئی اب تو، مور بھی مر گئے سارے،
پنچھی طرح طرح کے اب ہیں، گھیرے تال ہمارے۔

(۳۰)

تال کو میلا کر گئے، بگلے، کالے کوے،
اب تو ہنس بچارے، چلے ہیں سب صحرا کو۔

وائی

سجنی! یہ مت بھول، یار سجن کی باندی ہوں میں،
داسی نام دھرے گر پریتم، جیڑا جائے جھول،
میں اپنی پلکوں سے جھاڑوں، یار کے پیر کی دھول،
دھول سجن کے پیروں کی میں، جانوں پوجا پھول۔

دوسری داستان

(۱)

پنچھی پنجرہ ایک ہے، ہنس وہ ہی، وہ تال،
اپنے آپ میں ڈوب کے دیکھا، ہم نے اپنا حال،
اپنے اندر جال، اپنا آپ شکاری۔

(۲)

مور کے دیکھن کارن، چھانی "کینجھر" ساری،
مور تو لوٹ نہ آیا، جس کی چال نرالی،
جس کی پریت کی ماری، وہ تو ہنس نہ آیا۔

(۳)

نربل جان نہ اِن کو، یہ ہیں کالے ناگ،
پل میں کریں ہلاک، زہر سے بلوانوں کو۔

(۴)

نربل جان نہ اِن کو، جن کے سوکھے پیٹ،
کر دیں ملیا میٹ، زہر سے بلوانوں کو۔

(۵)

اِن کا اصل تو زہر ہے سائیں!، جن کے ریت میں بِل،
چھو بھی لے تو سانس نہ آئے، صورت ہے جھلمل،
ہر اک کا قاتل، جو بھی اِن کے سامنے آئے۔

(۶)

جن کے ریت میں بِل ہیں ان کے زہر کا رنگ عجب،
ہڈی پر بھی پیر پڑے تو، موت کا بنے سبب،
سے ہی دنیا پہچانے، ان کا یار نسب،
کون ہے ایسا اب، جو ان کے منہ آئے۔

⑦

مور بھی جن سے ڈر جاتے ہیں، ایسے کالے ناگ،
جب بھی لپکیں مور کی جانب، سارے جائیں بھاگ،
ایسے دہشت ناک، کہ مور بھی پاس نہ پھٹکیں۔

⑧

ایسے کالے ناگ کو، کون بھلا چھیڑے،
جس کا زہر شکار کو، دم لینے نہ دے،
جی بچنے کو ترسے، یا پھر جان گنوائے۔

⑨

ناگ بھلا جوگی سے کیوں، ڈال رکھا ہے بیر،
کیسے ہم سے بچ نکلے گا، تیرے بل پر بیر،
ان سے رکھ نہ بیر، جھونا گڑھ جو جلائیں۔

وائی

مور رے کیوں اتراتا ہے، پلک جھپک کا کھیل ہے سارا،
جھوم جھوم کے گھوم گھوم کے، کیسا شور مچاتا ہے،
لپک جھپک، اور سر سر آہٹ، دیکھ وہ باز جھپٹتا ہے،

سُر پربھاتی

سُر پربھاتی

پہلی داستان

①

گائیک کی یہ ریت نہیں کہ، کھونٹی ٹانگے ساز،
بیت چلی ہے رات اے ناداں!، اُٹھ کر کرلے ریاض،
گائیک کا اعزاز، کیسے تو پائے گا۔

②

اُٹھ اب کرلے ریاض، نیر بہا نینن سے،
کل یہ ٹوٹا ساز، ہوگا گائیک! دھول میں۔

③

سر کو رکھ کر ساز پر، سوئے ساری رات،
گائیک گنوانوں کی، کیا ہیں یہی صفات؟

④

گائیک وہ کہلائیں جو، چین نہ پائیں پل بھر،
ڈھونڈیں راہ سراب میں، ساز دھرا کاندھوں پر۔

⑤

کیوں ہے آج اُداس، کہاں گیا تھا کل،
کہے لطیف کہ ساز اُٹھالے، در داتا کے چل،
چل کر گا منگل، تو دان ملے گا منہ مانگا۔

⑥

قاصد! کہہ داتا سے، گائیک ہے بیمار،
دان یہیں پر بھیجے، دور ہے وہ دربار۔

⑦

بے گن بے ہنروں کو، دیتا ہے جو دان،
جان لیں گر اس راز کو، گائیک سب گنوان،
رہ جائیں حیران، توڑیں ساز وہ سارے۔

⑧

ریاض سے کرلے بس، ریاض نہ آئے کام،
کیسا گن، اور عظمت کیسی، انساں ہے بے بس،
داتا! تو پارس، چھو کر کر دے کندن۔

⑨

اُٹھ اے بے گن گائیک!، داتا آج بلائے،
راگ نہ جانے پھر بھی، پیا کے من کو بھائے،
داتا یوں فرمائے، ''مانگ مجھی سے منگتے''۔

⑩

دات نہیں ہے ذات پر، ریاض کرے سو پائے،
بے گن یا گنوان سبھی کے، داتا ناز اُٹھائے،
رات وہاں رہ آئے، تو دور ہوں سارے دکھڑے۔

⑪

راگ نہ جانے، گن نہ کوئی، سوئے ساری رات،
سب سوئے تو راگ سنایا، چلا سمئے پربھات،
اور نہ جانے بات، جانے ایک ہی راگ۔

⑫

راگ نہ جانے، گن نہ کوئی، سوئے لمبی تان،
ڈولی بھیج کے اُس داتا نے، کیے تھے کل احسان،
سب نے پایا مان، داتا کے دربار میں!

⑬

لس بیلے کا ''جام'' سخی ہے، جو مانگو سو دے،
من منگتے کے بھید نیارے، وہ تو سب سمجھے۔

(۱۴)

بے ہنروں کو آپ نوازے، جان کے بن انجان،
جو بھی خود کو بے گن جانیں، وہ ہی پائیں دان،
رکھتا ہے وہ مان، بے گن بے ہنروں کا۔

(۱۵)

بن بے گن انجان، سارا علم بھلا دے،
داتا سے کل رات تھا ملنا، جانے کیا کیا دان،
کرتا ہے احسان، بے گن بے ہنروں پر۔

(۱۶)

رات ڈھلی تو سب نے پایا، ساجن سنگ سہاگ،
آدھی رات کو اٹھ اٹھ سب نے، گایا راگ بہاگ،
تو ہی میرا سہاگ ہے تجھ بن، جیون ہے بیراگ،
جاگیں میرے بھاگ، پیار ملے جب تیرا۔

(۱۷)

نیند کے ماتے نین ہیں، سوئے ساری رات،
کیوں نہ داتا دوار پہ گایا، رات ڈھلے پربھات،
داتا کے دربار میں گائیک!، دان کی ہے بہتات،
ہیروں کی سوغات، پائی ہے سب منگتوں نے۔

(۱۸)

داتا نے فرمایا ہے تُو، سن اے مانگن ہار!
"میرے دوار کو چھوڑ کے ناداں!، ڈھونڈے اور دوار"!
"تیرے دکھ آزار، اسی لیے ہیں منگتے"!

(۱۹)

مانگ اسی سے منگتے!، پل پل دے جو دان،
جھوٹے در دنیا کے، ڈھونڈ نہ اے نادان،
کریں جو اک احسان، جتلائیں سو بار۔

(۲۰)

یہ داتا کا در ہے گائیک!، رکھ دے اپنا سر،
اک پل کو بھی چھوڑ نہ منگتے!، تو داتا کا در،
کر لے تو باور، کہ ریاض ہی تیرا رہبر ہے۔

(۲۱)

گائیک! اس داتا کو، پل بھی مت بسرا،
آج تو چاندی کے تاروں سے، اپنا ساز سجا،
اس کے در پر گا، وہ ہی تیرا داتا ہے۔

(۲۲)

دیکھ کے بے گن میلے منگتے، داتا پاس بلائے،
گنوانوں کا بھی ہے سہارا، بے گن بھی واں آئے۔

(۲۳)

تو داتا اور میں منگتا ہوں، صاحب تو میں غلام،
ساز رکھا کاندھوں پر سائیں!، لے کر تیرا نام۔

(۲۴)

تو داتا اور میں منگتا ہوں، کہاں ہیں مجھ میں گن،
ساز رکھا کاندھوں پر سائیں!، تیری صدا لی سن۔

(۲۵)

تو داتا اور میں منگتا، میں جرم گناہ سراپا،
چُھو کر کندن کر دے سائیں! تو پارس میں لوہا۔

(۲۶)

اور سبھی ہیں منگتے، بس اک داتا تو،
برکھا برسے کبھی کبھی اور، تو ہر پل ہر سو،
ڈال دے اپنا پلو، تو جاگیں بھاگ اَبھاگن کے۔

(۲۷)

گا اب راگ بہاگ اے گائیک!، ابھرا صبح کا تارا،
بڑا ہی رکھوالا ہے پریتم، جانے حال وہ سارا۔

وائی۔۱

جا نہ تو در پر کسی، لے مدد تو "جام" کی،

مت پھیر منہ آشا تیری، پوری ہوں گی یاں سبھی،
ہیرے موتی دان دے، ایسا داتا ہے سخی،
لے بدل مت راگ کی، گا بہاگ کی راگنی،
مانگ تو اس دوار سے، جام ہے بے حد سخی،
ذکر کر اس یار کا، بات کر اس ایک کی،
اور سب کچھ تیاگ دے، کر لے اس سے دوستی،
ان اللہ وتر یحب الوتر، بات سن لے یار کی،
سائلوں کو یار نے، سن صدا، آواز دی،
سر بھی مانگے عشق میں، دے ملن کا بھید بھی،
یار سے عشاق کو، درد کی دولت ملی،
کر عبادت پیار سے، لے قبا تو پیار کی،
الانسان سری وانا سرہ، یہ بات ہے اس نے کہی،
راز سب افشاں کیے، اور بات کی ہے بھید کی،
سب کے دامن بھر دیئے، جام ہے ایسا سخی،
سن کہ کہتا ہے لطیف، مجھ پہ کیا کیا مہر کی،

وائی۔ ۲

دیئے ہیں کیا کیا دان، سب کو اس نے نوازا،
کیا کیا اس کی دین ہے سائیں!، کیا کیا ہیں احسان،

دیکھ اپاہج اندھے آئے، سب نے پایا مان،
کیا سے کیا کچھ کر دیتا ہے، اس کو تو پہچان،
عزت ذلت وہ ہی دیوے، اس کا یہ فرمان،
دیکھ ذرا بنا ہے کیسے، نطفے سے انسان،
چالاکوں مکاروں کی، اس کو ہے پہچان،
اپنی آگ میں آپ جلیں وہ، حاسد جو انسان،
کہے لطیف کہ میرا ساجن، سندر، سخی، گنوان۔

وائی۔ ۳

ہم تم سب بنجارے، لاد چلیں گے سارے سکھیو!
چھوڑ چلیں گے محل دو محلے، سنگی، ساجن، پیارے،
راج پاٹ سب چھوڑ گئے ہیں، کیا کیا راج دلارے،
موت مقدر سب جانوں کا، سمجھو یار اشارے،
احمد پی شافی ہے اِن کا، یاں جو ہیں دُھتکارے،
کہے لطیف کہ مجھ پاپن کو، ڈھانپ لے ساجن پیارے

لاکھو پُھلانی

جام لاکھو کچھ کے حاکم جام پھول کا بیٹا تھا۔ جام پھول کی پانچ بیویاں تھیں۔ جن میں سے ایک پری تھی اور اس کا نام سونل تھا۔ لاکھو سونل کے بطن سے پیدا ہوا تھا، لاکھو بہت بہادر اور راجا کا لاڈلا تھا، راجا کی دوسری بیویاں سونل اور لاکھو سے جلتی تھیں۔ خاص طور پر رانی سوڈھی تو ہر وقت اس تاک میں رہتی تھی کہ کسی طرح وہ سُونل اور لاکھو کو راستے سے ہٹادے۔ ایک بار کسی تہوار پر رانی سوڈھی نے لاکھو سے کہا کہ آج بھابھیاں تجھ پر رنگ ڈالیں گی۔ تم بھی ان پر رنگ ڈالنا تہوار کا دن آیا تو بھابھیاں لاکھو پر رنگ ڈالنے لگیں۔ لاکھو نے بھی ان پر رنگ ڈالا، رانی سوڈھی نے بھیس بدل گھونگھٹ نکالا اور لاکھو کی بھابھیوں سے مل کر اس پر رنگ ڈالنے لگی۔ لاکھو نے بھابھیوں پر رنگ ڈالتے ہوئے رانی سوڈھی پر بھی رنگ ڈالا۔ رانی سوڈھی نے اسی وقت گھونگھٹ اٹھایا اور لاکھو سے کہا کہ تمہیں شرم نہیں آتی کہ تم نے اپنی ماں پر رنگ ڈالا، لاکھو سے غلطی ہوگئی تھی وہ اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اس نے شرم سے گردن جھکالی رانی سوڈھی نے راجا پھول کو بلایا اور اس سے شکایت کی جام پھول نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ رانی سوڈھے کے کپڑے رنگے ہوئے تھے، وہ سخت ناراض ہوا۔ اس نے لاکھو کو دیس نکالا دے دیا، لاکھو نے شہزادوں والے کپڑے اتار کر سیاہ کپڑے پہنے، سیاہ رنگ کی گھوڑی پر سوار ہوا، اور ”کچھ“ کو خیر باد کہا، لاکھو نے کچھ سے کوچ کیا اور پائن کے علاقے میں ڈیرہ ڈالا۔ لاکھو کے دو

ساتھی تھے، ایک کا نام جسو اور دوسرے کا نام جسراج تھا، دونوں لاکھو کی طرح بہادر اور شہسوار تھے، وہ دونوں بھی لاکھو سے آملے، تینوں نے مل کر ڈاکے ڈالنے شروع کیے، لاکھو سیاہ رنگ کی برق رفتار گھوڑی "لاکھی" پر سوار ہوتا، اس کے دائیں جانب جسو اور بائیں جانب جسراج ہوتا۔ وہ دیہاتوں پر ٹوٹ پڑتے اور لوٹ مار مچا دیتے بستیاں اُجڑ گئیں، دیہات ویران ہو گئے، اور لاکھو اپنی بہادری میں سرشار تھا۔ اس دوران جام پھول فوت ہو گیا، جام پھول کی وفات کے بعد لاکھو پھلانی نے ڈاکہ زنی ترک کر دی اور اپنے باپ کی گدی پر بیٹھا۔ وہ لاکھو جو بستیاں اُجاڑ کر خوش ہوتا تھا، گدی پر بیٹھنے کے بعد ویران بستیوں کو آباد کرنے میں لگ گیا، وہ اتنا سخی اور عادل بن گیا کہ دور دور سے لوگ اس کی راجدھانی میں آکر بسنے لگے۔

سندھ کے علاقے "مہرانو" کے نہیٹے کوٹ کے حاکم کی ایک خوبصورت بیٹی تھی، اس کا نام مہررانی تھا۔ ایک دن نہیٹے میں ایک چوڑی ساز چوڑیاں بیچنے آیا۔ وہ بہت حسین اور جوان تھا۔ مہررانی نے اس سے چوڑیاں خریدنے کے لیے اسے اپنے محل میں بلایا اور اسے دیکھتے ہی اس پر عاشق ہو گئی، دونوں کی محبت اتنی بڑھی کہ مہررانی نے چوڑی ساز سے وعدہ کیا کہ تمہارے سوا میں کسی اور سے شادی نہیں کروں گی۔ مگر مہررانی کی شادی لاکھو پھلانی سے ہو گئی۔ لیکن لاکھو کو جب پتہ چلا کہ شادی سے پہلے مہررانی کا ایک چوڑی گر سے پیار تھا تو اس نے اسے چھوڑ دیا، مہررانی کی بے وفائی کے بعد لاکھو پھلانی نے شادی کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنے آپ کو حکومت کے کام میں مصروف رکھنے لگا۔ اس نے اپنے قلعہ کہراکوٹ کو پھر سے تعمیر کروانے کا ارادہ کیا۔ دور دراز سے مزدور آئے اور قلعے کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا، ان مزدوروں میں ایک خانہ بدوش قبیلہ بھی تھا، اس قبیلے میں بیلی نام کے ایک خانہ بدوش کی بہت ہی خوبصورت لڑکی تھی، سارا دن مزدور کام کرتے، شام کو لاکھو پھلانی خود ان کا حساب کرتا، مزدوری اور بخششیں دیتا، ایک دن وہ مزدوروں کو مزدوری دے رہا تھا کہ اس کی نظر خانہ بدوش لڑکی پر پڑی، اسے دیکھتے ہی لاکھو اس پر عاشق ہو گیا، اس نے ایک بار پھر شادی کر کے گھر بسانے کا سوچا اور بیلی سے اس کی بیٹی کا رشتہ مانگا، بیلی نے خوشی خوشی رشتہ منظور کر لیا اور ایک معمولی خانہ بدوش لڑکی لاکھو پھلانی کی رانی بن گئی۔

کچھ کے سرحدی علاقوں میں ریباری قبیلہ بستا تھا جب بھی سمہ قبیلے کی کسی سے جنگ ہوتی تھی تو ریباری سمہ کا ساتھ دیتے تھے۔ ایک بار جام گڑراہو کے بیٹے سومرو کو کوریجو قبیلے کے لوگوں نے قتل کیا تو سمہ کے ساتھ ساتھ ریباریوں نے بھی قسم کھائی کہ جب تک بدلہ نہ لیں گے تب تک ہماری سہاگنیں زیور نہیں پہنیں گی۔ سمہ نے ان کی یہ قسم پوری نہ کی اور آج بھی ریباریوں کی سہاگنیں زیور نہیں پہنتیں، اس بات پر ریباری سمہ سے ناراض تھے۔ لاکھو پھلانی کا ماموں رائے کھنگھار ایک علاقے کا حاکم تھا۔ ایک ریباری عورت اس کی داشتہ تھی۔ ریباری قبیلے کو رائے کھنگھار کی پشت پناہی حاصل تھی، انہوں نے ایک دن حملہ کر کے لاکھو پھلانی کے دو ساتھیوں جسو اور جسراج کو قتل کر دیا اور قاتلوں نے رائے کھنگھار کے پاس پناہ لی۔ لاکھو پھلانی نے ماموں کو کہلا بھیجا کہ قاتلوں کو ہمارے حوالے کر دے۔ لیکن رائے کھنگھار ٹال گیا، لاکھو نے تو تلوار کو میان میں ڈال دیا تھا اور بستیاں اجاڑنے والا لاکھو ایک سخی بادشاہ بن گیا تھا جس کی پناہ میں ہزاروں لوگ آرام کی زندگی گذار رہے تھے، وہ پھر سے بستیاں ویران کرنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن جب رائے کھنگھار نے قاتلوں کو اس کے حوالے کرنے سے انکار کر دیا تو لاکھو نے پھر سے تلوار کو میان سے نکالا، اپنی گھوڑی لاکھی پر سوار ہوا، اور ریباریوں پر ٹوٹ پڑا اور انہیں گاجر اور مولیوں کی طرح کاٹ کر رکھ دیا، اپنی قوم کا یہ حشر دیکھ کر رائے کھنگھار کی داشتہ دوڑی ہوئی اس کے پاس آئی اور لاکھو سے مقابلہ کرنے کو کہا رائے لاکھو سے مقابلہ کرنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ رائے کھنگھار اور اس کی داشتہ نے لاکھو سے بدلہ لینے کی ایک ترکیب سوچی، رائے نے لاکھو کو محبت کا پیغام بھیجا۔ لاکھو اپنے ماموں کا محبت کا پیغام سن کر اس کی طرف چلا، جیسے ہی وہ محل میں داخل ہوا رائے کھنگھار کے آدمیوں نے اس کی گھوڑی لاکھی کو مار دیا، رائے کھنگھار اسے دیکھ کر بڑی محبت سے اس کی طرف بڑھا، لاکھو بھی محبت سے ماموں کی طرف بڑھا اور اسے گلے لگایا ماموں نے بغل گیر ہوتے وقت لاکھو کی پیٹھ میں خنجر گھونپ دیا اور لاکھو نے وہیں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔ اس کے بعد ریباریوں نے رائے کھنگھار کو بھی قتل کر دیا کیونکہ اس نے ایک ریباری عورت کو اپنی داشتہ بنا رکھا تھا۔

سُرڈھر

سُر ڈھر

پہلی داستان

①

یہ تو ببول کے پیڑ! بتا، کیسی بیتیں راتیں،
جو مہران کے مالک تھے کر، ہم سے ان کی باتیں۔

②

جو مہران کے مالک تھے تو، اُن کے کہہ احوال،
کیسے تیرے دن بیتے اور، کیا ہے تیرا حال۔

③

یہ تو ببول کے پیڑ بتا کیا، لاد گئے وہ پیارے،
جن کے ہجر میں سوکھ رہے ہیں، پتے تیرے سارے۔

④

تیرے من میں ہجر کے گھاؤ، ہوتے اگر ببول!
کبھی بہار نہ آتی تجھ پر، کبھی نہ آتے پھول!

⑤

تجھ کو گر یہ دُکھ ہوتا کہ، پریتم ہوگئے دور،
تیری ڈالی ڈالی پر پھر، کبھی نہ آتا بور۔

⑥

کیا تھی تیری عمر بتا جب، جل تھل تھا مہران،
تو نے "جسودن" جیسے دیکھے، اور کوئی گنوان۔

⑦

سوکھی ندیا آک اُگے ہیں، اُڑتی ہے اب دھول،
لاد گئے وہ زور آور جو، لیتے تھے محصول۔

⑤

"ڈھاگی" اور یہ "ڈھورا"، بہتے تھے جب سنگ،
تب "جسودن" جیسے تھے، ملاحوں کے ڈھنگ۔

⑨

سوکھ گیا مہران اور اب تو، اُگے ہیں آک کنارے،
آج کہاں "پٹیہل" میں ہیں، وہ پانی کے دھارے،
میلے ہیں اب پیارے!، جانے کون سے گھاٹ پر۔

(۱۰)

دیکھی تھی ملاحوں نے جب، جوبن پر تھی ندیا،
آج اسے یوں سوکھا پاکر، لوٹ گئے ہیں کھویا،
حیرت میں ہیں میا! اب "جسودن" جیسے۔

(۱۱)

اے نہنگ! تو تب نہ لوٹا، اُچھل رہا تھا پانی،
سوکھ گئی ہے ندیا اب تو، ہر سُو ہے ویرانی،
کریں گے اب من مانی، تجھ سے یہ ملاح۔

(۱۲)

اے نہنگ! تو تب نہ لوٹا، ندیا تھی جل تھل،
اب تو تجھ کو پھاسیں گے یہ، مانجھی آج یا کل۔

(۱۳)

جب ندیا تھی جوبن پر، تب تو لوٹ کے آتا،
جال لیے بیٹھے تھے مانجھی، ان کو آن ڈراتا۔

(۱۴)

آج نہنگ! تو زور دکھاوے، ندیا ہے جل تھل،
آج جو موجیں بپھری سی ہیں، سوکھیں گی یہ کل۔

(۱۵)

بھونک گیا ہے پریت کا کانٹا، دل کے پار سجن،

اور پلٹ کر پھر نہ پوچھی، اس کی یار چبھن۔

(١٦)

بھونک گیا ہے پریت کا کانٹا، جب سے میرا یار،
درد کی ڈوری ڈالی لیکن، دیا نہ جان سے مار۔

وائی

پریت کا رنگ نکھارا، اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے،
سکھیو! پریت اسی کی مارے، جو ہے ساجن پیارا،
مور، پپیہا، چال ہے ایسی، ایسا یار ہمارا،
کستوری ہی کستوری ہے، ساجن یار دُلارا،
ہر سو پھول ہی پھول کھلائے، مہکے پربت سارا،
کہے لطیف کہ مل جائے وہ، ساجن یار ہمارا۔

دوسری داستان

(١)

اے یثرب کے میر! سن لے میری آہیں،
جن کو تیری دھیر، پار اُنہیں پہنچا دے۔

(٢)

اے یثرب کے مالک! سن لے میری آہیں،

کون ہے اب اس لائق، جو تجھ بن بنے سہارا۔

(۳)

اے یثرب کے سرتاج!، سن لے میری آہیں،
سب عاصی محتاج، آس لگائے بیٹھے ہیں۔

(۴)

اے یثرب کے شاہ!، سن لے میری آہیں،
آجا اب لِللہ، جلدی سے اے پریتم!

(۵)

اے یثرب کے شیر!، سن لے میری آہیں،
انگنا میں رکھ پیر، عاصی تیرے سہارے۔

(۶)

اے یثرب کے جام!، سن لے میری آہیں،
تو منجدھار میں تھام، تیری امانت ہوں میں۔

(۷)

چل یثرب کو منگتے!، آنکھوں کے بل چل،
دیکھ لے احمدؐ پی کے، جگمگ نین کمل،
دیکھ تو ہو ٹھنڈک، سندرتا شیتل،
من میں پریت اٹل، پیار سے زیارت کرلے۔

(۸)

ایسا بنے بہانا، کہ جاکر پی کو دیکھوں،
کبھی تو ہو واں جانا، من میں آس بندھی ہے۔

(۹)

راہ میں نین بچھا کر، تکتی ہوں ہر پل،
دور سے آتا دیکھوں، کبھی تو وہ تھل۔

(۱۰)

راہ میں نین بچھا کر، تکتی تھی میں کل،
دور سے آتا دیکھوں، قاصد اے تھل!

(۱۱)

راہ میں نین بچھا کر، تکتی ہوں میں آج،
پیاس بجھا نینن کی، آن کے اے سرتاج!

(۱۲)

جن کی دید کو ترس رہی ہوں، آئے نہ وہ اسوار،
ہجر میں روتے ہیں یہ نیناں، خون کے آنسو یار!

(۱۳)

روتے روتے راہیں تکتے، اکھیاں لہولہان،
مہر کرے گنوان، تو اپنے سنگ لے جائے۔

(۱۴)

تیری راہیں تکتے نیناں، روئیں خون کے آنسو،
درد مٹے گر لوٹ کے آئے، میرا وہ گل رُو۔

(۱۵)

خون کے اشک بہائیں تیری، راہیں تکتے نیناں،
جو نہ جانیں درد یہ میرا، وہ ہیں درد کا درماں۔

(۱۶)

من میں رکھ کر آس سکھی ری، آج سجاؤں آنگن،
کب سے وہ پردیس گیا ہے، شاید لوٹے ساجن۔

(۱۷)

کب سے وہ پردیس گیا ہے، شاید لوٹ کے آئے،
بنی ہوں تیری باندی پریت نے، یہ دن بھی دکھلائے

(۱۸)

جیسا تیرا نام، ایسا ہی تو سہارا ہے،
تیرے عفو کی حد نہ کوئی، تیری مہر مدام،
روح اور جسم تمام، تیرا نام جپے ہے۔

(۱۹)

ہم نے دیکھے صاحب! تیرے، کیسے کیسے رنگ،
پات تو ڈوبیں تال میں سائیں، تیر رہے ہیں سنگ

چھو کر میرے انگ، مجھ کو اُجلا کر دے۔

(۲۰)

دیکھ کے تیری قدرت سائیں، ہم تو رہ گئے دنگ،
عجب ہیں تیرے رنگ، جو چاہے سو آپ کرے۔

(۲۱)

تو تو ہے جبار، کیا کیا رحمت تیری،
مہر تو کر کلتار!، میں باندی ہوں تیری۔

(۲۲)

جیسا میٹھا ناؤں، ایسی تیری سہار،
دیکھے کیا کیا دوار، تجھ سا دوار نہ دیکھا۔

(۲۳)

جیسا اونچا ناؤں، کرم بھی ایسا مانگوں،
تو ہی تو ہے آس سہارا، تو چھپر تو چھاؤں،
منہ سے مانگ نہ پاؤں، دل کا حال تو جانے۔

(۲۴)

توڑ نہ مجھ نمانی سے، پریتم! پریت کا ناتہ،
تجھ بن مجھ برہن کا، کون ہے اور سہارا،
لب پر نام تمہارا، آس لگائے بیٹھی ہوں۔

(۲۵)

ستر کر اے ستار!، میں ہوں عریاں ساری،
ڈھانپ لے کلتار!، پلو ڈال پناہ کا۔

وائی

نینن سے نندیا، چھین لی تو نے ساجن،
پریت نے مجھ برہن کو، درد ہی درد دیا،
جاؤں گی پاس پیا کے، من میں عہد کیا،
ہر دم بڑھتا جائے، کیسا درد دیا،
پریتم سب کے سنگ ہیں، تنہا میں دکھیا،
جیسے گل انار ہو ایسے، درد میں جیئرا،
سکھیو! شاہ لطیف کہے، مل جائے وہ پیا۔

تیسری داستان

(۱)

کبھی تو آ اے یار!، مجھ برھن کے آنگن،
تیرا اُجلا دامن، ڈھانپ دے مجھ برھن کو۔

(۲)

جیسے تو ہے قائم دائم، رکھنا سدا سہاگن،

تجھ بن کون سنبھالے آکر، ٹوٹی کٹیا ساجن۔

(۳)

سب کے ساجن سندر ہیں، پی کی اور ہی بات،
پی نے عیب چھپائے میرے، سر پر رکھ کر ہاتھ۔

(۴)

سب کے ساجن سندر ہیں، پریتم میرا نرالا،
کیا کیا ستر کیا ہے پی نے، ہر اک عیب ہے ٹالا۔

(۵)

سب کے ساجن سندر ہیں، صابر میرا ساجن،
جب بھی دیکھے عیب وہ میرا، ڈال دے اپنا دامن۔

(۶)

سب کے ساجن سندر ہیں، پی کی اعلیٰ ذات،
آنکھوں دیکھے عیب تو پھر بھی، کرے نہ عیب کی بات،

(۷)

پریتم سے منہ پھیر کے تو، غیر سے ہنس ہنس بولے،
کیوں دانوں کو چھوڑ کے ناداں!، بیٹھی بُھوسا تولے۔

(۸)

اُٹھ اے ناداں! جاگ، کھول ذرا تو آنکھیں،

پریتم سنگ سہاگ، نیند سے کب ملتا ہے۔

(۹)

آنکھ جھپک لے ناداں!، سدا نہیں یاں رہنا،
دور ہے تیری منزل، دو دن ہے یہ ٹھکانا۔

(۱۰)

جاگ کے ساری رین بتائیں، اعلیٰ وہ انسان،
دل کا سارا زنگ اُتاریں، ایسے ہیں گنوان،
اس کا رکھ تو دھیان، کہ یاد میں راتیں بیتیں۔

(۱۱)

جو سوئے سو کھوئے پیارے، کر لے پی کو یاد،
وقت جو نکلے ہاتھوں سے تو، پھر کیسی فریاد۔

(۱۲)

تنہا کالی رات میں کیسا، گھبراتا ہے دل،
قبر کی تنہا راتوں کو کیوں، بھولا اے غافل!

(۱۳)

کیا کیا دُکھڑے جھیلے، اس نندیا کے کارن،
نیند کے مارے نیناں تھے، چھوڑ گیا وہ ساجن۔

(۱۴)

رینا بیتی پو پھوٹی اور، مدھم ہوگئے تارے،

اب تو پچھتائے گی سجنی!، چھوڑ گئے وہ پیارے۔

(۱۵)

قطرہ قطرہ ٹپکی ہے جو، اس کو جان نہ شبنم،
دیکھ کے دھرتی کے دکھیارے، رات ہوئی ہے پُرنم۔

(۱۶)

بھول گئی ساجن کو ناداں!، سوئی ساری رات،
سمجھی تھی کہ سارے جیون، ساجن ہوں گے ساتھ۔

(۱۷)

لپٹی ہوں ساجن کی بانہیں، بھیگ چلی ہو رات،
جگ سے چھپ کر پیار کریں اور، کبھی نہ ہو پربھات۔

(۱۸)

کچھ کے مکھڑے مسکاتے ہیں، کچھ کے ہیں مرجھائے،
کاش سمجھ جائیں کہ کیوں وہ، اس جگ میں ہیں آئے۔

(۱۹)

جھاگ تو چکھ لی سب نے لیکن، دودھ کو چکھ نہ پائے،
دین کو دنیا کے بدلے وہ، یارو! بیچ کے آئے۔

وائی

چھوڑ نہ دے گا ساتھ، میرا ہوت پنہل،

پی درشن کے کارن سکھیو!، روتی ہوں پل پل،
دشت و جبل میں لے آئی ہے، تیری پریت پنہل،
لُو، تپتی دوپہریں، پربت، انگ انگ میرا شل،
جوں ساون میں ہرن ملیں یوں، مل جائے سھنل،
اب تو مل جائے اے مولا!، میرا ہوت پنہل۔

چوتھی داستان

(۱)

چلنے کی ہے بیلا شاید، یوں کونجیں کرلائیں،
گونج اُٹھا ہے پربت سارا، ایسا شور مچائیں۔

(۲)

کونج کو جب بھی یاد آجائے، تال اور بچھڑی ڈار،
تب تب کُرلا کر دیتی ہے، سندیسا اس پار۔

(۳)

بھول کے اپنی ڈار کو، کونج ہے کیسی شاد،
ڈار کا میٹھا کُرلانا، آئے نہ اس کو یاد۔

(۴)

اُڑ گئی تیری ڈار تو سن لے، کُرلانے کی گونج،
کیسے تیرا وقت کٹے گا، تال میں تنہا کونج!

(۵)

انسانوں سے بڑھ کر دیکھو، کونجوں میں ہے پریت،
ڈار میں ہی وہ سدا اُڑیں، یہ ہی ان کی ریت،

(۶)

دانا چن چن کھاتی تھی وہ، اپنی ڈار کے ساتھ،
تنہائی اور رات، وہ دیتی ہے آوازیں۔

(۷)

تجھ کو قسمت لے آئی ہے، اپنے دیس سے دور،
دانا پانی کھینچ کر لایا، کس کا کہیں قصور۔

(۸)

ہم بھی پریت کے گھائل ہیں، کونج! نہ اب کُرلا،
کیسے جیئے وہ برھن جس سے، پریتم بچھڑ گیا۔

(۹)

چھیڑ نہ میرے زخموں کو تو، کونج! نہ اب کُرلا،
برکھا رت ہے نینن میں، میرا پی نہ یاد دلا!

(۱۰)

کونج نے کل کُرلا کر، یاد دلایا ساجن،
روتے جیون بیتے، جس ساجن کے کارن۔

(۱۱)

پھر اُتر کی اور میں، کُرلاتی ہیں کونجیں،
روتے رات بتائیں، پی کے سپنے دیکھیں۔

(۱۲)

کونجیں پھر کرلائیں، ہیں چلنے کو تیار،
جس جا بچے چھوڑے، چلی ہے اب اس پار۔

(۱۳)

اُڑ کر آئیں تال پر، من میں لے کر آس،
تال تو سارا سوکھ گیا ہے، گھائل تن اور پیاس۔

(۱۴)

دور دیس سے اُڑ کر آئیں، لے کر وصل کی آس،
پریتم دُور سدھارے سائیں!، من میں ملن کی پیاس۔

(۱۵)

تیری یاد میں کرلاتی ہے، کونجوں کی یہ ڈار،
تجھ کو یاد کریں سب ساتھی، دن میں کئی بار،
جان نہ پائے وار، جو صیاد نے سوچ رکھا ہے۔

(۱۶)

جو صیاد کے من میں ہے وہ، جان نہ پائیں بان،
بچھڑ گئیں سب کونجیں ایسا، کھینچا تیر کمان۔

(۱۷)

دیکھ ذرا خاشاک کے نیچے، چھپا ہوا ہے جال،
کیا کیا پنچھی جال میں آئے، کونج تو آپ سنبھال۔

(۱۸)

پہلو میں بندوق چھپائے، دھارا ہے بہروپ،
کیا کیا ہائے شکاری تونے، لُوٹے سندر روپ۔

(۱۹)

تجھ کو آئے موت شکاری، غرق ہوں یہ ہتھیار،
بچھڑ گئیں سب کونجیں تونے، کیا ہے ایسا وار۔

(۲۰)

آج ''بڈامانی'' میداں میں، چگنا دھیان سے دانا،
ٹولے صیادوں کے پہنچے، آنکھ نہ تم جھپکنا۔

(۲۱)

یاد سے ''سنگھاروں'' کو دینا، ساتھی! یہ سندیس،
بیت رہے ہیں دن '' کاچھے ''میں، تنہائی، پردیس۔

(۲۲)

سخی ہیں وہ ''سنگھار''، تو ان پر رشک نہ کر،
دیتے ہیں وہ سب کو، دودھ کٹورے بھر بھر۔

۲۳

کیا وہ لاد گئے "کاچھے" کو، میرے سب "سنگھار"،
وہ بھی دکھیا ہیں اور میں بھی، روؤں زار و قطار۔

۲۴

روتا ہے اب کاچھا کیا وہ، لاد گئے سنگھار،
چلے گئے پردیس کو وہ جب، برسا میگھ ملہار۔

۲۵

پربت دیس ہے سنگھاروں کا، کاچھو اور کوہیار
کیوں نہ ان کے سنگ گئی تو، لاد کے سارا بار۔

۲۶

جن کا مجھے سہارا ہے وہ، سدا جئیں سنگھار،
وقت برا جب آئے وہ ہی، آن کے پوچھیں یار۔

۲۷

کیسے ان سے دور رہوں وہ، ریوڑ پالنے والے،
اک دن ہانک کے لے آئیں گے، اپنے ریوڑ سارے،
گر ہیں اور سہارے، پھر بھی بھول نہ سنگھاروں کو۔

۲۸

دیکھ کے اُجڑے جھوک، ہائے رے جیئرا روئے،
سب کی پیاس بجھاتے تھے اور، تھی کوئی روک نہ ٹوک،

لاد گئے وہ لوگ، جب آئی رت برکھا کی۔

(۲۹)

کہاں ہیں گلے اونٹوں کے اب، جھوکیں ہیں ویران
لاد گئے وہ "چٹانوں" کو، سارے گلہ بان

(۳۰)

گر ہے سبزہ زار کی خواہش، چھوڑ نہ اس کا ساتھ،
قحط کے دن نہ دیکھے گی، غم سے دیں گے نجات۔

(۳۱)

دہی بلونے کی آوازیں، جھوک ہیں کیسے سندر،
سب کی قسمت جاگی سب کو، دودھ دہی میسر۔

(۳۲)

جسم سے پانی ٹپک رہا ہے، بھینیں نہا کے آئیں،
ساون نے شاید کاچھے پہ، برساتیں برسائیں۔

(۳۳)

روٹھے "رائے" سے "جاڑیجے" اور، خود پر کیا ستم،
لوٹ کے کیسے کاچھے میں اب، رکھیں گے وہ قدم۔

(۳۴)

"سمہ" اور "جاڑیجا!" ہو جاؤ، ہشیار،
"لاکھو پُھلانی" کی اب، تم پر ہے یلغار۔

(۳۵)

بھول ہوئی کھنگھار سے، کچھ کو چھوڑ گیا،
کون رہے گا کچھ میں ڈاکے، ڈال رہا ہے لاکھا۔

(۳۶)

آج سجائیں گھوڑوں کو اور، زین کسیں اسوار،
لاکھو کے ہیں سنگی شاید، لُوٹ کے ہیں آثار،
کرے گا پھر یلغار، اب کاچھے پر لاکھو۔

(۳۷)

ختم ہوئے جب لاکھو، "لاکھی"، ختم ہوا جنجال،
قادر کا اب کرم ہوا اور، کچھ ہوا خوشحال،
"ریباری" ہیں نہال، مسکاتی ہیں کنواریاں۔

(۳۸)

آج رجھالے لاکھو کو، کر تو عرض ریبارن،
تجھ سے منہ نہ موڑے تیرا، وہ زور آور ساجن۔

(۳۹)

لُوٹ کے لے گئے سارے، آنگن سے چوپائے،
دیکھ کے ویراں آنگن اب وہ، نینن نیر بہائے۔

(۴۰)

کھڑی ہے باڑ کے پاس، روتی ہے ریبارن،

لوٹ کے بھینسیں لے گیا، دیکھ لٹیرا رہزن۔

(۴۱)

روتی ہے ریبارن، دیکھ کے ٹوٹی باڑ،
لُوٹ کے لے گئے چوپائے سب، وہ ظالم اسوار،
ہر سو ہے یلغار، لاکھو پُھلانی کی۔

(۴۲)

روتی ہے ریبارن اب تو، اُجڑ گیا چوپال،
کھڑی کھنگھار کو طعنے دے "تو، کیسا ہے رکھپال"،
لُوٹ گیا سب مال، وہ لاکھو پُھلانی۔

(۴۳)

یوں تو لاکھو لاکھ ہوئے پر، اس کی اور ہی شان،
جس کے نام سے لرز رہے ہیں، زور آور سلطان،
کانپ اٹھیں بلوان، نیند میں جس کے نام سے۔

(۴۴)

یوں تو لاکھو لاکھ ہوئے پر، اس کے اور ہی ڈھنگ،
اوڈ رہے جب سنگ، تو ہوگئے سب خوشحال۔

(۴۵)

چڑھا ہے لاکھو لکھی پر، ہے لکھی ران کے نیچے،
جو ہیں سندر ناریاں وہ، ان کی لاج رکھے،

قہر تو کوئی دیکھے، جو ڈھائے گا کل سب پر۔

(۴۶)

اوڈوں نے جو باڑ بنائی، کبھی وہ ٹوٹ نہ پائے،
لاکھو ان کے آنگن آکر، ان کی ڈھیر بندھائے۔

(۴۷)

ہم دکھیارے اوڈ ہمارا، لاکھو ہے ننکپال،
وہ ہی دور کرے گا دُکھڑے، جیون کا جنجال۔

(۴۸)

مجھ میں کب ہے روپ سندرتا، تو میرا سرتاج،
آن بنائی اوڈوں نے ان، جھگیوں کی رکھ لاج۔

(۴۹)

دیواریں تعمیر کریں وہ، اوڈ نہ جائیں لاد،
لاکھوں ان کے آنگن آیا، سارے ہوگئے شاد۔

(۵۰)

دیواریں تعمیر کریں جو، اوڈ گئے وہ لاد،
بکھرا بکھرا ساز و ساماں، بستی ہے برباد۔

(۵۱)

ٹوٹے چھاج ہیں ہاتھوں میں اور، کاندھوں پر کدالیں
محنت مزدوری کی خاطر صبح صبح وہ آئیں،

آج وہ لاد کے جائیں، اے لاکھو پھلانی!

(۵۲)

کبھی تو سُرخ سہاگ کا جوڑا، کبھی ہے تن پہ کفن،
قلعہ ریت سے سجن، کیسے کوئی تعمیر کرے۔

سُر بلاول

سُر بلاول

پہلی داستان

(۱)

وہاں صلائے عام ہے، جا داتا کے دوار،
تن من کو اُجیار، تو پائے جو پانا ہے۔

(۲)

راضی رہ سلطان سے، شر کو دل سے نکال،
ملے گا تجھ کو مال، اس داتا کے دوار سے۔

(۳)

جا تو اور بھی آگے، پی نہ مئے طہور،
درد بھی اس کی دین ہے، جس میں عجب سرور،
جائے اس کے حضور، تو پائے جو پانا ہے۔

(۴)

کیا کیا ہیں سردار، سب کا تو سرتاج،
تیرے در پر بھیڑ لگی ہے، آئے ہیں محتاج،
جیسا جس کا مزاج، ویسا اس کو دان ملے ہے۔

(۵)

توڑ دے طبل نغارے، اندر سے ہیں خالی،
جا تو اس کے دوارے، جو ہاشمی سردار ہے۔

(۶)

سمہ اُن کو پاس بلائے، جن سے ہو ناراض،
چلو تو اس کے در پر چل کر، پائیں ہم اعزاز،
وہ ہی ہے دمساز، کرے جو سر کا سودا۔

(۷)

وہ ہی سر کا سوداگر ہے، بندھائے سب کی دھیر،
چاروں اور جب بیری دیکھے، جرأت کی تصویر،
مسکائے بل بیر، جس جا کانپیں شہزور۔

(۸)

جب دشمن کی فوجیں دیکھے، لپک کے آئے یار،
آؤ تو اس کی عظمت گائیں، کرے جو جان نثار،
کود پڑے میداں میں دیکھے، دور سے جب اغیار،

گھیر لیں جب دشمن کی فوجیں، لرزے نہ سردار،
کبھی بھی پیچھے لوٹ نہ آئے، روندے ہر یلغار،
سر دیتا ہے وار، وہ "ہالار" کا مالک۔

(۹)

ڈھونڈ لے اُجلا گھاٹ، گھاٹ گھاٹ مت گھوم،
بھر دے گا وہ خالی جھولی، مچی ہے ہر سو دھوم،
ان پر کرے نوازش "راہو"، جو بھی ہیں محروم،
جندڑی جائے جھوم، گر بولے پیار کا بول۔

(۱۰)

ہوا وہ نعرہ زن تو کانپا، لشکرِ اغیار،
ہر سو سکھ سندرتا ہے اور، دور ہوا آزار،
سر دیتا ہے وار، وہ اوروں کے کارن۔

(۱۱)

چیخ اُٹھے اغیار، ہوا وہ نعرہ زن،
لب پر تھی مسکان، پڑا غضب کا رن،
"سمہ" سر بکفن، جائے موت کی جانب۔

(۱۲)

آیا علاؤ الدین تو گونجی، ہاتھی کی چنگھاڑ،
خوف سے لرزا بھج تھا سارا، گر گئے کوٹ کفار،

ڈھال اُٹھائی "ابڑو" نے اور، کوند گئی تلوار،
تلواروں کا تاؤ تو دیکھو، سہا نہ جائے وار،
رب هب لی امتی، کہتا تھا سردار،
کرے گا جان نثار، سمہ "سام" کی خاطر۔

(۱۳)

آیا علاؤ الدین تھا جب اور، آئے جب اغیار،
ابڑو بن اور کون تھا ایسا، سر دیتا جو وار،
"سومریوں" کی عزت کارن، کوند گئی تلوار،
سمہ وہ سردار، سام پہ جو سر وارے۔

(۱۴)

سر دینے کے کارن، کی ہے سام قبول،
دیں گی نہ محصول، اب وہ نربل ناریاں۔

(۱۵)

اور تو سارے مان گئے پر، وہ نہ مانا ہار،
اپنوں بیگانوں کی خاطر، کرے ہے جان نثار،
لیتا ہے ہر وار، سمہ اپنے سینے پر۔

(۱۶)

اور کہاں ہے جگ میں، سمہ سا سردار،
جو بھی تھام لے دامن، اس پر جان نثار،

مفلس اور ناداروں کو، اسی کی ہے آدھار،
آئے جو اس کے دوار، اس کا وہ رکھوالا۔

(۱۷)

سرداروں میں سمہ جام، پیڑ ہے سایہ وار،
جس جا کوئی پہنچ نہ پایا، اس جا پہنچا یار،
ایسی مہر کی برکھا ہے جوں، برسے میگھ ملہار،
سرتاپا ایثار، سب کو آپ نوازے۔

(۱۸)

لاکھوں گن ہیں، کیا گنواؤں، سب کی وہ سندرتا،
سب کا ہے ان داتا، ابڑو کچھ کا مالک۔

(۱۹)

سمہ پا بہ رکاب ہے، سب کو پاس بلائے،
پار وہی پہنچائے، صحرا دشت و جبل سے۔

وائی

مجھ میں عیب ہزار، میں ہوں طالب تیری،
کھیل کھیل میں عمر بتائی، جیون گئی میں ہار،
میرے سارے عیب تو جانے، ڈھانپ لے اے ستّار!
امر کے آگے سر بزانو، کون کرے انکار،

مجھ برھن کی بپتا ساری، جانے جانن ہار!
جیسے پھول گلاب کھلے ہوں، کھلے ہیں ”کھٹن ہار“،
بے کل من میں بسی ہوئی ہے، یادِ مدینہ یار!

دوسری داستان

(۱)

خالق نے خود خلق کیا، ”جکھرا“ ہے وہ جوان،
شیر کی مانند گرج رہا ہے، بڑا ہی ہے بلوان،
لہر لہر جوں بپھرا ساگر، موج چڑھے مہران،
رہبر وہ گنوان، سب کو راہ دکھائے۔

(۲)

سدا جیئے تو جکھرا!، بری سنوں نہ بات،
تیری اعلیٰ ذات، جیؤں میں تیرے سہارے۔

(۳)

سدا جیئے تو جکھرا!، بری سنوں نہ بات،
اعلیٰ تیری صفات، نا اہلوں کو بھی نوازے۔

(۴)

”جکھرے“ جیسا جام، اور نہ کوئی جگ میں،
کوئی جان نہ پایا، اس کا کیا ہے مقام،
جس سے بنا وہ جام، مٹی تھی بس اتنی۔

⑤

بن جکھرے کے اور تو سارے، نام کے ہیں سردار
جس طرح کہ بنا تھا "جکھرا"، کون بنا ہے یار!
جس سے بنا دلدار، مٹی تھی بس اتنی۔

⑥

دیکھیں "جادم جکھرے" کو تو، اور نہ من کو بھائیں،
آنگن میں ہو چشمہ رحمت، کنواں کیوں کھدوائیں۔

⑦

خالی ہاتھ نہ لوٹائے، ایسا ہے وہ "جام"،
جو بھی پیاسا دوار پہ آئے، پلائے جام پہ جام،
کوئی تشنہ کام، جگ میں نہ رہ پائے۔

⑧

اب تو ہیں سیراب، سارے تشنہ کام،
پی لو جام پہ جام، یہی صدا ہے لب پر۔

⑨

رچا ہوا ہے رگ رگ میں، "راہو" کا پیغام،
بھولا میں ہر نام، دیکھ کے جادم جکھرے کو۔

⑩

تیرے جود و سخا اے راہو! جگ میں ہیں مشہور،

اُن کو تونے عزت بخشی، جو مفلس، معذور،
پوچھے تو نہ حضور!، جو آئے سو پائے۔

(۱۱)

جلکھرے جیسا جگ میں، کون ہے اور جوان،
سب نبیوں کا راہ نما، اس کی اعلیٰ شان،
فکان قاب قوسین او ادنی، پایا ایسا مان،
اللہ کا احسان، کہ ملا ہے ایسا رہبر۔

(۱۲)

سمہ کا ہے اور نہ ثانی، اس کی اعلیٰ شان،
آقا کے دربار میں اس کو، اُمت کا ہی دھیان،
پایا سب نے مان، ہو گئیں معاف خطائیں۔

(۱۳)

سمہ جیسا اور نہ کوئی، دیکھا سب سنسار،
اوروں کی اب پروا کیسی، جا داتا کے دربار،
کھول دیئے ہیں دوار، جو جائے سو پائے۔

(۱۴)

آس کا ایسا ساگر ہے کہ، جس کا نہیں کنارا،
جوں گنگا کا دھارا، کرتا ہے سیراب۔

(۱۵)

اس سے مانگ کہ جس کی رحمت، جوں گنگا کا جل،
تج دے حیلے چھوڑ دوارے، جھکرے پاس تو چل،
کر جکھرے کی چاکری تو، پائے کرم کا پھل،
گائے پھر منگل، ہر مشکل ہو آسان۔

(۱۶)

من جائے تو لٹائے سائیں، داتا سارا دھن،
روٹھ کے بھی وہ بھر دیتا ہے، ہر خالی دامن،
اِس کا عجب چلن، کہ دیتا ہے ہر حال میں۔

وائی

تو ہی میرا سہارا، میرے ہوت پنہل رے!
ہانک کے اونٹ میں کب پہنچوں گی، دور ہے دیس تمہارا،
موڑ لے اونٹ مہار اے سائیں! لوٹ کے آتو خدارا،
دوجے جہاں میں احمد ہوں گے، شافع، شفیع، ہمارا،
اسم محمد دور کرے گا، آگے کا اندھیارا،
ہر پاپی پر دیا ہے اس کی، سب کو پار اُتارا،
شاہ لطیف! وہ ڈھارس ان کی، جن کا من دکھیارا۔

تیسری داستان

(۱)

آج ہوں سخت پریشاں، گھیرے ہے شیطان،
اس ملعون کے ہاتھوں اپنے، خطا ہوئے اوسان،
تو ہی آکر مار دے اس کو، اے شاہِ مردان،
مجھ پر کر احسان، مار کے اس ملعون کو۔

(۲)

اپنے نفس کو مار، پالے نفس پہ قابو،
بات سمجھ اے یار! یہی جہادِ اکبر ہے۔

(۳)

یہی جہادِ اکبر ہے، خود کو کر تیار،
اپنے نفس کو مار، پالے خود پر قابو۔

(۴)

پالے نفس پہ قابو، کر تو جہادِ اکبر،
اس سے کر تو جنگ جو تیرے، باطن میں ہے کافر،
کرکے یاد تو حیدر، کر باطن سے جنگ۔

(۵)

جگ میں اور نہ سوجھے، اس جیسا سردار،
جیسے ساون برکھا برسے، رحمت ہے ہر بار،

حاتم لاکھ ہزار، کہاں برابر اس کے۔

(۶)

تیرے جودوسخا سے، حاتم ہوگئے مات،
کامل تیری ذات، تو ہی سب کو نوازے۔

(۷)

گر ہے من میں آس تو جا تو، اس جکھرے کے دوار،
صدا لگا نہ اور کہیں تو، دوجے دوار بسار،
خوش تھے ''منگنھار''، ''جکھرے'' نے جب جنم لیا تھا۔

(۸)

جا جکھرے کے دوار پر، گر ہے کوئی آس،
باندھ لے آن کے دروازے پہ، تو گھوڑے کی راس،
دان کی کوئی کمی نہیں ہے، سب کچھ آئے راس،
سب ہے اس کے پاس، پائیں دان میراثی۔

(۹)

سمہ یار سخاوت کی، برساتا ہے بارش،
سارے بھوکے ننگوں کی، وہی بندھائے ڈھارس،
سمہ کی ہے نوازش، پل پل ناداروں پر۔

(۱۰)

کیوں جکھرے کے دوار نہ جائے، جگ کا وہ ننگ پال

جن کے عریاں انگ تھے، وہ اوڑھے ہیں شال،
سارے ہیں خوشحال، اس کے جود و سخا سے۔

(۱۱)

سدا جئیں شہزور، جن کی بندھی ہے آس،
خشک نہ ہو وہ چشمۂ رحمت، بجھے ہے سب کی پیاس،
ختم ہو خوف و ہراس، جس پریتم کے درشن سے۔

(۱۲)

پیاس بجھی آتے ہی، ہو گئی دور تھکن،
پھوٹ پڑا صحرا میں چشمہ، کٹ گئی راہ کٹھن۔

(۱۳)

تو چھپر ہے چھاؤں تو، ستر ہے تو ستار!
اس جگ میں بھی تیرا سہارا، وہاں بھی تیری سہار،
تیری لی آدھار، تو معاف ہوئے محصول۔

(۱۴)

"جلکھرے" جیسا اور نہیں ہے، جگ میں کوئی سہارا،
وہ ہی اس کے من کو بھائیں، جن کا کوئی نہ چارہ،
پل بھر بھی نہ بھولے اس کو، جو مفلس بیچارہ،
جام ہی ہے وہ دلارا، جو پوچھے عاجزوں کو۔

(۱۵)

سنا تھا جس کا نام، دیکھ لیا آنکھوں سے،
دیکھا جب وہ جام، تو دل نے دی گواہی۔

(۱۶)

دیکھتے ہی سب کھل اُٹھے، جام ہے وہ سردار،
سب کو مئے طہور پلائی، سارے ہیں سرشار،
ہوا اب وصلِ یار، دور ہوئے دکھ فرقت کے۔

(۱۷)

جوش میں آکر آج کرے گا، ہیروں کی برسات،
کیا کیا احسانات، جکھرے کے ہیں جگ پر۔

وائی

جب تھا پیر دھرا، الامیاں، جب تھا پیرا دھرا،
علی شیر کے نعرے سے تھا، کفر کا کوٹ گرا،
پیر دھرا جب راہوں پر تو، ہر رستہ مہکا،
جب آئے وہ مرسل تب تھا، روشن ہر رستہ،
آنگن آنگن مسکایا جب، آئے آپ پیا،
تجھ بن لطف لطیف پہ سائیں!، کرے اب کون بھلا

چوتھی داستان

(۱)

کوئی نہ اس کو روک سکا، پھر سے "وگند" ہے آیا،
اس نے آن کے پایا، روٹی، کپڑا اور آرام۔

(۲)

پھر سے "وگند" ہے آیا، سب منگتوں کے بعد،
شاید اس کی جورو نے، کیا اسے برباد،
کرتا ہے فریاد، کہ رہوں گا میں تو قدموں میں۔

(۳)

دل میں ہے امید کہ اس جا، ملے گا خوب طعام،
بیٹھا ہے وہ آس لگائے، چھوڑے نہ یہ مقام۔

(۴)

آس لگائے بیٹھا ہے کہ، ملے گا خوب طعام،
شوق ہے اس کو کھانے کا گو، جسم نحیف تمام۔

(۵)

پھر سے "وگند" ہے آیا، پھیل گئی ہے بو،
اس کے تن من میں اے سائیں، رچادے تو خوشبو۔

(۶)

پھر سے "وَگند" ہے آیا، بری ہے اس کی صورت،
خود تو سراپا بو ہے اور ہے، عطر فروش سے نسبت۔

(۷)

داتا کے دروازے پر، دیکھ "وگند" ہے بیٹھا،
روگ ہے اس کو لاگا، روگ سے لذت پائے۔

(۸)

داتا کے دروازے پر، دیکھ وگند ہے بیٹھا،
جیسے سودا بیچ رہا ہو، ہاٹ پہ کوئی بنیا،
اس در سے ہے گذرا، جہاں پہ کفر نہ کر پائے۔

(۹)

بیٹھا ہے دروازے پر، دیکھ وگند بے چارہ،
لید اُٹھائے عطر کی خاطر، عطر ہے اس کو پیارا۔

(۱۰)

پھر سے وگند ہے آیا جس کی، دوزخ ہی ہے قسمت،
پھول بنے جب ڈالے اس پر، سید نظرِ عنایت،
خوشبو کی ہے حاجت، خوشبو میں رچ جائے۔

(۱۱)

پھر سے وگند ہے آیا، پڑھے نہ کبھی نماز،

ایسے جھپٹے خوشبو پر، جیسے جھپٹے باز۔

(۱۲)

پھر سے وگند ہے آیا جس کے، برے ہیں سب اعمال،
مار مار کے اس کو اب تو، کر دے یار نڈھال،

(۱۳)

برے کی سنگت چھوڑ کے دیکھو، چلا ہے "وَرُو" آج،
چلا ہے سید کی جانب جو، سب کا ہے سر تاج۔

وائی

ڈھاپیں گے مجھ برہن کو، کریں گے آپ شفاعت،
جو ہیں اندھے اور اپاہج، بندھے گی ان کی ہمت،
آپ ہی سب کے درماں ہوں گے، سب پائیں گے صحت،
ان پر مہر کی برکھا ہو گی، جنہوں نے کی تھی غفلت،
مولا مان جائے گا جب، آپ کریں گے منت،
جلتی آگ سے سب نکلیں گے، سب پر ہو گی رحمت،
مشکل وقت پہ آئیں گے تو، بدلے گی پھر حالت،
وہ ہی سہارا ہو گا جو ہے، دونوں جہاں کی رحمت۔